





فَسَيَّلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ أَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ  
لَمْكَاشَفَاءِ الْعِيَّ السَّوَالِ

# أَسْنُ الْفَتَاوَى

بِحَذَفِ مَكْرَاتٍ وَتَحْرِيمَاتٍ فَرَانِضِ مُسَائِلِ غَيْرِ مَهْمَةٍ

جِلْد ٣

(اِس)

فَقِيْهُ الْعَصْرِ مَفْتِيْ عَظِيْمٍ مَفْتِيْ رَشِيْدٍ اَحْمَد صَا حَمْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى

(وَجَدَ تَقْسِيْمَ كُنْهَاتِ)

اَلْحَرَامِ سَعِيْدُ كَمِيْنِ  
اَدَبُ مَنْزِلِ پَاكِسْتَانِ چوكِ كَرَامِي

کتابخانه فاروق سعید آباد





نام کتب ————— احسن الفتاوی

جلد ————— سوم

زیر اہتمام ————— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ————— ۵۵۲ صفحات

کتابت ————— منشی محمد فاروق سہود آباد

تعداد ————— ایک ہزار

پریس ————— ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ————— سنہ ۱۴۰۱ھ

طبع یازدہم ————— ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک سٹراچوک کراچی





## فہرست مضامین "حسن الفتاویٰ" جلد سوم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵	لفظ "السلام" کہنے سے نماز سے خارج ہو گیا	۱۳	باب صفۃ الصلوٰۃ وما يتعلق بہا
"	بدون نماز سجدہ کا حکم	"	تکبیر تحریم کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی
۲۶	نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے	"	زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے
"	درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے	۱۴	نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت
"	نماز سے خرچ بالا اختیار فرض ہو اور سلام واجب	۱۶	نیت میں غلطی کا حکم
۲۸	قومہ و جلسہ میں دعا، مآثور	۱۷	نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم
۲۹	گوںگان نماز کیسے پڑھے؟	"	سوال متعلق بالا
"	درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے	۱۸	سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا
۳۰	تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے	"	بوقت تکبیر تحریم انگلیوں کی کیفیت
"	تشہد میں عقیدہ اشارہ کی کیفیت	۱۹	تکبیر تحریم ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے
۳۱	بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد	۲۰	ٹوپی سے نماز پڑھنا
"	نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے	"	سوال مثل بالا
۳۲	پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں	۲۱	سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ
۳۳	نماز کا فدیہ	"	اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے
"	سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ	"	قومہ، جلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہے
"	ثواب کی زیادتی پوسے حرم میں ہر عبادت پر ہے	"	توہم فساد کی بنا پر مغرب اور وتر
۳۴	مسجد نبوی میں پالیس نمازوں پر	"	کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے
"	بشارت صرف مردوں کے لئے ہے	۲۲	مغرب یا وتر میں سجدہ سہونہ کیا تو
۳۵	کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا دہی ثواب ملے گا؟	"	بوقت اعادہ کتنی رکعات پڑھے؟
"	جو مردوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ملتا ہے؟	۲۳	ہیئت رکوع میں مرد اور عورت میں فرق
"	مسجد نبوی میں پچاس نمازوں پر بشارت مقید متسلسل ہے	۲۴	سوئے شخص کو نماز کے لئے جگانا



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰	بیٹھ کر نماز پڑھنے والا نظر گورد میں رکھے	۳۵	حالت ولادت میں ادا نماز پر اشکال کا جواب
۵۱	قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں	۳۶	جماعت ہو جانے کے بعد فرض نماز مسجد میں نہ پڑھے
۵۲	دعائیں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے	۳۷	نماز میں یاد نہیں ہا کہ کس نماز کی نیست کی تھی؟
۵۳	سوال مثل بالا	۳۸	رکوع میں ٹخنے ملانا
۵۴	دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے	۳۹	سجدہ بقدر تسبیح واحدہ واجب ہے
۵۵	دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟	۴۰	نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ
۵۸	دعاء میں انگلیاں قبلہ رخ رکھنا مستحب ہے	۴۱	قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ
۵۹	دعاء کا مسنون طریقہ	۴۲	سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت {
۶۰	رسالہ	۴۳	دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟
۶۱	زبدۃ الکلمات فی حکم الدعاء بعد الصلوات	۴۴	تحقیق جملہ "ربنا لک الحمد"
۶۲	باب اشتراط التجوید	۴۵	تنگ وقت میں پیشاب یا پاخانہ کے {
۶۳	قرارت میں صحت ادا کی {	۴۶	تقاضا کی وجہ نماز چھوڑنا جائز نہیں {
۶۴	کوشش نہ کریگا تو نماز نہ ہوگی {	۴۷	سجدہ نماز میں دعاء
۶۵	قرارت فرض کی مقدار	۴۸	میت کی طرف سے اس کا بیٹا {
۶۶	فرض کی آخری دو رکعتوں {	۴۹	نماز کا فدیہ ادا کر سکتا ہے {
۶۷	میں سورۃ فاتحہ واجب نہیں {	۵۰	نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں {
۶۸	قرارت مسنونہ	۵۱	پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے {
۶۹	فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی {	۵۲	۳۰۲ گرام چاندی کے برابر نقصان {
۷۰	تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے {	۵۳	کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے {
۷۱	فاتحہ اور سورت درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے	۵۴	نماز میں قرأت حکایت ہے
۷۲	قرارت میں آواز کی مقدار	۵۵	تشہد میں سلام انشاء کہا جاتا ہے
۷۳	دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا	۵۶	سجدہ میں ٹخنے ملانا
۷۴	ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا	۵۷	مرد کیلئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے
۷۵	ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنا	۵۸	سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۷	سوال مثل بالا	۷۷	فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور
۸۸	سنت نفل کی سب کعاتیں سورت ملانا واجب	۷۸	رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل
۸۹	رسا نفل	۷۹	مزدور سے زیادہ بلند آواز سے قراءت جائز ہے
۱۰۵	الارشاد الیٰ مخرج الضار	۷۹	فَادْخُلِ فِيْ عِبَادِيْ مِّنْ فِيْ جھوٹ گیا
۱۶۳	نیل المرام بالتزام السکوت عند قراۃ الامام	۷۹	جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟
۲۵۷	فاتحہ الکلام فی القراۃ خلف الامام	۷۹	منفرد جہری نمازوں میں قضاء کرے
۲۵۷	باب الامامۃ والجماعۃ	۷۹	تو قراءت میں جہر کا اختیار ہے
۲۵۸	جماعت فجر کے وقت سنتیں پڑھنا	۸۰	جہری نماز کی قضاء دن میں
۲۵۹	نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو جانا	۸۱	باجماعت کی جگہ تو جہر واجب
۲۵۹	فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو گئی	۸۱	سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا
۲۶۰	قضاء نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو گئی	۸۱	عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں
۲۶۱	لنگڑا چلنے پر قادر ہو تو اس پر جماعت واجب ہے	۸۲	سورۃ زلزال میں خیرا کی جگہ شرام
۲۶۱	نابینا کی امامت	۸۲	پڑھنے سے نماز ہو جائے گی
۲۶۲	ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت	۸۳	برد زجمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا
۲۶۳	سوال مثل بالا	۸۳	آمین آہستہ کہنا افضل ہے
۲۶۳	ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کر لی تو بھی ڈاڑھی	۸۳	سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے
۲۶۳	پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے	۸۴	بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قراءت کرے
۲۶۳	صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں	۸۴	فاتحہ کا کچھ حصہ سر پڑھنے کے بعد
۲۶۳	امام مسافر نے چار رکعات پڑھیں	۸۵	بیت امامت کر لی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے
۲۶۳	تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہو گی	۸۵	امام فاتحہ کا کچھ حصہ آہستہ پڑھ گیا
۲۶۳	امام راتب الحق بالامامۃ ہے	۸۵	تو اس کا اعادہ نہ کرے
۲۶۳	غیر معذور کی اقتداء معذور سے جائز نہیں	۸۶	نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا
۲۶۳	رکوع و سجدہ پر قادر کی اقتداء عاجز جائز نہیں	۸۶	تجوید قرآن کی مقدار فرض
۲۶۵	متوضیٰ کی اقتداء متیم سے جائز ہے	۸۶	وقف لازم کی شرعی حیثیت



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۲	ملازم کے لئے ترک جماعت جائز نہیں	۲۶۵	مسح کرنے والی کی امامت جائز ہے
"	مریض ریح کو ترک جماعت جائز ہے	"	بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے
۲۸۳	جماعت مسجد میں عورتوں کی { شرکت مکروہ تحریمی ہے }	"	امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے
"	پیشاب یا پاخانہ یا بھوک کی شدت { کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے }	۲۶۶	تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم
۲۸۴	صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے	۲۶۸	بل تجب الاعادة بل من سہا خلف الامام
"	اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھ کر چلے جانا	۲۶۹	لنخے کی امامت
"	مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترک جماعت	۲۷۰	امام کے سلام اول کے بعد اقتدار صحیح نہیں
۲۸۵	سوال مثل بالا	"	مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا
"	خصی کی امامت	۲۷۱	غیر مسجد میں بدن عذر اقامت جماعت بدعت ہے
۲۸۶	امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے	"	امام کی نماز میں کراہت سے { مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی }
"	امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا	"	امام کو جس حالت میں پائے شریک ہو جائے
"	مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا	۲۷۶	خنثی کی امامت صحیح نہیں
۲۸۷	رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ	"	خنثی کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے
۲۸۸	رشوت خور کی امامت	"	رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم
"	ٹیل وٹرن دیکھنے والے کی امامت	۲۷۷	سوال مثل بالا
"	ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو	۲۷۸	مقتدی تعدد اولیٰ میں کھڑا ہو گیا
۲۸۹	مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اٹھ گیا	"	عوضہ دراز تک امامت کے بعد اقرار کفر
۲۸۹	سوال مثل بالا	۲۷۹	عوضہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے
"	بدعتی کی امامت	۲۸۰	بچوں کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنا
۲۹۰	اصفرار سے قبل جماعت قائم { نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ سکتا ہے }	"	مقتدی کے نغمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی
۲۹۱	مقتدی نے قصد تشہد نہ پڑھا	۲۸۱	مقتدی کے تشہد یا درود سے { قبل امام نے سلام پھیر دیا }
		۲۸۲	شافعی اور اہلحدیث کی امامت



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۹۹	مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ { ہو تو صفت بندی کیسے کریں؟	۲۹۱	موردی عقائد رکھنے والے کی امامت
۳۰۰	شرع میں ایک مقتدی تھا حائضہ میں اور آگے	۲۹۲	تضارہ بڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا
۳۰۲	امام پر متعین وقت کا اہتمام لازم ہے	۲۹۳	بیوی کی خواہش پوری کرنے { کے لئے ترک جماعت {
۳۰۳	دارتوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت	۲۹۴	امام کا وسط محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے
۳۰۴	جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو	۲۹۵	امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے
۳۰۵	بنک کے ملازم کی امامت	۲۹۶	سوال مثل بالا
۳۰۶	حنبل امام نے قصر نہ کیا تو مقتدی { کی نماز واجب الاعدادہ ہے {	۲۹۷	سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت
۳۰۷	ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو	۲۹۸	امام کے تقرر میں اہل صلاح { کی کثرت رائے معتبر ہے {
۳۰۸	امام کے ذمہ وتر کی قضا ہو	۲۹۹	دلدارانہ کی امامت
۳۰۹	مقتدی نے امام کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے { پہلے تکبیر ختم کر لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی {	۳۰۰	امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں
۳۱۰	کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں	۳۰۱	امام رکوع و سجدہ مختصر کرے
۳۱۱	فصل مانع اقتدار	۳۰۲	پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت
۳۱۲	سوال مثل بالا	۳۰۳	امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے
۳۱۳	شرائط اختلاف	۳۰۴	انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت
۳۱۴	امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا	۳۰۵	وضو ٹٹنے کی وجہ سے صفت سے { نکلے تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟ {
۳۱۵	کرفیو کی حالت میں مسجد جانا	۳۰۶	صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی { کے سامنے سے گزرنا جائز ہے {
۳۱۶	امام کے لئے تحمید افضل ہے	۳۰۷	مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی
۳۱۷	امام کے لئے تائین مسنون ہے	۳۰۸	نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائیگا
۳۱۸	لفظ "السلام" امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے	۳۰۹	صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو
۳۱۹	عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے	۳۱۰	نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت
۳۲۰	امام نماز فجر میں قنوت کی بجائے خاموش رہا	۳۱۱	



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲۱	نیل السعادة بالاعتدال في الصلوة المعادة	۳۱۳	مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں {
۳۵۳	المشکوة لمسألة المحازاة		چاروں رکعات منصرف ہیں {
۳۶۷	النصرت الامام الى جهة الانام	۳۱۴	آنے والے کے لئے قرأت یا رکوع لمبا کرنا
۳۷۵	باب المسبوق واللاحق	"	جگہ کی تنگی کی وجہ امام کا وسط میں کھڑا ہونا
"	مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا	"	ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں {
"	امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب	"	کی طرف رخ کرنا خلاف سنت ہی، {
۳۷۶	مسبوق کے بیٹھتے ہی امام قعدۃ اولیٰ سے اٹھ گیا	۳۱۵	دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے {
"	مسبوق نے امام کے ساتھ قعدۃ اخیرہ نہ کیا	"	مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں {
۳۷۷	مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟	"	شافعی امام کی اقتدار میں رفع یدین نہ کرے
۳۷۸	امام پانچویں رکعت لڑا اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے؟	۳۱۶	مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اٹھ گیا
۳۷۹	امام قعدۃ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا، مسبوق نے {	۳۱۷	امام قعدۃ اولیٰ چھوڑ کر اٹھ گیا تو {
"	اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہو گئی {	"	مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے {
۳۸۰	لاحق کی نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا	"	امام قعدۃ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا {
۳۸۱	مسبوق امام کے قعدۃ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟	"	تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں {
"	مدرک و مسبوق کے لئے شمار کا حکم	"	امام مسافر قعدۃ اولیٰ کے بعد کھڑا {
۳۸۲	مسبوق امام کی سری قرأت کے ساتھ شمار پڑھ سکتا ہے؟	"	ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟ {
۳۸۳	تین رکعات کا مسبوق قعدۃ اولیٰ کب کرے؟	۳۱۸	لنگڑے کی امامت
"	لاحق نے اتباع امام کے بعد فوت شد نماز پڑھی	۳۱۸	بتلون والے کی امامت
۳۸۴	لاحق فوت شد نماز مع سنن آداب ادا کرے	۳۱۹	بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت
	رسالہ	۳۲۰	مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلا گیا
۳۸۵	القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر	"	بھجیر اول میں شرکت کی حد
۳۹۸	باب مفسرات الصلوة والمکروہات		رسائل
"	سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم	۳۲۱	الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
۳۹۹	نماز میں ستر کھل جانے کا حکم	۳۲۹	امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۱۳	لباس یا پیاز کھا کر گھر میں بھی نماز مکروہ ہے	۳۹۹	تحقیق مسئلہ بالا
۴۱۴	نماز میں بیڑی، سگریٹ، نسوار { جیب میں رکھنا جائز نہیں }	۴۰۲	نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم
۴۱۴	نماز میں چلنا	۴۰۳	باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوگی
۴۱۶	نماز میں بلا ضرورت کھجلا نا مکروہ تحریمی ہے	۴۰۴	چست لباس میں نماز مکروہ ہے
۴۱۷	مسلسل تین بار کھجلا نا مفسد نماز ہے	۴۰۴	مرد کو نماز میں ٹخنے ڈھانکنا
۴۱۸	عمل کثیر کی تعریف	۴۰۵	ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا
۴۱۹	نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا	۴۰۵	ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا
۴۲۰	حالت نماز میں سانپ مارنا	۴۰۵	دتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی
۴۲۱	نماز میں لاجول پڑھنا	۴۰۵	فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا
۴۲۱	سنیما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۴۰۶	سلام اول کے بعد نماز کے سامنے گزرنا جائز ہے
۴۲۲	مصلیٰ کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی	۴۰۶	نماز میں ڈکار آنا
۴۲۲	نماز میں ہنسنا	۴۰۶	آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے
۴۲۳	ایسے پلاسٹک پر نماز جسکی نخلی جانب نجس ہو	۴۰۷	سجد میں جاتے وقت کپڑی سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے
۴۲۴	اللہ اکبار کہنا	۴۰۷	آدھی آستین کے گرتے میں نماز مکروہ نہیں
۴۲۴	سلام علیکم کہنا	۴۰۸	رومال و عقال سدل میں داخل نہیں
۴۲۵	کتا یا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی	۴۰۸	نماز کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جاسکتا ہے
۴۲۶	تصویر والے مکان میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعداد ہے	۴۰۹	نماز کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟
۴۲۸	ارضیٰ مخصوصہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے	۴۱۰	رومال یا چھڑی کو سترہ بنانا
۴۲۸	نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر سے لگنے کا حکم	۴۱۱	بوقت ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں
۴۲۹	ٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے	۴۱۱	مسجد حرام میں نماز کے سامنے سے گزرنا
۴۲۹	حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے	۴۱۲	فساد وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا
۴۲۹	حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے	۴۱۳	مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا
۴۳۰	چوری کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے	۴۱۳	نماز کے عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم
		۴۱۳	ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۳۲	پہلی رکعت میں سورۃ ناس پڑھ لی	۴۳۰	پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ
۴۳۳	پہلی رکعت میں سورۃ ناس شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے	۴۳۱	قضا حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہو
"	دوسری رکعت میں اوپر کی سورۃ شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے	"	نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا
۴۳۴	ایک سورت سے دوسری کی طرف انتقال	۴۳۲	گدے پر سجدہ کا حکم
"	نماز میں خلافت ترتیب قرأت مکروہ ہے	"	نماز میں غیر عربی میں دعاء مکروہ ہے
۴۳۵	قرآن دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے	۴۳۳	نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا
"	قرأت میں فاحش غلطی کی پھر صحیح کر لیا تو نماز ہو گئی	"	انفرادی نماز میں عورت کی محاذاتہ مکروہ ہے
"	سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا	۴۳۴	شرائط صحت بنا
۴۳۶	سوال مثل بالا	۴۳۵	سوئے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا
۴۳۷	اشقی کی بجائے اتقی پڑھ گیا	"	نماز میں بضرورت گرتے درست کرنا مکروہ نہیں
"	دوسری رکعت کے اطالہ مکروہہ کی مقدار	۴۳۶	نماز میں چادر کندھے سے گر جائے
۴۳۹	باب الوتر والنوافل	"	نماز میں تہبند درست کرنا
"	قنوت وتر میں کوئی دوسری دعاء پڑھنا	۴۳۷	مسجد میں چٹائی کی ٹپا رکھنا اور ان کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی
"	تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم	"	پارش کی وجہ سے نماز توڑنا
۴۵۰	دعاء قنوت کا تکرار	۴۳۸	نماز میں کھنکھارنا
"	دعاء قنوت سے ترک یا تکرار	"	سہواً اسلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی
"	پانچوں نمازوں میں سنتیں حلیت ثابت ہیں	۴۳۹	نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم
۴۵۲	سنت مؤکدہ و نفل ایک سلام سے پڑھنا	"	کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا
۴۵۳	دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہواً اکھڑا ہو گیا	"	ریح روک کر نماز پڑھنا
"	قنوت ترک یا ساتھ قنوت نازل ملانا	۴۴۱	پاک کپڑا نہ ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے
۴۵۴	وتر میں دو تشہد کا ثبوت	"	نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا
۴۵۵	جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص	"	کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا
"	سنن نوافل کیلئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے	۴۴۲	مسائل زلۃ القاری
۴۵۶	سوال مثل بالا	"	دو رکعتوں کی قرأت کے درمیان ایک چھوٹی سورۃ چھوڑنا مکروہ ہے



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۸۲	سوال متعلق بالا	۴۵۶	قبلہ سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو { وقت کے اندر قضا سنت مؤکدہ ہی}
"	تحتہ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہی	۴۵۷	وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں
"	بیٹھنے سے تحتہ المسجد ساقط نہیں ہوتا	"	وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدہ سہو نہیں کیا
۴۸۳	تحتہ المسجد قتی نمازوں کے تھا مخصوص نہیں	۴۵۸	فرض صبح نہ ہو تو بعد الی سنت دوبارہ پڑھے
"	دن میں ایک بار تحتہ المسجد سنت مؤکدہ ہی	"	فرض یا تراویح منفرد پڑھنے والی جماعت میں شرکت
"	تحتہ المسجد کے قائم مقام تسبیحات	۴۶۰	فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں
۴۸۴	چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی	"	جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا
"	قبلہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعد یہ کے بعد پڑھے	۴۶۱	سنت فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قراءت امام سنائی دے
۴۸۵	جمعہ کی قبلہ سنتیں گئیں تو کس وقت پڑھے؟	"	نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا
"	نماز جمعہ کے بعد تعداد رکعات	۴۶۲	سوال مثل بالا
۴۸۶	نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے	۴۶۳	وتر کا آخری قعدہ بھول گیا
۴۸۷	سنن جمعہ کی نیت	۴۶۴	سنت فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں
"	اپنے ذمہ بطور جبرانہ نفل واجب کرنا	۴۶۵	اشراق، چاشت، اوامین کی رکعات
۴۸۸	تکبیر قنوت واجب نہیں	۴۶۶	دو رکعت سنت مؤکدہ اوامین میں داخل ہیں
"	تکبیر قنوت میں رفع یدین کا ثبوت	۴۶۷	اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات
۴۹۰	سنت غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں درود و دعاء { اور تیسری رکعت میں شمار پڑھنا اولیٰ ہے}	۴۶۸	نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہی
"	سنن فرائض کے درمیان فصل	۴۶۹	سنت فجر کی قضا
۴۹۱	صلوۃ التسلیم میں دوسری اور چوتھی رکعت کی تسبیح میں تکبیر کی	۴۷۰	سوال مثل بالا
"	صلوۃ التسلیم کے قنوت میں ہاتھ باندھنا مسنون ہی	۴۷۱	استحارہ کی حقیقت
۴۹۲	نفل پڑھتے ہوئے صبح ہو گئی	۴۷۲	نماز کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے
"	مکروہ وقت میں شروع کئے ہوئے نفل کا حکم	۴۷۳	نماز مغرب قبل تحتہ الوضوء تحتہ المسجد کا حکم
۴۹۳	دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع { کی، بعد میں زیادہ شریک ہو گئے}	۴۷۴	صبح صادق کے بعد تحتہ الوضوء تحتہ المسجد جائز نہیں
		۴۷۵	تحتہ الوضوء تحتہ المسجد کی تفصیل



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۶	سامع کی اجرت	۴۹۳	تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں
"	نابالغ سامع کو صفت اول میں کھڑا کرنا	۴۹۴	رکعتوں میں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے
۵۱۷	فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعتیں شرکت صحیح نہیں	"	نماز اشراق کا ثبوت
"	تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا	۴۹۵	چار رکعت نفل کی نیت بانٹنے سے دو رکعت واجب ہوئیں
"	ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں	"	دعاء قنوت کا حوالہ
۵۱۹	تراویح کے بعد دعا	"	نفل میں سجدہ سہونہ کیا تو اعادہ واجب ہے
"	دوسو رکعتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم	۴۹۶	وتر کا فدیہ بھی واجب ہے
۵۲۰	مسجد سے باہر تراویح کی جماعت	"	قنوت کے بعد رد و پڑھنا افضل ہے
"	قضاء نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں	"	ناپاک کپڑے میں پڑھے ہوئے
"	بدون سامع قرآن سنانا	"	نوافل کا اعادہ واجب نہیں
۵۲۱	شبینہ کا حکم	۴۹۷	وتر تراویح سے پہلے پڑھ لے تو ان کا اعادہ واجب نہیں
۵۲۲	سوال مثل بالا	"	فرض پر نفل کی بناء مکررہ ہے
"	مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم	"	فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا
۵۲۳	ایک امام کا دو جبکہ تراویح پڑھانا	"	رسالہ
"	سامع کے لئے جبکہ کی تعیین	۴۹۹	اعدل الانظار فی الشفع بعد الایثار
۵۲۴	قرآن دیکھ کر نعمہ دینا مفسد ہے	"	فصل فی التراویح
"	تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے	۵۰۸	تراویح میں بقعہ ختم کرنا ۵۰۸ ، سوال مثل بالا
"	فرض منفرد پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے	۵۰۹	تراویح میں سورۃ اخلاص کا تکرار
۵۲۵	عورتوں کے لئے قبل تراویح سنت مؤکدہ ہے	۵۱	چار رکعت تراویح میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو دو رہیں
"	تراویح میں نابالغ کی اقتداء صحیح نہیں	۵۱۱	سوال مثل بالا
۵۲۶	بیٹھ کر تراویح پڑھنا	۵۱۲	تراویح سہواً چار رکعات پڑھ لیں
"	ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں	"	ایک قعدہ سے تین رکعت تراویح
"	رسالہ	۵۱۳	قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام ہے
۵۲۷	لمعات المصابیح فی رکعات التراویح	۵۱۵	بوقت ختم قرآن امام و مؤذن کو کچھ دینا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب صفۃ الصلوٰۃ وما يتعلق بہا

تبیخیر تحریم کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی :

سوال :- زید نے تبخیر تحریم کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کر کے تعویذ و تسمیہ فاتحہ و قرأت پڑھ کر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں ؟ اور سجدہ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں ؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب :

تبخیر تحریم ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے، اس لئے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تبخیر تحریم ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کر لی تھی تو اگرچہ نیت قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتداء صحیح ہوگئی مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی، قال فی الدار المختار ولا عبرة بنیة متأخرة عنہما علی المذہب، وقال فی المختار لان الجزء الخالی عن النیة لا یقع عبادة فلا ینبئ الباقی علیہ وفي الصوم جوتہ للضرر و یمنی حتی لو نوى عند قوله الله قبل اکبر لا یجوز لان الشرع یصح بقوله الله فكانتہ نوى بعد التکبیر حلیة عن البدائع، رد المختار ج ۱ ص ۳۸۷ قلت هذا الفرع مبنی علی غیر الظاهر من المذہب لما قررہ البشیر والمحشی فی بیان تألیف الصلوٰۃ ان المذہب لا یصیر شارعا بان الله فقط ونص الشرح ولا یصیر شارعا بالمبتدأ فقط والله وباکبر فقط هو المختار فلو قال الله مع الامام واکبر قبلہ او ادرك الامام رکعاً فقال الله قائماً واکبر رکعاً لم یصح فی الاصح رد المختار ص ۳۳۸ ج ۱، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۳ رزی قعرہ ۸۶

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے :

سوال :- ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے اُن کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین تعلیم



پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام اُن کی نيات خود یاد نہیں کرتے ہیں، کہ وقت پر وہ بتایا جائے گا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو باواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون جاہل کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج یافتہ عمل کے متعلق کیا کہا جائے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پا چکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ میں آجائے تو مناسب ہے،

### الجواب باسم ملہم الصواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے، اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ: ”نماز جنازہ یا نماز عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں“ لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، لہذا آپ کے ہاں مردج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحت نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہ بدعت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۵ھ

### نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال: التللفظ بالنیۃ فی الصلوة کے مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، بانہ مستحب وقیل سنۃ وقیل بدعة ثم جعل بعضهم بدعة حسنة وبعضهم بدعة سیئة، تقریباً ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین و محققین کا میلان فلا عبور بہ کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی، اور ملا علی قاری نے بھی عدم ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہد رسالت اور زمان مشہورہ بالخیر تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں، مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے وکذلک استحسن العلماء بل بعضهم فی نية الصلوة النطق باللسان مع ارادة قلبية والحال انه لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن اصحابہ الکرام ولا عن التابعین العظام فی النية النطق باللسان لا فی رواية صحيحة ولا فی رواية ضعيفة بل كانوا یکبرون للتحريم عقب القيام فیکون النطق بدعة وقالوا ان ذلك بدعة حسنة ویقول هذا الفقیر ان هذه البدعة رافعة للفرص فضلاً



عن الستة فان اكثر الناس يكتفون على هذا التقدير بالنطق باللسان يعنى من غير  
استحضار النية بالجنان ومن غير مبالاة بالغفلة القلبية عن هذا الشأن فحينئذ  
يكون فرض من فرائض الصلوة وهو النية القلبية متروكا بالكلیة ويقضى الى  
فساد الصلوة رمكوبات الامام الربانى، ص ۱۶۰ ج ۱ المکتوب السادس الثمانون والمائة  
جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ثبوت عدم کی وضاحت ملتی ہے، اور احادیث  
مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السننة،  
(الجامع الصغير للسيوطی، ص ۲۳۱ ج ۲) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں  
سنیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے  
کی نفی تصریح فقہاء سے ثابت ہے، اور یہ عمل دائرہ بین الجائز والبدعة ہے تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح  
نہ ہوگی، کما صرح به الفقهاء رحمهم الله تعالى، نیز استحباب اگر اجتماع عزیمت کی وجہ سے  
ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے تو مجتہد الف تانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماع عزیمت  
تو کیا ہوتا انتفاء جزر اعظم لازم آ رہا ہے، یعنی عموماً ارادۃ قلبیہ یا اس جانب دھیان و فکر باقی ہی  
نہیں رہتا، اور اگر استحباب کی دلیل استحسان علماء ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں  
ہونا چاہئے، نیز بصورت جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ بینوا بالادلة  
والبرهان اجرکم الرحمن،

### الجواب باسم ملهم الصواب

بدعت شرعیہ اس لئے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعہ مقصود سمجھا جاتا ہے،  
وہو احضار القلب، اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے اس پر بدعت کی تعریف  
صادق نہیں آتی، کالمندارس العربیۃ وما فیہا من الامور المحدثۃ، البتہ اس کو مقصود  
اور ضروری سمجھنا بلاشبہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ یہ معین احضار قلب ہی یا کہ مغفل قلب  
اس میں قول اول رائج معلوم ہوتا ہے ۵

ذکر آرد فکر را در اہستہ ساز ۶ ذکر را خور شیر این افسردہ ساز  
علاوہ ازیں صحت صلوٰۃ کے لئے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتائے  
کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،



## نیت میں غلطی کا حکم :

سوال :- اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاء وغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا، اور قصر کی نیت کرنی تھی لیکن پوری نماز (چار رکعت) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کر لی، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت اعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی صرف زبان سے الفاظ ان کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کر سکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

نیت صرف ارادہ سے ادا ہو جاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہو جائے تو بھی نماز ہو جائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے، اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذر، ان میں بھی دن اور تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں، قال فی الدرر والمعتبر فیہا عمل القلب لا لزوم للارادة فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانیۃ الا اذا عجز عن احصاء لمہوم اصابته فیکفیہ اللسان مجتبیٰ وهو ای عمل القلب ان یعلم عند الارادة بداهۃ بلا تأمل ای صلوٰۃ یصلیٰ فلو لم یعلم الا بتأمل لم یجز، وفی الشامیۃ (قوله ان خالف القلب) فلو قصد الظہر وتلفظ بالعصر سموا اجزاء کما فی الزاہدی قمستانی ام (قوله ان یعلم عند الارادة الخ) قال الزیلعی وادناہ ان یرید بحیث لو سئل عنہما امکنہ ان یجیب من غیر فکر، ام (رجح المختار ص ۳۸۶ ج ۱) وفی التوہد کفی مطلق نیت الصلوٰۃ لنفل وسنۃ وتراویح ولابد من التعیین عند النیت لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد رکعاتہما، وفی الشرح لحصولہا ضمناً فلا یفصل لخطائی عدھا (رد المختار ج ۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۳ ربيع الآخر ۱۴۰۹ھ



## نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم :

سوال : اگر کوئی شخص بوقت ظہر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کر لے تو یہ سنت ادا ہونگی یا فرض یا نماز از سر نو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں تو یہ فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ یا از سر نو فرض پڑھنا پڑے گا جبکہ ظہر کی سنت پہلے ادا کر چکا ہو۔

اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتروں کا ارادہ دل میں کر لیا تو یہ وتر ہو گئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں فرض صحیح ہو گئے سنت بعد میں پڑھے مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں اس لئے اگر دل میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوگی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷، رذی قعدہ سنہ ۱۴۱۹ھ

## سوال متعلق بالا :

سوال : جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا شکریہ، فتویٰ ہذا میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ اپنے فرمایا کہ نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں، اس لئے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے لیکن فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱ ج ۴ میں مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کر لی تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟ جواب : نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھ لے اور دوبارہ تکبیر بنیت سنت کہے۔ رجل افتح المكتوبة فظن انها تطوع فصلى على نية التطوع حتى فرغ فالصلوة هي المكتوبة ولو كان الامر بالعكس فالجواب بالعكس الخ والنية بدون التكبير ليس بمخرج (عالمگیری كشوری

الفصل السابع في النية ص ۱۶۷ و ۱۶۸)

## الجواب باسم ملہم الصواب

۲ اگر نماز سے قبل زبان و قلب میں اختلاف پایا جائے تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کر نیکی بعد دل سے نیت بدلے تو یہ معتبر نہیں، عزیز الفتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۷، رذی قعدہ



سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں؛ کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہئے؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتا ہے، اور زید عالم بھی ہے،

صحیح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے: نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ لِلَّهِ تَعَالَى رَكْعَتَيْنِ صَلَاةَ الْفَجْرِ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ تَعَالَى مُتَوَجِّهًا إِلَى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيفَةِ اللَّهُ أَكْبَرُ

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت کے لئے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں، دل کی نیت کافی ہے، زبان سے نیت کرنا چاہئے تو فرض نماز کے لئے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں، نہ رکعات کی تعیین ضروری نہ دن کی، اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت، اور واجب میں صرف دتر یا نذر کی نیت کافی ہے، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، معہذا اگر کسی نے نیت میں سنت رسول اللہ کے الفاظ کہہ دیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو شرک بتانا جہالت ہے اس لئے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵، محرم ۱۳۹۳ھ

بوقت تکبیر تحریم انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریم کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں بھلی رکھے یا ملا کر؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تکبیر تحریم کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی نو سے لگائے، اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے، قال فی التنویر و سنتہا رفع الیدین للتحریمة ونشر الاصابع، وفي الشرح ای ترکہا بحالہا وفي الشامیة (قولہ ای ترکہا بحالہا) قال فی الحلیة ظن بعضهم انه اراد بالنشر تفريج الاصابع وهو غلط بل اراد به النشر عن الطی، یعنی یرفعہما منصوبتین لا مضموئین حتی تكون الاصابع مع الکف مستقبلہ للقبلة ثم لا یخفی انه لا متوقف السنۃ علی ضم الاصابع اولاً بل لو كانت منشورة غیر متفرجة کل التفريج ولا مضومة کل الضم ثم



رفعہما کذلک مستقبلًا بہما القبلة فقد اتی بالسنة ۱۵۰۰ (۱) والمختار ص ۴۴۳ ج ۱  
 وفي التوضیح رفع ید یدہما سبًا بہما یدہ شحشی اذنیہ وقال الشارح هو المراد  
 بالمحاذاة لانہما لا تتیقن الا بذلک ویستقبل یکفیه القبلة وقیل خدیہ (۲) المختار  
 فقط والله تعالیٰ اعلم  
 ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ

تکبیر تحریم ہاتھ اٹھانے کے بعد کہ:

سوال :- تکبیر تحریم کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا  
 الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں:-

- ① ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے،
- ② ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے، رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتداء کرے اور اس کے  
 ختم پر تکبیر ختم کرے،

③ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے یہی رائج ہے، قال فی العلائقہ ورفع  
 ید یدہ قبل التکبیر وقیل معہ فی الشامیۃ الاول نسبہ فی المجموع الی ابی حنیفۃ  
 ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وفی غایۃ البیان الی عامۃ علماءنا وفی المبسوط الی  
 اکثر مشایخنا وصححہ فی الہدایۃ والثانی اختارہ فی الخانیۃ والخلاصۃ والتحفة  
 والبدائع والمحیط بان یبدأ بالرفع عند بداءتہ التکبیر ومختر بہ عند ختمہ  
 وعزاه البقائی الی اصحابنا جمیعًا ورجعہ فی العلویۃ وثمة قول ثالث وهو انہ  
 بعد التکبیر والکل مروی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام وما فی الہدایۃ اولیٰ کما  
 فی البحر والنہر ولذا اعتمدہ الشارح فانہم (۳) المختار ص ۴۵۱ فقط والله تعالیٰ اعلم  
 ۲ صفر ۱۲۸۵ھ

ٹوپی سے نماز پڑھنا:

سوال :- زید کہتا ہے کہ ٹوپی سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ٹوپی ثیاب بذلہ  
 سے ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

بینوا توجروا،



## الجواب منہ الصدق والصواب

زید کا قول صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو ٹوپی کا ثیاب بذلہ سے ہونا مسلم نہیں، ثیاب بذلہ اس لباس کو کہا جاتا ہے جس سے انسان مجلس میں آنے جانے میں عار سمجھتا ہو، اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر مجلس میں آتا جاتا ہو اس کے لئے ٹوپی ثیاب بذلہ سے نہیں، ثانیاً ثیاب بذلہ میں نماز مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، کما فی الشامیۃ (قوله وصلوۃ فی ثیاب بذلہ) قال فی البحر وفسرہا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولای ذہب الی الا کابرو الظاہرات الکراہۃ تنزیہیۃ (مرآۃ المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

## سوال مثل بالا:

سوال :- ٹوپی سے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

## الجواب منہ الصدق والصواب

قال فی شرح التویر فی مکروہات الصلوۃ وصلوۃ حاسراً ای کاشفاً رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل وأما لالہانۃ بہا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتما افضل وقال فی الشامیۃ وفی الدر عن التاترخانیۃ والظاہرات ان افضلیۃ اعادتما حیث لم یقصد بترکہما التذلل علی مائتہ (شامیۃ ج ۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلا تکاسل برہنہ سر نماز پڑھنے میں بھی کراہت نہیں تو ٹوپی سے پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ نہ ہوگا، نیز ولو سقطت قلنسوتہ الخ "پر شارح کا ٹوپی سے نماز پڑھنے پر کراہت کا حکم نہ لگانا عدم کراہت پر بین دلیل ہے، لان السکوت فی معرض البیان بیان، جن عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے وہ اس شخص پر محمول ہیں جو ٹوپی سے مجلس میں آتا جاتا ہو اور اسے ثیاب بذلہ سے سمجھتا ہو،

مختلف روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف امت کا ٹوپی سے نماز پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے وضع ابواسحق قلنسوتہ فی الصلوۃ ورفعہا بخاری ۱۵۹، کان القوم یسجدون علی العمامۃ والقلنسوة (بخاری ۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ



سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک میں پر رکھنا واجب ہے :

سوال :- ایک شخص نماز پڑھتے وقت سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر نہیں رکھتا اس غرض سے کہ پیشانی پر داغ نہ پڑ جائے، اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے، لہذا اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ فی فصل فی بیان تألیف الصلوۃ الی انتہاء ہا تحت (قوله و وضع اکثرہا واجب الخ) اختلف هل الفرض وضع اکثر الجبهة أم بعضها وإن قل قولان أحدهما الثاني نعم وضع اکثر الجبهة واجب للمواظبة والاضا تحت (قوله كما حررناہ فی شرح الملتقى) فالاشبه وجوب وضعہما معاً ای الجبهة والافت و كراهة ترك وضع كل تحريراً الخ (در المختار ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۴ھ

قومہ و جلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہے :

سوال :- قومہ و جلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہے یا واجب؟ اور سہو ترک کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

راجح قول وجوب کا ہے، لہذا سہو ترک کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ ومقتضى الدلیل وجوب الطمانینۃ فی الاربعۃ ای فی الركوع والسجود فی القومۃ والجلسۃ وجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بین السجدة تین للمواظبة علی ذلك کلہ وللأمر فی حدیث المسی صلوٰتہ ولما ذکرہ قاضی خان من لزوم السجود والسہو بترك الرفع من الركوع ساهياً الخ (در المختار ج ۱ ص ۴۳۳) فقط والله تعالى اعلم، ۱۸ محرم ۱۲۸۴ھ

توہم فساد کی بنا پر مغرب اور وتر کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے :

سوال :- توہم فساد کی بنا پر چہستیاطاً قضاء صلوۃ سے متعلق درمختار باب التوافل میں صلوۃ علی الدابة سے چند سطور پہلے یہ عبارت ہے : وما نقل ان الامام قسطنطین صلوۃ عبد فان صح فقول کان یصلیٰ الوتر والمغرب اربعاً بثلاث قعدات الخ، اس میں شبہہ ہے کہ اگر



مغرب کی پہلی نماز صبح ہے تو اعادہ میں چار نوافل میں سے تیسری رکعت پر قعدہ کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہونا چاہئے، اور اگر پہلی نماز صبح نہیں ہوئی بلکہ اعادہ صبح ہے تو ایک تو تیسری رکعت کے بعد تاخیر سلام کی وجہ سے سجدہ سہو ہونا چاہئے، دوسری کہ رکعت رابعہ نفل ہوگی، اور نفل شروع کرنے کے بعد شفع واجب ہو جاتا ہے تو اس کا تدارک کیسے ہوگا؟ بینوا تو جروا،

### الجواب منہ الصدق والصواب

سجدہ سہو عمد میں نہیں ہوتا، اس لئے مذکورہ صورتوں میں اس کے وجوب کی کوئی وجہ نہیں، اور نوافل میں بعد الشروع اتمام شفع تب واجب ہوتا ہے کہ نوافل کو قصداً شروع کریں، اور صورت مذکورہ اس میں داخل نہیں، قال فی شرح التئویر ولو سہما عن القعود الا خیر عاد ما لم یقید ہا بسجدة وان قید ہا تحول فرضہ نفلاً برفعه وضم سادسة ولو فی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراہة والالتزام بالقصد وفي الشامية بقوله لاختصاص الکراہة الخ) جواب عما قد یقال ان النفل بعد العصر الفجر مکروهہ وفي غیرہما وان لم یکرہ لکن یجب اتمامہ بعد الشروع فیہ فکیف قلت ولو بعد العصر والفجر وقلت انه مخیر ان شاء ضم والا فلا والجواب انه لم یشرع فی ہذا النفل قصداً او ما ذکرته من الکراہة ووجوب الالتزام خاص بالنفل قصداً، والینا فی الشرح ولا عہدۃ لوقطع فی الحاشیۃ ای لا یلزمہ القضاء لو لم یضم وسلم لانه لم یشرع بہ مقصوداً کما مر رد المحتار باب سجود السہو، باب النوافل میں بھی لازم نفل شرع فیہ قصداً مقید بالقصد ہے، مطلقاً ہر شروع سے لزوم کا حکم نہیں دیا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۲، رجب ۱۳۵۸ھ

مغرب یا وتر میں سجدہ سہو نہ کیا تو بوقت اعادہ کتنی رکعات پڑھے؟

سوال :- مغرب یا وتر میں سجدہ سہو واجب ہوا، مگر سجدہ نہ کیا، تو بوقت اعادہ تین رکعات

مہ فیہ انه ان دارم علی النفل المشرع بغیر قصد یجب اتمامہ ایضاً ما عدم الوجوب فی سورۃ نفقہ فی الحال کذا فی الشامیۃ ج ۱ ص ۶۵ والجواب ان البدوام یوجب الالتزام لانه یدل علی الالتزام وھما لیس کذلک لکن لا یرید الالتزام الجدید بل اراد جبر التقصان والخروج عن العہد ۱۲ امنہ



پڑھے یا کہ چار؟ بینوا بالبرہان اجرکم الرحمن،

### الجواب منہ الصدق الصواب

اگر وقت کے اندر اعادہ کیا تو تین رکعات ہی پڑھے، کیونکہ اعادہ واجب ہے، اور اگر بعد از وقت اعادہ کیا تو یہ اعادہ صاحب بحر کے نزدیک مستحب ہے واجب نہیں، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ چار رکعت تین قنوت کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ توہم فساد کے وقت اعادہ کا حکم ہے، مگر شامیہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۶۸ میں قبل از خروج وقت یا بعد از خروج، بہر کیف اعادہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے، یہی بحث واجبات الصلوۃ اور باب سجود السہو میں بھی ہے، پس قول مختار کی بناء پر بہر حال اعادہ میں تین رکعت ہی پڑھے، غرضیکہ اس کا مدار وجوب اعادہ وعدم وجوب ہا پر ہے، بعض نے جو اس کا مدار یہ قرار دیا ہے کہ صلوۃ واجب الاعادہ میں صلوۃ اولی فرض ہے یا ثانیہ "یہ صحیح نہیں، کیونکہ اگر صلوۃ اولی کو فرض تسلیم کیا جائے تب بھی صلوۃ معادہ جبر نقصان کے لئے واجب تو ضرور ہے، اور وجوب تثلیث کے منافی نہیں، (کما فی الوتر) لہذا چار رکعات کی حاجت نہیں، صلوۃ اولی کی فرضیت کے قائلین کا یہ مطلب نہیں کہ صلوۃ ثانیہ محض نفل ہے، شرح التویر میں ہے: والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لا یتکثر وفي الشامیة ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السہو الخ معلوم ہوا کہ صلوۃ ثانیہ سجدہ سہو کی طرح جابر اور واجب ہے، بلکہ شامی نے باب قضاء الفوائت ص ۶۹ میں تصریح کی ہے کہ جو فرق صلوۃ اولی سے سقوط فرض کا قائل ہے وہ صلوۃ ثانیہ بھی فرض ہی کہتا ہے، پوری تفصیل شامیہ میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ

ہیئت رکوع میں مرد اور عورت میں فرق؛

سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ هل تفارق المرأة الرجل في هيئة ركوع الصلوۃ

ام لا؟ بینوا توجروا،

### الجواب منہ الصدق الصواب

بینہما فرق ذکر الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کما قال فی الشامیة تحت رقلہ  
ولیس ان یلصق کعبیہ، ہذا کلمہ فی حق الرجل اما المرأة فلتحنی فی الركوع یسیراً

۵۷ عورت رکوع میں مردوں کی طرح پشت کو برابر نہ کرے بلکہ کچھ انحناء کرے زیادہ نہ جھکے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر گھٹنوں پر رکھے، مردوں کی طرح انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو بکڑے نہیں اور گھٹنوں کو قد سے جھکائے اور کہنیوں کو پہلوؤں سے ملائے ۱۲ منہ



ولا تفرج ولكن تفسم وتضع يديهما على ركبتيهما وضعا وتحني ركبتيهما ولا تجافي عنديهما لان ذلك استرلها وفي شرح الوجيز الخنثى كالمراة اه، (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱) فقط والله تعالى اعلم  
۱۴ ربيع الاول ۱۳۷۶ھ

### سوتے شخص کو نماز کے لئے جگانا:

سوال :- سوتے ہوئے آدمی کو نماز کے وقت جگانا واجب ہے یا نہیں؟ نیز جب نماز کا وقت شروع ہو جائے تو اس وقت سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو سوتے ہوئے شخص کو جگانا واجب ہے، البتہ اگر یہ شخص مریض ہو اور جگانے سے تکلیف کا خطرہ ہو تو جگانا واجب نہیں، نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سونا اس شرط سے جائز ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، خود بیدار ہو جانے کا یقین ہو یا کوئی بیدار کر نیوالا موجود ہو، وقت نماز سے قبل سونا بہر کیف جائز ہے، قال فی المد لا یجب انتباہ النائم فی اول الوقت ویجب اذا ضاق الوقت نقلا البیری فی شرح الاشباہ عن البدائع من کتب الاصول وقال لم نرہ فی کتب الفرع، فاغتنمہ اه، قلت لکن فیہ نظر لتصریحہم بانہ لا یجب الاداء علی النائم اتفاقا فکیف یجب علیہ الانتباہ رروی مسلم فی قصة التعریس عن ابی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی فی النوم افریط الی قولہ) انتہ بنومہ قبل الوقت لا یكون مؤخرًا وعلیہ فلا یأثم واذالم یأثم لا یجب انتباہہ اذ لو وجب لکان مؤخرًا لہا واشباہ خلاف اذانام بعد دخول الوقت ویمكن حمل ما فی البیری علیہ (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۱ باب المواقیات) و فی صوم السامیة ومثل اكل الناسی النوم عن صلوۃ لان کلامہما معصیۃ فی نفسہ کما صرحا انتہ یکرہ السہر اذا خاف فوت الصبح لکن الناسی او النائم غیر قادر فسقط الاثم عنہما لکن وجب علی من یعلم حالہما تذکیر الناسی وایقاظ النائم الا فی حق الضعیف عن الصوم مرحمة لہ (رد المحتار ص ۲۱۰ ج ۲) رروی انتہ علیہ السلام دخل المسجد فرأی نائما فقال یا علی تبہمہ لیتوضأ فایقظہ علی ثم قال علی یا رسول اللہ انتک سباق الی غیرہ فلم لم تنبہہ قال لان ردة علی کفر و ردة علیک لیس بکفر ففعلت ذلك لتخف جنايتہ لو ابی رتفسیر

۲۸ شوال ۱۳۷۶ھ بحری

کبیر ص ۶۲۹ ج ۸، سورۃ القد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم



لفظ السلام کہنے سے نماز سے خارج ہو گیا :

سوال :- کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لئے السلام علیکم کہنا واجب ہے تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

علیکم سے قبل ہی ثمر السلام کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے، لسانی واجبات الصلوٰۃ من شرح التنویر ولفظ "السلام" مرتین والثانی واجب علی الاصح برہان، دون علیکم وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی مشہور عندنا وعلیہ الشافعیہ وفی رد المحتار رقلہ وتنقضی قدوة بالاول، ای بالسلام الاول، قال فی التجنیس الاما اذا فرغ من صلوٰتہ فلما قال "السلام" جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول "علیکم" لا یصیر دخلاً فی صلوٰتہ لان هذا سلام (رد المحتار ص ۲۳۶) فقط والله تعالیٰ اعلم  
۱۰، ۱۱ محرم ۱۲۸۶ھ

بدون نماز سجدہ کا حکم :

سوال :- شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیلئے کہ خارج نماز میں سجدہ تلاوت کے سوا اور کسی قسم کا سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز نماز کے بعد سجدہ کی کراہت فقہاء نے لکھی ہے کیا وہ تسبیحات فاطمہ کے بعد سجدہ کرنے کو بھی شامل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ وسجدۃ الشکر مستحبۃ وبہ یفنی لكنها تکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجهلة یعتقدونہا سنة او واجبة وكل مباح یؤدی الیہ فمکروه، وفی الشامیۃ وہی لمن تجددت عنده نعمة ظاهرة او رزقه اللہ تعالیٰ مالاً او ولدًا او اندفعت عنه نقمة ونحو ذلك یتحب له ان یسجد لله تعالیٰ شکرًا رقلہ لكنها تکرہ بعد الصلوٰۃ) الضمیر للسجدۃ مطلقاً قال فی شرح المنیۃ آخر الكتاب عن شرح القدوری للزاهدی اما بغیر سبب فلیس بقریۃ ولا مکروه (الی قولہ) وحاصلہ ان مایس لها سبب لا تکرہ مالم یؤد فعلها الی اعتقاد الجهلة سنیتہا کالتي یفعلہا بعض الناس بعد الصلوٰۃ الخ (رقلہ فمکروه) الظاهر انہا



تحریمۃ لانہ یدخل فی الدین مالیس منه ط (رد المحتار، ص ۳۱، ج ۱)  
عبارات باللہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :-

- ① سجدہ شکر کو اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے مگر مفتی بہ قول پر یہ صرف اس وقت مستحب ہی جب کسی خاص نعمت جدیدہ کا ظہور ہو، بدون اس کے مستحب نہیں، اگرچہ مکروہ بھی نہیں،
- ② سجدہ دعا وغیرہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کی عادت نہ کرے، اور سنت یا مستحب نہ سمجھے اور عوام کے لئے فساد عقیدہ کا باعث نہ ہو،

③ نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدہ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، نماز کے بعد کی تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر بھی اس مقام پر سجدہ جائز نہیں، کیونکہ :-

- ① — حدیث میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی جب تک اس مقام پر رہتا ہے اور کوئی امر نماز کے خلاف نہیں کرتا اس وقت تک وہ گویا نماز میں ہی ہے،
- ② — اگر سہواً کوئی نماز کا رکن چھوٹ گیا اور اس حالت میں یاد آگیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس رکن کو ادا کر کے سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے،
- ③ — عرت میں بعد التسبیحات کو بھی بعد الصلوٰۃ ہی سمجھا جاتا ہے،
- ④ — مواضع اجابت دعا میں دعا بعد الصلوٰۃ بھی ہے، اور تسبیحات فاطمہ کے بعد ہونے والی دعا کو بالاتفاق دعا بعد الصلوٰۃ ہی شمار کیا جاتا ہے،

⑤ — علت نہی یعنی خطرۃ فساد اعتقاد سجدہ بعد التسبیحات میں بھی موجود ہے،

- ⑥ — عوام کا معمول جس کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ فرمایا ہے یہ ہے کہ تسبیحات کے بعد سجدہ کرتے ہیں، نماز کے بعد فوراً سجدہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گیا، غرضیکہ نماز کے بعد جب تک اسی مقام اور ہیئت پر قائم ہے اُس وقت تک کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شخص کبھی خلوت میں نماز کے بعد سجدہ کرے مگر عادت نہ کرے، اور اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے تو جائز ہے، پس نماز کے بعد جواز سجدہ کے لئے تین شرائط ہیں :-

① خلوت ہو کہ اسے کوئی عامی شخص نہ دیکھ رہا ہو،

② اس کی عادت نہ بنائے،

③ اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے یعنی بعد نماز سجدہ کرنے میں دوسرے اوقات کی بنسبت زیادہ ثواب



نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- نماز کے بعد متصل ہی یا کچھ وقفہ سے یا علاوہ نماز کے سجدہ میں دعاء مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی صورت میں ہاتھ کس طرح رکھے جائیں؟ جس طرح دعاء مانگتے وقت عموماً رکھے جاتے ہیں رکہ ہتھیلی اوپر کی طرف رہتی ہے، یا جس طرح سجدے میں رکھے جاتے ہیں رکہ ہتھیلی زمین کی جانب رہتی ہے) بینوا توجروا

### الجواب سلام ملہم الصواب

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۃ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، دوسرے حالات میں دعاء کے لئے سجدہ جائز ہے، مگر اس کا التزام بدعت ہے، (تفصیل مسئلہ بالا میں ملاحظہ ہو، مرتب) سجدہ میں دعاء کے وقت ہتھیلی زمین کی طرف رکھنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف اللہم صل علی محمد کہنا افضل ہے یا اللہم صل علی سیدنا محمد کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب سلام ملہم الصواب

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے، قال فی الذر و ندب السیادة لان زیادة الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فهو افضل من ترکہ ذکوة الرملی الشافعی وغیرہ وقال المعشی (قوله ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج النووی ونصہ الا فضل الاتیان بلفظ السیادة كما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بسا امرنا بہ و زیادة الاخبار بالواقع الذی هو ادب فهو افضل من ترکہ ام (الی قولہ) وانہ یأتی بہامع ابراہیم علیہ السلام، (رد المحتار، ص ۹۷، ۱۰۰)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۴۰۶ھ

نماز سے خروج بالاختیار فرض ہو اور سلام واجب:

سوال :- خروج بصرع المصلیٰ کا کیا حکم ہے؟ نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا،



## الجواب سلام ملہم الصواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اول راجح ہے، اور لفظ "سلام" سے خروج واجب ہے، قال فی رد المحتار وقد انتقل لعلامة الشرنبلالی للبردعی فی رسالته المسائل البہیة الزکیة علی الاثنی عشریة بانه قد مشی علی افتراض الخروج بصنعہ صاحب الهدایة وتبعہ الشراح وعامة المشایخ وأكثر المحققین والامام النسفی فی الوافی والکافی وکنز وشرحہ وامام اہل السنة الشیخ ابو منصور الماتریدی (رد المحتار، ص ۳۱۸ ج ۱) وفی واجبات الصلوۃ من اللہ المختار ولفظ السلام مرتین (رد المحتار، ص ۳۳۶ ج ۱)، واضح رہے کہ سلام اول میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہو جاتی ہے، مگر سلام ثانی بھی واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹، ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

قومہ و جلسہ میں دُعا کا مآثر:

سوال:- قومہ اور جلسہ کے اندر دُعا پڑھنا کیسا ہے؟ نیز فرائض اور نوافل میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بیدنوا توجروا،

## الجواب سلام ملہم الصواب

قومہ اور جلسہ میں دُعا کا مآثر پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے، قال فی الشامیة قال ابو یوسف سألت الامام ایقول الرجل اذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لی قال یقول ربنا للحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذ لم یکن عن الاستغفار، نہروغیرہ اقول بل فیہ اشارۃ الی انه غیر مکروہ اذ لو کان مکروہا لکنہ عنہ کما ینہی عن القراءة فی الركوع والسجود وعدم کونه مستوناً لاینا فی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدُعاء بالمغفرة بین السجدةین خروجاً من خلاف الامام احمد لا بطلان الصلوۃ بترکہ عامداً ولم ار من صرح بذلک عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، (وبعد اسطر) عن الحلیة علی انه ان ثبت فی المکتوبۃ فلیکن فی حالة الانفراد والجماعة والمأمومون محصونون لا یتقلون بذلک کما نص علیہ الشافعیۃ ولا ضرر فی التزامہ وان لم یصرح بہ مشایخنا الخ (رد المحتار، ص ۳۲۲ ج ۱)

۲۹، ربیع الاول ۱۲۸۶ھ



گونا گونا نماز کیسے پڑھے؟

سوال :- گونا گونا اور بہرا جو کہ مادر زاد بہرا ہے نہ بات کر سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا

### الجواب سلام ملہم الصواب

گونا گونا تکبیر تحریم اور قرات کے لئے زبان ہلانے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں ہے، مستحب ہی، قال فی الدرر ولا یلزم العاجز عن النطق کاخرس و امی تحریر لسانہ و کذا فی حق القراءة ہوا لصحیح لتعذر الواجب فلا یلزم غیرہ الا بدلیل فتکفی النیۃ (الی قولہ) ثم فی الاشباہ فی قاعدة التابع تابع فامفتی بہ لزومه فی تکبیرۃ وتلبیۃ لا قراءۃ و فی الشامیۃ اقول عبارة الاشباہ علی ما رأیتہ فی عدۃ نسخ و مما خرج ای عن القاعدة الاخرس یلزمہ تحریر لسان فی تکبیرۃ الافتتاح والتلبیۃ علی القول بہ و اما بالقراءة فلا علی المختار اھ و فی بعض النسخ علی مفتی بہ بدل قولہ علی القول بہ والاولی احسن لہما فقہا لہما ذکرہ صاحب الاشباہ فی بحرہ عند قولہ فرضہما التجرۃ حیث نقل تصحیح عدم الوجوب فی التحریمۃ و جزم بہ فی المحيط و لکن یتحتاج الی الفرق بین التحریمۃ والتلبیۃ فانہ نص محمد علی انہ شرط فی التلبیۃ وقال فی المحيط یتحب کما فی الصلوۃ کذا فی شرح لباب المناسک ثم قال قلت فینبغی ان لا یلزمہ فی الحج بالاولی لان القراءة فرض قطعی والتلبیۃ امر ظنی (رد المختار، ص ۲۵۰ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم

۸ شوال ۹۶ھ

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

سوال :- زید نے نماز میں درود شریف قصر آنے پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہو گئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا،

### الجواب سلام ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، کیونکہ درود شریف پڑھنا سنت ہی، اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۃ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہذا جلدی کی صورت میں بھی



اللہم صل علی محمد تک پڑھ لینا چاہئے، قال فی الدرر سنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان وفی الشامیۃ (قولہ سنۃ فی الصلوٰۃ) ای فی قعود اخیر مطلقاً وکن فی قعود اوّل فی النوافل غیر الرواتب تأمل وفی صلوٰۃ الجنائزۃ (رد المحتار ص ۲۸۳ ج ۱)، وفی سنن الصلوٰۃ من الذر ترک السنۃ لایوجب فساداً ولا سہواً بل اساعۃ لو عامداً غیر مستخف وفی الشامیۃ فلو غیر عامد فلا اساعۃ ایضاً بل تنذیب اعادۃ الصلوٰۃ کما قد منہ فی اوّل بحث الواجبات (رد المحتار ص ۱۲۲ ج ۱) ونصہ ہنا کہ اقول وقد ذکر فی الامداد بحثاً ان کون الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ لا یمنع ان تكون الاعادۃ منذ بترک السنۃ اھ ونحوہ فی القہستانی بل قال فی فتح القدیر والحق التفصیل بین کون تلك الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ وتنزیہ فتستحب (رد المحتار ص ۱۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۷ صفر ۱۳۸۸ھ

### تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اشارہ بالسیبہ کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا تحب؟ بینوا توجروا۔

#### الجواب باسم ملہم الصواب

اشارہ بالمسبحہ مستحب ہے، محیط میں اسے سنت لکھا ہے، مراد سنت غیر مؤکدہ ہے، کما فی شرح التنویر وفی العینی عن التحفۃ الاصح انہا مستحبۃ وفی المحيط سنۃ وفی رد المحتار ویکن التوفیق بانہا سنۃ غیر مؤکدۃ (رد المحتار ص ۱۲۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۳ محرم ۱۳۹۰ھ

### تشہد میں عقد اشارہ کی کیفیت:

سوال :- تشہد میں انگلی کے اشارہ کے وقت انگلیوں کا حلقہ کس طرح بنایا جائے؟ نیز اشارہ

کے بعد انگلی اسی حالت پر ہے یا گرا دی جائے؟ بینوا توجروا،

#### الجواب باسم ملہم الصواب

درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنایا جائے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی القہستانی وعن اصحابنا جمیعاً انہ سنۃ فیخلق اہما مہ الیمنی ووسطاً منسقاً رأسہ برأسہا ویشیر بالسیبۃ اھ (رد المحتار ص ۲۷۵ ج ۱) اشارہ کے بعد کی کیفیت



کے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "یضعہا" کے الفاظ ہیں، اس سے انگلی کو بالکل گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، مراح بہ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لروایۃ ابی داود والنسائی رافعاً اصبعہ السبابة وقد حناها شیئاً ای اما لہا رتزیین العبارة بتحسین الاشارة لعلی القاری، ص ۸، انداد الفتاویٰ میں اس سے متعلق مفصل بحث ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۳، محرم سنہ ۹۴

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد:

سوال:- فی کتاب نفع المفتی والسائل صلی التفل قاعد افکیف یرکم فیہ؟ المستحب ان یرکم بحدیث یحاذی جہتہ قد ام رکبتیہ، نقلہ الشامی عن حاشیۃ الفتح عن البرجندی، اس کی صورت کیسی ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عبارت مذکورہ کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے سامنے قبلہ کی طرف اتنی نیچے جھک جائے کہ گھٹنوں کے برابر ہو جائے، یعنی گھٹنوں اور پیشانی کا فاصلہ زمین سے برابر ہو، مگر علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ در میں ابوالسعود سے اور حاشیہ مراقی الفلاح میں حموی سے یحاذی جہتہ رکبتیہ نقل کیا ہے، قدام کا لفظ نہیں، جس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ جبہ گھٹنوں کے اوپر کی سیدھ میں آجائے، مزید بریں علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ رکوع میں اتنا نہ جھکے کہ سجدہ کے قریب ہو جائے، ونصہ فی الحموی فان رکع جالساً ینبغی ان یحاذی جہتہ رکبتیہ لیحصل الركوع ۵۱، ولعل مرادہ انحناء الظہر عملاً بالحقیقۃ لانه یبالغ فیہ حتی یكون قریباً من السجود وطحاوی علی المراقی، ص ۱۲۵، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳، ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے:

سوال:- عورتیں عموماً بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، یا کھڑی ہو کر شروع کرتی ہیں مگر دوسری رکعت میں بیٹھ جاتی ہیں، اگر فرض کی یا واجب کی نمازوں کی ایک رکعت بیٹھ کر پڑھ لی تو نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ یا سجدہ سہو سے تلا فی ہو جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ادا نہیں ہوئی، اور سجدہ سہو سے بھی تلا فی نہ ہوگی، اس لئے کہ فرض اور واجب بلکہ



سنتِ مؤکدہ میں بھی قیامِ مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے، قال فی رد المحتار تحت رقلہ وسنة فجر فی الاصح عن الحلیۃ فلو صلی التراویح قاعدًا بلا عذر قیل لا تجوز قیاسًا علی سنة الفجر فان کلا منہما سنة مؤکدة وسنة الفجر لا تجوز قاعدًا من غیر عذر باجماعہم، کما ہو فی رایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کما صرح بہ فی الخلاصۃ فکذا التراویح وقیل یجوز والقیاس علی سنة الفجر غیر تام فان التراویح دونہا فی التاکید فلا تجوز التسویۃ بینہما فی ذلك قال قاضی خان وهو الصحیح ام (رد المحتار ص ۲۴۲ ج ۱) عورتوں کی اس جہالت کا علاج اور ان میں صحیح مسئلہ کی اشاعت مردوں پر فرض ہے، ورنہ نماز صحیح نہ ہونے کے عذاب میں یہ بھی شریک ہوں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۲ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال:- ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟  
بینوا وجرؤا

### الجواب باسم ملہم الصواب

سنتِ طریقہ یہ کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہو اس لئے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے گھٹنوں میں نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله واضعاً رکبتیہ ثم ید یہ) ویرضع الیمنی منہما اولاً ثم الیسری کما فی القہستانی لکن الذی فی الخرائن واضعاً رکبتیہ ثم ید یہ إلا ان یعسر علیہ لاجل خفت او غیرہ فیبدأ بالیدین ویقدم الیمنی ام ومثلہ فی البدائع والتاترخانیۃ والمعالج والبحر وغیرہا ومقتضاہ ان تقدیم الیمنی انما ہو عند العذر والداعی الی وضع الیدین اولاً وانہ لا تیامن فی وضع الرکبتین ہولذی یشہر لعسر ذلك، (رد المحتار ص ۲۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ محرم ۱۲۹۱ھ



## نماز کا فدیہ:

سوال :- ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں، اس میں گندم یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں صبح و ترکے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲۳۲ گرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں، مگر نقد دینا افضل ہے، قال فی العلائقہ وما لم یمنص علیہ کذرقہ وخبر یعبر فیہ القیمۃ (الی قولہ) ودفع القیمۃ ای الذراہم افضل من دفع العین علی المذہب المفتی بہ، جوہرۃ وبع عن الظہیریۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ای الذراہم) ولعلہ اقتصر علی الذراہم تبعاً للزیلعی لبيان انہا افضل عند اسراۃ دفع القیمۃ لان العلة فی افضلیۃ القیمۃ كونہا اعون علی دفع حاجۃ الفقیر (رد المحتار ص ۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ صفر ۱۴۰۹ھ

## سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ:

سوال :- آپ نے فرمایا تھا کہ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت سیدھا نیچے جانا چاہئے، اس کی قدے تفصیل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ کی طرف جاتے وقت کمر بالکل سیدھی رکھنا چاہئے، گھٹنے زمین پر رکھنے سے پہلے کمر میں خم نہ آنے پائے، اگر تھوڑا سا بھی جھکا تو رکوع میں تکرار لازم آئے گا، قال فی الشامیۃ ویخبر للسجود قائماً مستویاً لا منحنیاً لئلا یزید رکوعاً اخری یدل علیہ ما فی التاترخانیۃ لوصلی فلما تکلم فذکر انہ ترک رکوعاً فان کان صلی صلوۃ العلماء الا تقیاء اعادة وان صلی صلوۃ العوام فلا لان العالم التقی ینحط للسجود قائماً مستویاً والعامی ینحط منحنیاً وذلك رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الركوع (تأمل رد المحتار ص ۱۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، (مزید تحقیق تتمہ میں ہے) ۱۳ شعبان ۱۴۰۹ھ

ثواب کی زیادتی پورے حرم میں ہر عبادت پر ہے:

سوال :- مسجد حرام میں فرض نماز پڑھنے کا ثواب کیا مسجد حرام ہی میں ہو یا حد و حرم کے پورے



علاقہ میں کسی اور مقام پر بھی نماز ادا کرنے سے اتنا ہی ثواب ملتا ہے؟ نیز کیا یہ ثواب صرف نماز کے لئے ہو یا تمام عبادات کے لئے بھی؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

ثواب کی یہ زیادتی پورے حرم میں ہے، اور ہر عبادت کے لئے ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حرم میں مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ نماز کا ثواب برابر ہے، بلکہ مسجد حرام کی نماز مسجد غیر حرام کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، اور حرم میں غیر مسجد کی نماز غیر حرم میں غیر مسجد کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، قال فی رد المحتار وقال شیخ ولی الدین العراقي ولا یختص التضعیف بالمسجد الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشمل جمیع ما زید فیہ بل المشہور عند اصحابنا انہ یعم جمیع مکة بل جمیع حرمہا الذی یحرم صیدہ کما صححہ النووی (رد المحتار ص ۱۱۶ ج ۱) ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شفاء الغرام للسید القاضی وجاءت احادیث تدل علی تفضیل ثواب الصوم وغیرہ من القربات بمکة الا انہا فی الثبوت لیست کاحادیث الصلوٰۃ فیہا ام (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۲) وقال الرافعی ان حسنات الحرم کل حسنة بمائة الف حسنة کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما نقلہ السندی عن الحموی عن ابن العباد (التحریر المختار ص ۸۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب ۱۴۲۸ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت صرف مردوں کے لئے ہے:

سوال :- حدیث میں جو مسجد نبوی میں جو چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے، کیا یہ فضیلت صرف مردوں ہی کے لئے ہے یا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا، جس طرح مسجد حرام کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے کیا اس طرح مدینہ منورہ میں بھی مسجد نبوی کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے برارت کی بشارت صرف مردوں کی فرض نماز باجماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ



کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ملتا ہے؟

سوال :- کیا عورتوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے میں وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو ان دونوں مسجدوں میں ادا کرنے سے ملے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تضعیف اجر پورے حرم مکہ کے لئے ہے، لہذا مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں تضعیف اجر کی فضیلت مردوں کے ساتھ مختص ہی عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے پر یہ اجر نہیں، معہذا مسجد کی نسبت گھر میں ادا کرنے پر زیادہ ثواب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت مقید بتسلسل ہے؟

سوال :- کیا مردوں کو فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی جائیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من صلی فی مسجدی اربعین صلوۃ لا تقوته صلوۃ کتب لہ براءة من النار وبراءۃ من العذاب وبراءۃ من النفاق لاحمد<sup>سط</sup> او<sup>سط</sup> رجمع الفوائد، ص ۵۳۳ ج ۱، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے برارت کی بشارت ہے، مطلقاً ایک ہزار تک تضعیف اجر کے لئے چالیس نمازوں اور ان میں تسلسل کی قید نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

حالت ولادت میں ادا نماز پر اشکال کا جواب:

سوال :- اگر عورت بچہ جن رہی ہے کچھ حصہ باہر ہے کچھ اندر ہے، تو اس حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ حالت حیض و نفاس میں نماز معاف ہوتی ہے، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے، بچہ کا جب تک اکثر حصہ باہر



نہیں آیا، اس وقت تک عورت نہ حالت حیض میں ہو نہ نفاس میں، لہذا نماز معاف نہ ہوگی، وضو یا تیمم کر کے اشارہ سے نماز پڑھے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو قنّا کرے، قال فی التنبیہ والنفاس دم ینخرج عقب ولد فی الشرح او اکثرہ ولو متقطعاً عضواً عضواً الا اذ لہ فتوضاً ان قدرت او تیمم وتوہمی بصلوۃ، (رد المحتار ص ۲۷۶، ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ ربیع الآخر ۹۲ھ

جماعت ہو جانے کے بعد فرض نماز مسجد میں نہ پڑھے:

سوال :- جماعت تو ہو گئی، اب اگر مسجد میں نہ جائے اور فرض نماز گھر میں ادا کرے، تو کیا مسجد سے کم ثواب ملے گا یا برابر؟ زید کہتا ہے، گھر میں ایک نماز کا اور مسجد میں جا کر تنہا پڑھے تو ۲ نماز کا ثواب ملتا ہے، تو کیا زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت چھوڑنا گناہ ہے، اور فرض نماز مسجد میں جا کر اکیلے پڑھنے میں ترک جماعت کے گناہ کا اظہار ہے، جو ناجائز ہے، اس لئے جب جماعت ہو جائے تو فرض نماز کے لئے مسجد میں نہیں جانا چاہئے کثرت ثواب کا جو وعدہ ہے وہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۲ھ

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی؟:

سوال :- ایک شخص کو حالت نماز میں یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی؟ نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی ہو مگر یہ یاد نہ رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی، تو دو رکعت پوری کر لے، اور یہ نماز نفل ہو جائے گی، اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، لہذا ازہر نو نیت کر کے نماز شروع کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ذیقعدہ ۹۲ھ

رکوع میں ٹخنے ملانا:

سوال :- درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملا لینا مستحب ہے، شامی سے بھی



اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں، بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا اسی وقت سے قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:-

- ① مردوں کے لئے رکوع و سجود میں تجافی۔
- ② پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رکھتیں،
- ③ نماز میں بلا ضرورت حرکت نہ کرنا،

مندرجہ بالا کلیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اور بالاتفاق مسلم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں: فرأینا السنة جاءت عن النبي صلى الله عليه وسلم بالتجافي في الركوع والسجود واجمع المسلمون على ذلك فكان ذلك من تفريقت الاعضاء، (شرح معانی الآثار ص ۱۷۱)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اور نہ جمہور فقہاء نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لئے بندہ شروع ہی سے قولاً و عملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل و مفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

ومنه الصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين وجمهور الفقهاء لم يذكره ولا اثر له في الكتب المعتمدة كالمهداية وشرحها النهاية والعناية والبنية والكفاية وفتح القدير وغيرها والكنز وشرح حه للعيني وشرح النقاية لا لياس فاده والبرجندی والشمسي وفتاوى قاضى خان واليزانية وغيرها واما الذين اوردوه في ذكره الزاهدى حيث قال في المجتبى برمز بظي من في الركوع الصاق الكعبين واستقبال الاصابع القبلة ونقله عنه القمى ستانى في جامع الرموز وفي شرح الخلاصة الكيدانية والحلبى في الغنية وابن نجيم في البحر وتكميده التبرتاشى في منى الغفار



واقروه وذكره صاحب النهر وصاحب الدر المختار على سبيل الجزم لكن لم يبين أحد  
منهم المراد من الصاق الكعبين وقال خير المتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد  
السندی المدنی فی طوابع الانوار شرح الدر المختار قوله والصاق كعبيه أي حالة  
الركوع قال الشيخ الرحمتي مع بقاء تفريج ما بين القدمين قلت لعله أراد من الصاق  
المحاذاة وذلك بان يحاذي كل من كعبيه الآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر وظاهر لفظ  
الشارح يقتضي اللصوق ونفي التفريج ولذا قال السيد أحمد هذا أي الصاق كعبيه أن  
تيسر له ورأيت كلاماً للشيخ محمد حيات السندی يقتضي اثبات سنية التفريج  
ونفي سنية الصاق انتهى كلامه، وقال أيضاً في موضع آخر من الطوابع يسن في حال  
الركوع كما في المجتبى وزاد أبو السعود في السجود أيضاً أن يلصق كعبيه قال الشيخ أبو الحسن  
السندی في تعليقه على الدر المختار هذه السنة أنها ذكرها من ذكرها من المتأخرين  
تبعاً للمجتبى وليس لها ذكر في الكتب المتقدمة ولم يرد في السنة على ما وقفنا عليه  
وكان بعض مشايخنا يرى أنه من أوهام صاحب المجتبى وكأنهم توهموا مقاور دان  
الصحابة كانوا يهتمون بسد الخلل في الصفوف حتى يضمنوا الكعب والمناكب لا يخفى  
أن المراد ههنا الصاق كل كعب صاحبه لا كعبه مع الكعب الآخر انتهى كلام الشيخ  
قلت لقد دارت هذه المسئلة في سنة أربع وثمانين بعد الألف المائتين  
بين علماء عصرنا فاجاب أكثرهم بأن الصاق الكعبين في الركوع والسجود ليس بمسنون  
ولا اشترطه في الكتب المعتمدة والقول الفیصل ان يقال ان كان المراد بالصاق الكعبين  
ان يلزق المصلي إحدى كعبيه بالآخرى ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار  
والنهر وغيرهما وسبق اليه فهم المفتي إلى السجود أيضاً فليس هو من السنن على الأصح  
كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلي أن يجعل بين قدميه نحو  
أربعة أصابع ولم يذكروا أنه يلزقهما في حالة الركوع أو السجود وقال العيني في  
البناءية نقلاً عن الواقعات ينبغي أن يكون بين قدمي المصلي قد رابع أصابع اليد لأنه  
أقرب إلى الخشوع والمراد من قوله عليه الصلوة والسلام الصقوا الكعب بالكعب  
اجتماعهما انتهى، فهذا صريح في أن المسنون هو التفريج مطلقاً ولا لقيد بحالة  
القيام وإن المراد بالصاق الكعب بالكعب الوارد في الخبر غير الزاتهما ويؤيد ما أخرجه



ابرداؤد وصححه ابن خزیمہ و ذکرہ البخاری تعلیقاً عن النعمان بن بشیر قال رأیت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه وفي رد المحتار نقلاً عن فتاویٰ سمرقند ينبغي ان يكون بين القدمين مقدار أربع أصابع وما روى انهم الصقوا الكعاب بالكعاب اريد به الجماعة انتهى، وان كان المراد به محاذاته احداً الكعبين بالآخرى كما ابدع العلامة السدي فهو امر حق ولا بعد في حمل الا لصاق على المحاذاة فانه جاء استعماله في القرب ويؤيد عدم سنية الزاق الكعبين بالمعنى الاول اى ترك التفريق بينهما انه يلزم فيه تحريك احدى الكعبين الى الاخرى وتحريك عضو في الصلوۃ من غير ضرورة ليس بجائز عندنا حتى ان منهم من لم يجوز رفع السبابة في التشهد لهذه العلة ومنهم من لم يجوز رفع اليدين عند الركوع لهذه العلة والظاهر ان حمل كلامهم على المعنى الثانى اولى من جملة على المعنى الاول على انه من ادعاهما حسناً المجتبى فاحفظ هذا التحقيق فانه من النفائس المختصة بهذا الكتاب وقل من تنبه عليه من العلماء الا من شاء الله ان يتنبه (سعاية، ص ۱۸۲ ج ۲)

امداد الفتاویٰ کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے و نسبت زاہدی در نافع کثیر فوائدیہ نوشتہ اند وان کان اماماً جلیلاً فی الفقه لکنہ متساهل فی نقل الروایات ایضاً هو معتزلی الاعتقاد و حنفی الفروع قال صاحب رد المحتار فی تنقیح الفتاویٰ العامدیۃ فی کتاب الاجازۃ الحاوی الزاہدی مشہور بنقل الروایات الضعیفۃ ولہذا قال ابن وہبان وغیرہ انہ لا عبرۃ بما یقولہ الزاہدی مخالفاً لغيرہ رآمد الفتاویٰ ص ۱۴۹ ج ۱

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطیہ کی نسبت ان کے قول کی تاویل بہتر ہے، مجتبىٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلیہ کا ذکر بتین دلیل ہے کہ الصاق سے ان کی مراد وہی ہے جو سعایہ میں علامہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہے، یعنی کعبین میں محاذاة، اس لئے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہو سکتیں،

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاة تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام میں مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں



دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حالت رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لئے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے،

ان توجیہات کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصاب القبلة کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذ اذہ کی بھی کر لی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رمضان ۱۴۲۸ھ

سجدہ بقدر تسبیح واحدہ واجب ہے:

سوال :- سجدے میں کتنی دیر ٹھیرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھیرنا واجب ہے، اور تین تسبیحات کی مقدار سنت مؤکدہ ہے، فی واجبات الصلوة من العلائق وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الركوع والسجود وکذا فی الرفع منہما الخ (رد المحتار ص ۴۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال :- نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرمادیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام میں نات کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں، اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیا کے سگ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں، اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لئے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں، اور سینے پر ہاتھ باندھیں، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ و وضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ أخذ ارسغھا بخنصرہ و ابھامہ هو المختار و تضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت شد یمہا، وقال ابن عابد رحمہ اللہ تعالیٰ ای یخلق الخنصر والابھام علی الرسغ ویبسط الاصاب الثلاث کما فی



شرح المذنیہ ونحوہ فی البحر والنہر والمعراج والكفاية والفتح والسلج وغيرها وقال  
فی البدائع ویعلق ابہامہ وخصرہ وبنصرہ ویبسط الوسطی والمسبحة علی معصمہ و  
تبعہ فی الحلیۃ ومثلہ فی شرح الشیخ اسمعیل عن المجتبی (قوله تحت ثدیہا) کذا فی  
بعض نسخ المذنیۃ وفی بعضہا علی ثدیہا قال فی الحلیۃ وكان الاولی ان یقول علی صدہا  
كما قالہ الجہم الغفیر لا علی ثدیہا وان كان الوضع علی الصدر قد یستلزم ذلك بان  
یقع بعض ساعد کل ید علی الثدی لکن ہذا الیس هو المقصود بالافادۃ (رد المحتار ص ۴۵۴)  
فقط واللہ تعالی اعلم

۱۲ صفر ۹۸ھ

### قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال :- نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور کیا یہ فاصلہ  
واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بیّنوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا، کہ انگلیاں  
قبلہ کی طرف سیدھی ہوں سنت ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وینبغی ان یکون  
بینہما مقدار أربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع، ہکذا روی عن ابی نصر  
الدبوسی انه کان یفعلہ کذا فی الکبری (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۱) وفی التنویر ویستقبل  
بالحراف اصابع رجلیہ القبلة ویکرہ ان لم یفعل وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ  
کذا فی التجنیس لصاحب الهدایۃ وقال الرملی فی حاشیۃ البحر ظاہرہ انہ سنۃ  
وبہ صرح فی زاد الفقیر (رد المحتار ص ۲۰۰ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب شرعی نہیں تفصیل تتمہ میں ہے۔) ۲ ذیقعدہ ۹۹ھ

سہوا بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟

سوال :- امام تیسری رکعت پر سہوا بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت  
تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علماء  
اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں  
تکبیر کا تعدد منقول نہیں اس لئے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر



سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہو کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لئے دوسری تکبیر کہ، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدہ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے اس لئے یہ انتقال اول و ثانی میں فصل ہوگا، اور دو انتقال مستقل ہونگے، لہذا ہر انتقال کے لئے تکبیر مستقل ہوگی، اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدہ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لئے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لئے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی، کیونکہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتداء سے نہیں ہوئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ

### تحقیق جملہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ:

سوال :- رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پڑھنے میں یہ یہ فضیلت ہی، اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لئے کرتے ہیں، اُس دن سے آدکا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بہتر ہے یا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں :- ① اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ② اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ③ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ④ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم، قال فی العلائق وافضلہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، ثم حذف الواو ثم حذف اللهم فقط، وقال ابن عابدین وبقی رابعة وھو حذفہا والاربعة فی الافضلیۃ علی ہذا الترتیب کما افادہ بالعطف بثم (م المختار ص ۲۶۴) حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے وہ کلمات یہ ہیں: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اَکْثَرُ اَطِيبًا مَبَارَكًا فِیْہِ (رواہ البخاری) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا روائض میں نہیں



پڑھنا چاہئے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰۔ اربع الاول ۹۷ھ

تنگ وقت میں قضا پر حاجت کے تقاضا کی وجہ سے نماز چھوڑنا جائز نہیں:

سوال :- ایک شخص کو تقاضا قضا پر حاجت کا سخت ہے، مگر ادھر نماز کا بالکل آخری وقت ہے، اب اگر وہ آدمی قضا پر حاجت کے لئے جاتا ہے تو نماز فوت ہو جائے گی اور اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو پیٹ میں سخت تکلیف و بوجھ ہوتا ہے، اب ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے، یعنی اسی بوجھ و تکلیف کے ساتھ نماز ادا کرے یا رفع تکلیف کر کے بعد میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت تو جائز ہے مگر نماز کا ترک جائز نہیں، لہذا اگر قضا ہونے کا خطرہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اور فرائض و واجبات پر اکتفا کرے، سنتیں چھوڑ دے، نماز کے اندر کی سنتیں بھی چھوڑ سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰۔ اربع شوال ۹۷ھ

سجدة نماز میں دعاء:

سوال :- مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی نہیت ان اقرأ القرآن رکعاً او ساجداً فاما الركوع فعظموا فيه الرب واما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن ان يستجاب لكم اس حدیث سے نماز کے سجدہ میں دعاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے کہ نماز کے سجدہ میں دعاء افضل ہے، اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الملا علی القادری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الحدیث المذکور واما السجود فاجتهدوا ای بالغوا فی الدعاء ای حقیقۃً وھو ظاہر او حکماً کما فی سبھان ربی الاعلیٰ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۲) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقد ورد خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر، رواہ مالک والترمذی



وأحمد وغيرهم شرح النقاية للقارى، وقيل لابن عيينة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاء فقال الثناء على الكريم دعاء لأنه يعرف حاجته فتح، قلت يشير بهذا إلى خبر من شغله ذكرى عن مسألتي أعطيتة أفضل ما أعطى السائلين ومنه قول أمية بن أبى الصلت في مدح بعض الملوك :-

أذكر حاجتي أم قد كفاني : ثناؤك أن شمتك الحياء  
إذا لثني عليك المرأ يومًا : كفاه من تعرضه الثناء

(در المختار ص ۱۹۰ ج ۲)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حدیث میں سجدہ کی تسبیحات ہی کو دعاء فرمایا گیا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ تسبیحات کے بعد دعاء کرے، احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تسبیحات کے بعد دعاء نوافل میں کرے فرائض میں نہیں، البتہ فرائض منفرداً پڑھ رہا ہو یا جماعت میں مقتدیوں پر ثقیل نہ ہو تو فرائض میں بھی درست ہے، قال فی العلائیۃ وکذا الایاتی فی رکوعہ وسجودہ بغیر التسبیح علی المذہب وماورد محمول علی النفل قال ابن عبدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رقولہ محمول علی النفل) ای تہجد اور غیرہ، خزائن، وکتب فی ہامشہ فیہ مراد علی الزیلعی حیث خصہ بالترجہ اھ، ثم الحمل المذکور صرح بہ المشایخ فی الوارد فی الركوع والسجود وصرح بہ فی الحلۃ فی الوارد فی القومۃ والجلسۃ و قال علی اذہ ان ثبت فی المکتوبۃ فلیکن فی حالۃ الانفراد والجماعۃ والمأمون محصورون لا یتثقلون بذلك کما نص علیہ الشافعیۃ ولا ضرر فی التزامہ وان لم یصرح بہ مشایخنا فان القواعد الشرعیۃ لا تتبعو عنہ کیف والصلوۃ والتسبیح والتکبیر والقراءۃ کما ثبت فی السنۃ اھ، (در المختار ص ۱۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۲ / محرم ۱۴۹۹ھ

**میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کر سکتا ہے:**

سوال :- میرے والد کا انتقال ۱۴۱۳ھ میں کراچی میں ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران ان کی کچھ نمازیں قضاء ہو گئی تھیں، انھوں نے قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا، تو کیا ہم لوگ ان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ان کی قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۴۱۳ھ کے صدقہ فطر کے ریٹ سے



یا شہداء کے صدقہ، فطر کے ریٹ سے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب سلام ملہم الصواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں، اس لئے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۱۴۰۹ھ

نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے؛

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب سلام ملہم الصواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہذا اس سے احتراز کرنا چاہئے، البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے، قال فی العلانیۃ ویکبر للہوض علی صدور قد میہ بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس فی الشامیۃ (قوله بلا اعتماد الخ) ای علی الارض قال فی الکفایۃ اشار بہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احدہما یعتمد بیدیہ علی ركبتيہ عندنا وعندہ علی الارض والثانی الجلوس الخفیۃ قال شمس الاثمة الخلو انی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل کما مذہبنا لا بأس بہ عند الشافعی ولو فعل کما ہو مذہبہ لا بأس بہ عندنا کذا فی المحيط، (رد المحتار ص ۳، ۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم ۱۴۰۹ھ

۴۰۲ ر ۳ گرام چاندی کے برابر نقصان کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے؛

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ بہشتی زیور حصہ دوم باب ۱۱ مسئلہ میں لکھا ہے کہ: ”اگر نماز میں ہے اور ہانڈی ابلنے لگی جس کی لاگت تین چار آنے ہیں تو نماز توڑ کر اس کو درست کر دینا جائز ہے، غرض کہ جب ایسی چیز کے ضائع ہو جانے یا خراب ہو جانے کا ڈر ہو جس کی قیمت تین چار آنے ہو تو اس کی حفاظت کے لئے نماز کا توڑ دینا درست ہے،“ اس کی تشریح فرمائیں کہ اس



رمانے میں یہ لاگت کیا ہوگی؟ بینوا تو جروا،

### الجواب سلام ملہم الصواب

بقدر درہم نقصان ہو یا ہو تو نماز توڑ دینا درست ہے، درہم =  $\frac{1}{4}$  شہہ = ۲۰۲ گرام چاندی، چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ہر زمانہ میں اس وقت کی قیمت لگائی جائے گی، قال شارح التزیو و یباح قطعہا لنحو قتل حیۃ و نذابۃ و فرقہ و روضیاع ما قیمتہ درہم لہ اولغیرہ و قال ابن عابدین رحمہ اللہ (قوله و فرقہ) الظاہر انہ مقید بما بعدہ من فوات ما قیمتہ درہم سواء کان ما فی القدر لہ اولغیرہ حسی رقولہ و ضیاع ما قیمتہ درہم، قال فی مجمع الروایات لان مادونہ حقیر فلا یقطع الصلوة لاجلہ لکن ذکر فی المحيط فی الکفالة ان الحبس بالذانی یجوز فقطع الصلوة اولی و ہذا فی مال الغیر و اما فی مالہ لا یقطع و الاصح جوازہ فیہما اھ و تمامہ فی الامداد و الذی مشی علیہ فی الفتح التقیید بالدرہم رحمہ المختار ص ۶۱۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الآخر ۹۸ھ

نماز میں قرات حکایت ہے :

سوال : نماز میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاء بیتنوا تہجروا

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے بدلائل ذیل

① قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص و اخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہو جائیگی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

② قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً یا مریم، یا یحییٰ، یوسف، یا ایہا النبی، یا ایہا المدثر وغیرہ پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایت پڑھے جاتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغہ خطاب بجائے حکایت کے بنیت مخاطب کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی کما سیأت

③ قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح و تہلیل یا تسمیہ یا سورہ فاتحہ کو اگر حکایت نہ پڑھا بلکہ انشاء دعا یا تسبیح و تہلیل کی نیت سے پڑھا تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب و حالضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت



نہیں، کافی الشامیہ - اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز بہر کیف حکایت ہی پڑھا جاتا ہے۔

(۴) قال فی التنویر فی بیان ما یعمم بالحدّ الاکبر وتلاوة قرآن بقصدہ - وفي الشرح حتی لو قصد بالفاتحة الشاء فی الجنائزہ لم یکرہ الا اذا قرأ المصلی قاصدا للثناء فانها تجزئ لانها فی محلها فلا یتغیر حکمها بقصدہ وفي الحاشیۃ (قوله حتی لو قصد) تفریع علی مضمون ما قبلہ من ان القران یمخرج عن القرانیۃ بقصد غیرہ (قوله فلا یتغیر حکمها) وهو سقوط واجب القراءة بها (رد المحتار ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر سورہ فاتحہ انشا پڑھی تو بھی اس کی نیت معتبر نہیں۔ غرضیکہ قرآن مجید کے جمل خبریہ و اکثر جمل ندائیہ میں تو انشاء کا احتمال ہی نہیں۔ اور جن جمل ندائیہ میں انشاء نداء و خطاب کا احتمال ہے ان کو بقصد انشاء پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کما سیأتی۔ باقی دعا، ثنا، تسبیح وغیرہ کے جملوں میں اگرچہ انشاء کا احتمال ہے مگر بقصد انشاء یہ جمل قرآنیت سے نکل جاتے ہیں کما مر۔

(۵) قال فی شرح التنویر و کذا یفسد ہا کل ما قصد بہا الجواب کأنه قیل امع اللہ اللہ فقال لا الا اللہ او ما مالک فقال الخیل والبغال والحمیر او من این جئت فقال و بئر معطلہ وقصر مشید او الخطاب کقوله لمن اسمہ یحییٰ او موسیٰ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة او و ما تلک بیمنک یا موسیٰ مخاطبا لمن اسمہ ذلک او لمن بالباب ومن دخلہ کان امنّا وفي الشامیۃ (قوله او الخطاب الخ) هذا مفسد بالاتفاق وهو ما ورد نقضاً علی اصلہ ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ قرآن لم یوضع خطاباً لمن مخاطبہ المصلی وقد اخرجہ بقصد الخطاب عن کونه قرآناً وجعلہ من کلام الناس۔ (رد المحتار جلد ۱)

البتہ حدیث اذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین قال اللہ تعالیٰ حمد فی عبدی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھتے وقت انشاء بھی ملحوظ ہے بالکلیہ متروک نہیں۔ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز شان جلالی کا مظہر ہے، بارگاہ الہی میں انسان حمد و ثنا پیش کرنے کے بعد صراطِ مستقیم پر ثابت رہنے کی توفیق طلب کرنے کے لئے درخواست پیش کرتا ہے۔ اسی لئے امام کی قرأت مقتدین کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ درخواست پیش کرنے والا ایک ہی شخص ساری جماعت کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے اور سلام و آداب دربار ہر شخص پر لازم ہوتے ہیں، غرضیکہ صلوٰۃ میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے مگر سورہ فاتحہ میں انشاء بھی ملحوظ ہے۔ اصل مقصد اس میں بھی تہادیت قرآن ہی ہے بقولہ تعالیٰ



البتہ قرأت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جاسکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قرأت کرتا ہے، قرأت غیر کی حکایت نہیں کرتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ربيع الآخر سنة ۱۴۴۲ھ

**تشہد میں سلام انشاء کہا جاتا ہے :**

سوال : نماز میں السلام علیک ایہا النبی انشاء پڑھا جاتا ہے یا حکایت ؟ بینوا تجروا

**الجواب ومنہ الصدق والصواب**

السلام علیک ایہا النبی بلکہ پورا تشہد انشاء پڑھا جاتا ہے۔ قال فی شرح التنویر و یقصد بالفاظ التشهد معانیها مرادة له عليه وجه الانشاء كأنه یحیی الله تعالیٰ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسه واولیائہ لا الاخبار عن ذلك، ذکرہ فی المجتبیٰ وظاہرہ ان ضمیر علینا للحاضرين لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ وفي الشامية (قوله لا الاخبار عن ذلك) ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منه صلی اللہ علیہ وسلم ومن ربہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام وتام بیان القصة مع شرح الفاظ التشهد فی الامداد فراجعہ (قوله لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ) الصواب لاحکایۃ سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ط (رد المحتار ج ۱)

قرأت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاء پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقت صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو نہ اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت لہذا صرف السلام علیک ایہا النبی کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربار سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنیکا دستور ہے۔ اس لئے مصلی التحیۃ للہ والصلوٰۃ والطیبۃ کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ پھر یکایک خیال آتا ہے کہ یہ قرب الہی و مناجاة بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بسیاختہ مصلی اپنے محسن اعظم ومنعم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا، اس لئے کہ صلوٰۃ و سلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے جیسا کہ خط میں صیغ خطاب صرف اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرة ربيع الآخر سنة ۱۴۴۲ھ



## سجدہ میں ٹخنے ملانا :

سوال : مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے، وفی صحیح ابن حبان عن عائشة رضی اللہ عنہا الرض بین العقبین فی السجدة ای ضمہما واكثر الناس عن هذا غافلون (العرف الشذی ص ۱۳۵) اسکے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بیٹنوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

اعلام السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفانج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث اولہ فقد تے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان معی علی فراشی فوجدتہ ساجدا راسا عقبیہ مستقبلا باطرافہ اصابعہ القبلة رواہ ابن حبان فی صحیحہ باسناد حسن (التلخیص للحبیر ص ۹۸ ج ۱) وللنسائی وقد سکتے عنہ وهو ساجد وقد ما منصوبتان الحدیث، (نسائی ص ۱۶۶ ج ۱)

عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع بسط ظہرہ واذا سجد وجہ اصابعہ قبل القبلة فتفانج (یعنی وسع بین رجلیہ ۱۲ منہ) رواہ البیہقی (التلخیص للحبیر ص ۹۸ ج ۱) قلتہ احتج بہ الحافظ ابن حجر بعد ما ضعف رواۃ الدارقطنی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسکتے عنہ فهو حسن او صحیح عنہ (اعلام السنن ص ۱۳۸ ج ۲)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،

## تطبیق :

حدیث اول میں رض بین العقبین تقریب پر محمول ہے، کما حمل علیہ العلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء -

خود اسی حدیث میں حمل علی تقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابہ القبلة، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رض بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہو سکتیں، مزید برآں اس میں بلا ضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قیاحت بھی ہے۔

## ترجیح :

حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع وسجود میں سنت تجانی کے مطابق ہے وکفی بہ مرحاً، وبهذا

رحم الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الركبتین فی الركوع علی حدیث التطبیق، نیز



نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیونکہ بلا ضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔  
قال صلی اللہ علیہ وسلم فی مصلیٰ یعبثہ بلحیثۃ لو خشع قلبہ لسکن جوارحہ -

یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۃ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابو السعد سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے، احسن الفتاویٰ میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۴ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ  
مرد کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے :

سوال : ایک صاحب نے دورانِ تقریر فرمایا کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں نہ زیرِ ناف نہ بالائے ناف، بلکہ ٹھیک ناف کے اوپر باندھے جائیں، ہاتھ باندھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے؟ بینواتوجروا  
الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔ قال فی العلانیۃ ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ اخذاً رسغہا بمنصرہ واجہامہ ہوا المختار (رد المحتار ص ۴۵۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے :

سوال : رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہی یا مستحب؟ بینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

① عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

② قوم سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹپکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑجھک جاتا ہے، لہذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونیکی وجہ سے قابل احتراز ہے۔

(مزید تحقیق تہہ میں ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا نظر گود میں رکھے :

سوال : جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو وہ قرات کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا قعدہ کی



طرح گو و میں نظر رکھے؟ بعض کا خیال ہے کہ سجدہ کی جگہ نظر ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، کلیہ کا مقتضی یہ ہے کہ گود میں نظر رکھے، اس لئے کہ نظر ایک جگہ جانے سے یکسوئی میں اعانت مقصود ہے، اس مقصد کے لئے جس حالت میں جس مقام پر نظر رکھنا سہل تھا اسی کو متعین کر دیا گیا ہے، بیٹھنے کی حالتیں گود میں نظر رکھنا سہل ہے اسی لئے قعدہ میں یہ حکم دیا گیا، لہذا بیٹھ کر قرات کی حالت میں بھی گود ہی میں نظر رکھنا چاہیئے، بالفرض سہولت کے سوا کوئی اور حکمت ہو تو بھی یہی کہا جائے گا کہ بحالت قعدہ گود میں نظر رکھنے کی جو حکمت ہے وہی بحالت قعود قرات میں بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں :

سوال : قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں، لائنہ قیام لہ قرار دہیہ ذکر مسنونہ ولذا قالوا بوضع الیدین فی قنوت الوتر وقومۃ صلوٰۃ التسبیح، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دعاء میں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے :

سوال :- دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھ آپس میں ملا کر رکھے جائیں یا کچھ فاصلے سے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امداد الفتاویٰ میں ملا کر رکھنا لکھا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء میں ہاتھ سینے تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا افضل ہے، فی الباب الرابع من کراہیۃ المندیۃ والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیه ویكون بینہما فرجة وان قلت ولا یضع احدی یدہ علی الاخری فان کان فی وقت عذرا وبرد شد ید فاشار بالمسبحة قام مقام بسط کفیه والمستحب ان یرفع یدہ عند الدعاء بحدیث اعمد وکذا فی القنیۃ (عالمگیریہ ص ۱۳۱/۸ المطبعة الکبریٰ الامیریۃ بمصر)۔ امداد الفتاویٰ میں ضم الکفین فقہ حنبلی کی کتاب شرح المقنع سے نقل کیا ہے، ونصہ وتكون یداه مضمومتین لہما روی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا ضم کفیه و



جعل بطونہما یلی وجہہ وضعفہ فی الموابہ، اس روایت کی بنا پر اگر کوئی ضم الکفین کی فضیلت کا قول کرے تو اس کی گنجائش ہے، اور یوں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ ضم سے مراد تقریب ہے جو فزجہ قلیلہ کے منافی نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- کیا دعار کے وقت دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے یا کشادہ رکھا جائے؟ اس سے متعلق مولانا محمد جمل صاحب رسالہ آداب الدعار میں فرماتے ہیں:

”علامہ طحاوی نہر الفائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں فی التمر من فعل کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت، اور اس کے آگے علامہ موصو حصن حصین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دعار کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے اور انگلیوں کا رخ بجانب قبلہ ہونا چاہئے، وفی شرح الحصن والظاہر ان من الالادب ایضاً ضم الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلة، اور آگے فرماتے ہیں کہ باہم ملانا افضل اور بہتر ہے، اور اگر معمولی کشادگی رکھی جائے تو بھی جائز ہے، اور امام شعرانی لوائح الانوار ص ۲۹ پر فرماتے ہیں، آسمان کی طرف دعار کے وقت ہاتھ اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ دربار خداوندی سے معنوی عطیات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ ایک ذریعہ ہے، پس دونوں کو باہم اس قدر ضم کیا جائے جس طرح پانی پینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملاتا ہے“ (رسالہ آداب الدعار، ص ۴۰)

اس کے بعد ناکارہ نے بعض کتب حدیث دیکھیں، مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الدعوات کی فصل ثالث میں حدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ یقول ان رفعکم ایدیکم الخ کے ذیل میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: وقد ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدعاء یوم عرفة جمع بین کفہ وجعلہما مقابل صدرہ کاستطعم المسکین، مرقاۃ المصابیح ص ۴۷ ج ۵، لیکن اس کی کوئی سند نہیں لکھی، احقر نے مجمع الزوائد دیکھی تو اس میں حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد حافظ نور الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ دھو ضعیف، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ ج ۵ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں: ان الضعیف حجتہ فی الفضائل اتفاقاً

نیز حسب ذیل احادیث سے بھی ضم یدین عند الدعار کی تائید ہوتی ہے: عن انس بن مالک



رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیه بحرفۃ ید عوقال  
اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذا الا بتمال ثم حاصت الناقة ففتح احدی یدیه  
فاخذها وهورا رفع الاخری رواه البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوه الا انه قال فرفع  
یدیه فسقط رما الناقة قتناوله ورفع یدیه وزاد هذا الا بتمال والتضرع ورجال  
البزار رجال الصحیح غیر احمد بن یحیی الصوفی وهو ثقة ولكن الاعمش لم یسمع من  
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد، ص ۱۶۹ ج ۱۰)

وعن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع  
قوم اکفہم الی اللہ عز وجل یسئلونہ شیئاً الا کان حقاً علی اللہ ان یضع فی یدیم  
ما سألوا، قلت له حدیث فی السنن غیر هذا رواه الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح (حوالہ بالا)  
اور وہ تمام احادیث بھی ضمیمہ یدین کی مؤید ہیں جن میں مسح یدین علی الوجہ بعد الدعاء اور نزول برکت  
سماویہ وانوار الہیہ کا ذکر ہے،

نیز عقلاً بھی حشر کو ضمیمہ یدین میں تواضع وانکساری محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف فرجہ  
بین الیدین میں تکلف معلوم ہوتا ہے، نیز فرجہ بین الیدین کی تائید میں احقر کو ابھی تک کوئی حدیث  
نہیں ملی،

امید ہے کہ حضرت والا اپنے محاکمہ اور تحقیق انیق سے احقر کو مطلع فرمائیں گے، بڑا کرم واحسان  
ہوگا، جزاکم اللہ احسن الجزاء،

### الجواب سبام ملہم الصواب

رسالہ آداب الدعاء میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت مذکورہ  
حاشیہ دُر میں ہے یا کہ مراقی الفلاح کے حاشیہ میں، اس لئے دونوں کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑا،  
طحاوی علی الدر المختار میں تو کوئی ایسی عبارت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ طحاوی علی مراقی الفلاح  
میں موجود ہے، مگر اس کے کسی جز سے بھی بوقت دعاء ضمیمہ الیدین کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ  
اس کے برعکس فرجہ بین الیدین کے استحباب کو ترجیح ثابت ہوتی ہے، پوری عبارت ملاحظہ ہو:  
وفي النهي من فعل کیفیتہ المستحبة ان يكون بين الكفين فرجة وان قلت وان  
لا يضع احدی یدیه علی الارض فان كان لا یقدر علی رفع یدیه لعذر او برد فاشار  
بالمسبة اجزأ اہم لكن فی شرح الحصن الحصین والظاهر ان من الادب ایضاً ضم



الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلة وفي شرح مشکوٰۃ ورداته صلى الله عليه وسلم  
يوم عرفة جمع بين كفيه في الدعاء وان اريد بالضم في الكلام القرب التام لاينا في  
وجود القرحة القليلة واما قوله جمع بين كفيه لاينا فيه ايضا لان المعنى جمع بينهما في  
الرفع ولا يفرد احد هما به (طحاوی علی المراقی، ص ۱۴۳)

رسالہ آداب الدعاء کی عبارت میں دوسرا تسامح یہ ہوا ہے کہ ضم الیدین کے استحباب کو حصّین  
کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت حصّین حصّین کی نہیں بلکہ شرح الحصّین کی ہے، ممکن ہے  
کہ یہ نسخ کا سہویا کاتب کی غلطی ہو،

علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الحصّین کی عبارت کو نہر کے جزئیہ سے تطبیق دینے کی جو  
صورت بیان فرمائی ہے بندہ نے بعینہ یہی وجہ تطبیق مورخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کے محررہ فتویٰ  
میں قنیہ کے جزئیہ اور شرح المقنع کی عبارت میں تحریر کی تھی، فذلّٰہ الحمد علی توفیقہ لموافقة  
الاکابر،

لواقع الانوار تلاش کی گئی لطائف المنن کے حاشیہ پر دستیاب ہوئی، مستقل نہیں ملی، اس لڑ  
حوالہ میں لکھا ہوا صفحہ نمبر کارآمد نہ ہوا، سرسری تلاش سے عبارت مذکورہ دستیاب نہ ہوئی، اگر اعتماداً  
اس عبارت کا وجود لواقع الانوار میں تسلیم کر لیا جائے تو مؤلف کی طرف سے طحاوی کے جزئیہ کی طرح  
اس میں بھی عبارت کے فہم میں یا نقل میں تسامح کا احتمال ہے، علاوہ ازیں امام شعرانی شافعی ہیں  
اس لئے ان کا قول احناف کے لئے حجت نہیں، ممکن ہے کہ عند الشوافع ضم الیدین افضل ہو، جیسا کہ  
شرح المقنع سے عند الحنابلہ بھی ضم الیدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، احناف کی مندرجہ ذیل کتب  
میں استحبابِ فرجہ کی تصریح موجود ہے،

① در مختار فصل فی بیان تألیف الصلوۃ،

② قنیہ کا جزئیہ شامیہ فصل تألیف الصلوۃ اور عالمگیریہ کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے،

③ شامیہ میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر اعتماد فرمایا ہے،

④ عالمگیریہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے،

⑤ انہر الفائق کی عبارت اوپر طحاوی کے حوالہ سے گزر چکی ہے،

⑥ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہر کے جزئیہ کے خلاف شرح مشکوٰۃ کی روایت اور شرح الحصّین کی

عبارت ذکر فرمانے کے باوجود نہر کے جزئیہ کو ترجیح دی ہے،



④ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ حصن حصین کے حاشیہ میں حصن حصین کی شرح الحرز الثمین لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیقات اس قدر کثرت سے لائے ہیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ الحرز الثمین کو بالاستیعاب نقل فرمایا ہے، معہذا اس موقع پر الحرز الثمین کی عبارت کی بجائے قنیہ کا جسزنیہ ذکر فرمایا ہے، جس میں مندرجہ کا استحباب مذکور ہے،

یہاں کتب فقہ کا استقرار نہیں کیا گیا، ممکن ہو اور بھی کئی کتب میں یہ حکم موجود ہو، طحاوی نے شرح مشکوٰۃ سے جو روایت نقل کی ہے یہ بعینہ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں شرح مشکوٰۃ سے مرقاۃ اور شرح المحسن المحصن سے الحرز الثمین مراد ہے، الحرز الثمین دستیاب نہ ہو سکی، اگر واقعہً اس میں ضم الیدین مذکور ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ احناں رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں ضم الیدین کا ذکر ہے، علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تاویل ”القرب التام“ کر کے اختلاف عبارت کو رفع فرمادیا ہے، بالفرض شرح المحسن کی عبارت کو اس کے ظاہر ہی پر رکھا جائے تو اس سے احناں میں سے صرف ایک فرد کا تفرد ثابت ہوگا، بہر حال شرح المحسن کی عبارت یا مؤدّل عن الظاہر ہے یا اس میں تفرد ہے، اسی لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے حصن حصین کے حاشیہ میں اس کی بجائے قنیہ کا جسزنیہ ذکر فرمایا،

### رجوع الی الحدیث :

رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں، معہذا برائے تسکین خاطر خام بقدر ضرورت تحریر ہے،

#### ① شرح مشکوٰۃ کی روایت،

اس کا جواب علامہ طحاوی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محض تاویل ہی نہیں بلکہ متبادر مطلب یہی ہے، اس لئے کہ سوال کے لئے ایک ہاتھ پھیلانے اور ایک ہاتھ سے اخذ عطاء معمول ہے، اس کے پیش نظر دعاء میں بھی اس کا مظنہ تھا، اس کو رفع کرنے کی غرض سے ”جمع بین کفینہ“ کے الفاظ لائے گئے، چنانچہ انہی الفاظ کی بنا پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کراہتہ افزا کافتویٰ دیا ہے، کما قد مناعن العلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن النہر،

مرقاۃ کے الفاظ ”کاستطعم المسکین“ کی شرح عنقریب آرہی ہے،

#### ② روایۃ البزار والطبرانی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ،

آپ نے اس روایت میں ”ففتح احدی یدیہ“ سے استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ الفاظ شرح مشکوٰۃ



کی روایت میں تاویل مذکور کی تائید کر رہے ہیں، الفاظ مذکورہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی مہار تھامنے کے لئے ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسرا ہاتھ دعاء کے لئے بدستور اٹھارہا، اس سے ثابت ہوا کہ دعاء میں اصل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، اکتفاء علی الواحد بحالت عذر ہے، لہذا ”جمع بین کفینہ“ میں جمع فی الرفع مراد ہونا ظاہر ہے،

(۳) فی روایۃ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان حقاً علی اللہ ان یضع فی یدہم ماساً ثوفاً، ودیگر احادیث متعلقہ مع الیدین علی الوجہ بعد الدعاء ونزول برکات السماویۃ والانیار الالہیۃ،

ان احادیث میں ضم الیدین کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، وضع فی الید کنایہ ہے اعطاء سے، اسی طرح رفع الیدین کا استطعام الطعام اور مسح علی الوجہ سے صرت تمثیل مفسر ہے، امور ذیل پر غور کرنے سے اس حقیقت کے سمجھنے میں مزید سہولت ہوگی،

(۱) دعاء بلا رفع الیدین کی صورت میں بھی یقیناً برکات و انوار عطا ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ صرف ہاتھوں ہی میں دیتے ہیں تو اس حالت میں ظرف ہی موجود نہیں،

(۲) ہاتھوں کا ظرف اُن کی عطاء کی بنسبت بہت چھوٹا ہے، بالخصوص جس کے ہاتھ بھی چھوٹے ہوں وہ تو بہت ہی خسارہ میں رہے گا،

(۳) بوقت دعاء ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رہنا چاہئے، اس حالت میں ہتھیلیاں تقریباً سیدھی رہیں گی، اس لئے ظرف میں امساک طعام کی صلاحیت بہت کم ہو جائے گی، بالخصوص جبکہ منظوف سیال ہو، کما زعم الشعرائی رحمہ اللہ تعالیٰ، گویا ظرف کا صرف تلا موجود ہے، دیواریں نہیں،

(۴) دعاء شروع کرنے کے بعد ہاتھوں کا ظرف تو فوراً ہی پُر ہو جائے گا، اس لئے فوراً ہی منہ پر مل لینا چاہئے، ورنہ ہاتھ بھر جانے کے بعد منظوف گرنے لگے گا، بلکہ منظوف سیال ہے تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ویسے ہی ہاتھوں سے بہہ جائے گا،

اپنا ایک قصہ یاد آگیا، ایک بار مجھے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا گیا، میں نے دیکھا کہ میت کی چار پائی پر سے چادر زمین تک لٹکا کر چار پائی کے نیچے کا خلا بند کر دیا گیا ہے، میں نے وجہ دریافت کی تو اس کی حکمت یہ بتائی گئی کہ دعاء چار پائی کے نیچے سے نہ نکل جائے،

ان امور پر توجہ کرنے سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ رب کریم کی عطاء صرف ہاتھوں کے ساتھ



خیں نہیں اور نہ ہی ان کے دین سقاء اللیل والتمہار اور ید اہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء کی شان کے یہ لائق ہے کہ وہ صرف سائل کے ہاتھوں کے ظرف کے برابر ہی عطا کریں، لہذا رفع الیدین سے مقصد صرف تشبہ بالسائل ہے نہ کہ عطاء کی حفاظت،

بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہے تو عطاء کثیر کے لینے اور اٹھانے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان لازماً فرج رکھنا پڑتا ہے، اس لئے کہ عطاء کثیر اگر سیال یا جامد فحیت ہو تو وہ کسی بڑے برتن میں ڈال کر دی جائے گی، اور اگر جامد غیر فحیت ہو مثلاً بکرا مسلم وغیرہ تو اس کا حجم کافی بڑا ہوگا، دونوں صورتوں میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا پڑے گا، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ ہونے پر جو اشکال تھا اس صورت میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ بڑے حجم کی چیز کو اٹھاتے وقت ہاتھوں کو چلو نہیں بنایا جاتا، بلکہ ہاتھ تختی کی طرح سیدھے رہتے ہیں، یہ سب کچھ آپ کے زعم کے مطابق لکھ دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہی نہیں،

فرجہ بین الیدین سے متعلق ممکن ہے کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی صریح حدیث ہو ورنہ کم از کم کسی حدیث سے استنباط تو ضرور کیا ہوگا، ان حضرات کے فیصلے ہوائی تیر نہیں ہوتے،

حاصل یہ کہ بوقت دعا، فرجہ بین الیدین مستحب ہے اور ضم الیدین کی بھی اجازت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ربيع الآخر ۱۴۰۸ھ

دعا میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے؛

سوال :- دعا مانگتے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف رکھی جائیں یا اوپر آسمان کی طرف، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے، قال العلّاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی بسط ید یدہ حذاء صدرہ نحو السماء لانہما قبلۃ الدعاء ویكون بینہما فرجة (المختار ص ۴۴۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ارجمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؛

سوال :- دعا مانگتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بعض کندھوں تک بتاتے ہیں اور بعض سینے تک، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح درست ہے، قال شارح التبیان رحمہ اللہ تعالیٰ فیبسطید یہ حدیث اء صدہ نحو السماء لانہما قبلۃ الدعاء وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کذا روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنیتۃ عن تفسیر السمارۃ المختار ص ۴۲، وفی المراقی رافعی ایذہم حدیث الدعاء الصدہ و بطونہا مما یلی الوجہ، قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ الذی فی الحصن الحصین شرحہ ان یرفعہما حدیث منکبہہ باسطاً کفیہ نحو السماء لانہما قبلۃ الدعاء ام قال بعض الافاضل ولانہما فافۃ بینہما لکن المراد ان لا یجعل بطونہما جہۃ الارض التقاربت فی مثل الرفع قلیل، کما یشیر الیہ ما فی ابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لمسئلۃ ان ترفع یدیک حدیث منکبیک اودونہما رطلًا علی الیاقۃ ص ۴۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

دعائے انگلیاں قبلہ رخ رکھنا مستحب ہے :

سوال :- کیا دعائے انگلیاں قبلہ رخ رکھنا سنت ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

مستحب ہے، کما نقل الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح الحصن الحصین،  
رطلًا علی المراقی ص ۴۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

دعائے مستنون طریقہ :

سوال :- سنت کے مطابق دعائے مانگنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ جس کے مطابق دعائے کرنے سے قبول ہو، وضاحت سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

باضو قبلہ و دروزانو با دست بٹھکرا آہستہ خشوع و خضوع سے دعائے کرے، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء مثلاً الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین پھر درود شریف پھر دعائے پہلے اپنے لیے پھر الدین کے لیے پھر سب مؤمنین کیلئے، پوری امت کو دعائے میں شامل کے بغیر دعائے ناقص ہوتی ہے، دعائے کا ہر مضمون بار بار دہرایا جائے، کم از کم تین بار تکرار کیا جائے، دعائے کے درمیان بار بار درود شریف پڑھا جائے، یا ارحم الراحمین، یا ذا الجلال والاکرام سے پکارا جائے، آخر میں درود شریف کے بعد سبحان رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین پڑھ کر آمین پر دعائے ختم کی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ





عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ  
وَعَصُوا عَنْهَا بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ



# زُبْرَةُ الْكَلِمَةِ

(فِي)

## حُكْمِ الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ



## فرائض کے بعد دعا

سوال : فرائض کی جماعت کے بعد دعائے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، بعض علماء سرے سے اس دعا ہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد فوراً نوافل کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ بعض اس دعا میں رفع یدین کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جو رفع یدین کے قائل ہیں انکا عمل مختلف ہے۔ بعض سرّاً دعا کرتے ہیں۔ اور اکثر ائمہ مساجد بلند آواز سے طویل دعائیں کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ ان میں سے شرعی نقطہ نگاہ سے صحیح طریقہ سنت کے مطابق کیا ہے؟ بیسوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

دعا بعد الفرائض سے متعلق اولاً احادیث اور عبارات فقہ ذکر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

### احادیث :

① عن انس رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلوة يقول اللهم الهي والله ابراهيم واسحق ويعقوب والله جبرئيل وميكائيل واسرافيل اسألك ان تستجيب دعوتي فاني مضطر وتعصمني في ديني فاني مبتلي وتغفر لي برحمتك فاني مذنب وتنفي عني الفقر فاني متمسك الا كان حقاً على الله ان لا يرد يديه خابئتين وفي اسناده عبد العزيز بن عبد الرحمن بن مقل (عمل اليوم والليلة لابن السني

② عن الاسود العامري عن ابيه رضي الله تعالى عنه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا الحديث بعاه ابن ابي شيبة رجمو الفتاوى بهامش الخلاصة ص ۱ ج ۱ - امداد الفتاوى ص ۵۹ ج ۱ - نقاش مرغوبة ص ۳ اس حوالہ کی تحقیق ضمیمہ میں ہے۔

③ وقال الحافظ السيوطي في فض الوعاء في احاديث رفع اليدين في الدعاء اخبر ابن ابي شيبة قال حدثنا محمد بن يحيى الاسلمي قال رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهما ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل ان يفرغ من صلوة فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته رجاله ثقات اه (فض الوعاء للسيوطي)

④ عن الفضل بن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم



الصلوة مثني مثني تشهد في كل ركعتين وتخشم وتضرع وتمسك بترقنم يديك يقول  
ترفعهما الى ربك مستقبلاً ببطونها وجهك وتقول يا رب يا رب من لم يفعل ذلك فمى كذا  
وكذا، رواه الترمذي والنسائي وابن خزيمة في صحيحه ورجاله ثقات (اعلاء السنن مث ٣ ج ٣)

(٥) اخرج عبد الرزاق عن النبي صلى الله عليه وسلم اى الدعاء اسمع اى اقرب الى  
الاجابة قال شطر الليل الاخير وادبار المكتوبة وصححه عبد الحق وابن القطان (مصنف عبد الرزاق)  
(٦) ذكر الامام المحدث ابو الربيع في كتاب مصباح الظلام عن النبي عليه الصلوة والسلام  
انه قال من، كانت له الى الله حاجة فليسا لها دبر صلوة مكتوبة اه (مصباح الظلام)

(٧) عن ابي امامة رضى الله تعالى عنه قال قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال  
جوف الليل الاخر ودبر الصلوات المكتوبات، اخرجه الترمذي وقال حسن (فتح الباري ١١٣)  
(٨) اخرج الطبراني من رواية جعفر بن محمد الصادق قال للدعاء بعد المكتوبة افضل من

الدعاء بعد النافلة كفضل المكتوبة على النافلة (المواهب للقسطاني نقلاً عن الحافظ ابن حجر)  
(٩) عن ابي امامة رضى الله تعالى عنه قال ما دنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم  
في دبر صلاة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها  
اللهم العشى واجبرني واهدني لصالح الاعمال والاخلاق انت انا لا يهدي لصالح الاعمال  
ولا يصرف سيئها الا انت وروى النسائي وغيره اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي  
عصمة واصلح لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اعوذ برضاك من سخطك واعوذ  
بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا  
ينفع ذا الجدل منك الجدل وروى ابو داود اذا انصرف من المغرب فقل اللهم اجرني  
من النار سبع مرات اذا قلت ذلك ثممت من ليلتك كتب لك جوار منها واذا  
صليت الصبح فقل كذا ان مت من يومك كتب لك جوار منها (ابن السني)

(١٠) عن عطاء بن مروان عن ابيه ان كعباً رضى الله تعالى عنه حلف له بالله  
الذي فلق البحر لموسى انا لنجد في التوراة ان داود نبى الله صلى الله عليه وسلم  
كان اذا انصرف من صلوة قال اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي عصمة واصلح  
لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اللهم اني اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك  
بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا



ينفع ذا الجد منك الجد قال وحد شئ كعب ان صهيبا حدثه ان محمدا صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند الصرافة من صلاته (نسائي)

(١١) عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيدي يومئذ قال يا معاذ والله اني لاحبك فقال معاذ باي انت واي يا رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا والله احبك فقال اوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوة ان تقول اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك قال واوصى بذلك معاذ الصنائح واوصى الصنائح ابا عبيد الرحمن الحبلي واوصى ابو عبد الرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما (مستدرک ج ١) واخرجه ابوداؤد والنسائي وصححه ابن حبان -

(١٢) عن المغيرة بن شعبة رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من الصلوة وسلم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد ولفظ البخاري في كتاب الاعتصام انه صلى الله عليه وسلم كان يقول هذه الكلمات دبر كل صلوة وفي كتاب الصلوة في دبر كل صلوة مكتوبة ،

(رواه البخاري ومسلم وابوداؤد والنسائي)

(١٣) عن انس رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى وفرغ مسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذي لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللهم اذهب عني الهم والحزن (رواه الطبراني والبخاري)

(١٤) عن انس رضى الله تعالى عنه قال ما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنا الا قال حين اقبل علينا بوجههم اللهم اني اعوذ بك من كل عمل يخزيني واعوذ بك من كل صاحب يؤذيني واعوذ بك من كل عمل يلهيني واعوذ بك من كل فقر ينشيني واعوذ بك من كل غنى يطغيني (رواه البزار وابوي)

(١٥) عن علي رضى الله تعالى عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا سلم من الصلوة قال اللهم اغفر لي ما قدمت وما اخرت وما اسهرت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به مني انت المقدم والمؤخر لا اله الا انت (رواه ابوداؤد)



(١٦) عن ثوبان رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن ينصرف من صلوة استغفر ثلاث مرات ثم قال اللهم أنت السلام (رواه ابوداؤد)

(١٧) عن زيد بن ارقم رضي الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلوة اللهم ربنا ورب كل شيء أنا شهيد أنك الرب لا شريك لك اللهم ربنا ورب كل شيء أنا شهيد أنك رسولك اللهم ربنا ورب كل شيء أنا شهيد أنك العباد كلهم أخوة اللهم ربنا ورب كل شيء اجعلني مخلصاً لك واهلي في كل ساعة من الدنيا والآخرة يا ذا الجلال والإكرام اسمع واستجب الله الأكبر الله الأكبر الله نور السموات والأرض الله الأكبر حسبى الله ونعم الوكيل الله الأكبر (رواه ابوداؤد والنسائي وأحمد)

(١٨) عن عتبة بن عامر رضي الله تعالى عنه قال أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقرأ بالمعوذات دبر كل صلوة (رواه ابوداؤد)

(١٩) في مسند الإمام أحمد وسنة ابن ماجه وكتاب ابن السني عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى الصبح قال اللهم أني أسألك علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ورزقاً طيباً (كتاب الأذكار للنووي)

(٢٠) وبعد صلوتي الصبح والمغرب أيضاً قبل أن يتكلم اللهم اجرني من النار سبع مرات (رواه ابوداؤد والنسائي وابن حبان (المحصر المحصن للجزري)

(٢١) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما فإذا فرغت فأنصب يقول فإذا فرغت مما فرض عليك من الصلوة فاسأل الله وارغب إليه وأنصب له (تفسير ابن جرير طبري)

(٢٢) عن انس رضي الله تعالى عنه قال دخل النبي صلى الله عليه وسلم على أم سليم (التي قوله) ثم قام إلى ناحية من البيت فصلى غير المكتوبة فدعا أم سليم وأهلها الحديث (رواه البخاري)

(٢٣) عن عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر الصلوات لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا حول ولا قوة إلا بالله لا إله إلا الله ولا نعبد إلا إياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن الجميل لا إله إلا الله مخلصين له الدين ولو كر الكافرين (رواه مسلم)

(٢٤) عن عبد الرحمن بن غنم رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من



قال قبل ان ينصرف ويثنى رجليه من صلوۃ المغرب والصبح لا اله الا الله وحده لا شريك له الخ  
عشر مرات الخ (رواه احمد)

(۲۵) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى الصبح وهو ثاك رجليه يقول سبحان الله  
ومحمده واستغفر الله انه كان توابا سبعين مرة ثم يقول سبعين بسبع مائة الحديث -

(رواه الطبرانی في الكبير)

ادپر کی تین حدیثوں میں حمد و ثنا کا بیان ہے جو افضل ترین دعا ہے -

قال صلى الله عليه وسلم خير الدعاء دعاء يوم عرفة وخير ما قلت انا والنبيون من قبلي لا اله  
الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير رواه مالك والترمذي و  
احمد وغيرهم شرح النقاية للقاري وقيل لابن عيينة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلى الله عليه  
وسلم دعاء فقال الشفاء على الكريم دعاء لانه يعرف حاجته فتم قلت يشير بهذا الى خبر من  
شغله ذكرى عن مسألتي اعطينة افضل ما اعطى السائلين ومنه قول امية بن ابی الصلت  
في مدح بعض الملوك -

اذكر حاجتي ام قد كفاني ثناؤك ان شيمتك الحياء  
اذا اثنى عليك المرء يوما كفاه من تعرضك الشناء

(رد المحتار ص ۲۷۱۹)

(۲۶) ان الله تعالى كره لكم ثلاثا اللغو عند القرآن ورفع الصوت في الدعاء والتخبر  
في الصلوۃ (عب) عن يحيى بن كثير مرسل (۳) (الجامع الصغير ص ۱۷)

## عبارات فقہ

حنفیہ :

(۱) اذا دعا بالداء المأثور جهرًا وجهر معه القوم ايضا ليتعلموا الدعاء (بأسر به واذا

تعلموا حينئذ يكون الجهر بدعة (هندية ص ۵۳ - بزازية بهامش الهندية ص ۴۲)

(۲) واعظ يدعو كل اسبوع بدعاء مسنون جهرًا لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم

القوم خافت هو ايضا وان جهر فهو بدعة (بزازية على هامش العالمگیری ص ۴۲)

(۳) ويستحب للامام (الى) وان يستقبل بعده الناس (الى) ثم يدعون لانفسهم

وللمسلمين رافعي ايديهم ثم مسحون بها وجوههم في آخره (نور الايضاح)



(۴) قال العلامة الشاہ محمد انور قدس سرہ نعم اصل سنتہ الدعاء يحصل بغير رفع اليدين ولذا قل النقل في الرفع بعد الصلوۃ وانما الرفع كما في السنة تحصل سنته به وبغيره فلا سبيل الى تبديل من رفع ولا الى تجهيل من تركه واما الامور المحدثه من عقد صورة الجماعة للدعاء بجماعة الصلوۃ والانكار على تاركها ونصب امام ثم ائتمام به فيه وغير ذلك من قلة العلم وكثرة الجهل والجاهل اما مفرد او مفرد والله الموفق للصواب

(النفائس المرغوبة للمفتي كفاية الله رحمه الله ۳۴)

### مالكيه

(۵) كره مالك رضي الله عنه وجماعه من العلماء لائتمه المساجد والجماعات الدعاء بعد الصلوات المكتوبة جهرا للحاضرين الخ (امداد الفتاوى ص ۵۶۶ ج ۱)

(۶) وقد اكثر الناس في هذه المسألة اعفى دعاء الامام عقب الصلوۃ وتأمين الحاضرين على دعائه وحاصله ما انفصل عنه الامام ابن عوف والغبريني ان ذلك ان كان على نية انه من سنن الصلوۃ وفضائلها فهو غير جائز وان كان مع السلامة من ذلك فهو باق على حكم اصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلها من الشريعة معلوم عظمه (امداد الفتاوى ص ۵۶۶ ج ۱) شافعيه :

(۷) في فتم المعين مع المتن ويسن ذكر ودعاء ستر عقبها اي الصلوۃ اي يسر الاسرار بهما المنفرد ومأموم وامام ليريد تعليم الحاضرين ولا تأمينهم لدعائه بجماعه

(امداد الفتاوى ص ۵۶۸ ج ۱)

(۸) في شرح العباب لابن حجر وفتاواه الكبرى ويسن للمصلي اذا كان منفردا او مأموماً كما في المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوۃ اكثار ذكر الله تعالى والدعاء ستر للاخيار الصحيحه لكن قال الاسنوي الحق انه يسن للامام ان يختصر في الذكر والدعاء بحضرة المأمومين فاذا انصرفوا طول (امداد الفتاوى ص ۵۶۸ ج ۱) حنابلہ :

(۹) قال الشيخ المنصور بن ادریس الحنبلي في شرح الاقناع مع المتن يسن ذكر الله والدعاء والاستغفار عقب الصلوۃ المكتوبة (الى ان قال) ويدعو الامام بعد فخر

۵ عن سياق عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں "او اماما" کا لفظ گھڑا ہے۔ ۱۲ رشید احمد



عصر بحضور الملئکہ فیہما فیثومنون علی الدعاء فیکون اقرب للاجابة وکذا یدعو بعد غیرہما من الصلوات لان من اوقات الاجابة اذ بار المکتوبات (الی قولہ) ویکرہ للامام استقبال القبلة بل یتقبل المأمومین لما تقدم انہ ینحرف الیہم اذا سلم ویلم الداعی فی الدعاء ویکرہ ثلاثاً لانہ نوع من الاحاح والدعاء سترًا افضل منہ جہلاً لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً لانہ اقرب الی الاخلاص قال یکرہ رفع الصوت بہ فی الصلوۃ وغیرہا الاحاج فان رفع الصوت لہ افضل لحديث افضل الحج العجم والنجم۔

(امداد الفتاویٰ صفحہ ۱۷۵ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات و عبارات سے امور ذیل ثابت ہوئے :

① فرائض کے بعد ادعیہ و اذکار روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ سے ثابت ہیں۔ حضرات فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشر میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، تاخیر مکروہ ہے، ان کے ہاں روایات مذکورہ کی دو توجہیں ہیں :

① یہ روایات فجر و عصر سے متعلق ہیں۔

② فرائض کے بعد کی سنن و نوافل کا حکم فرائض کے جبر نقصان کے لئے ہے، اسلئے یہ ملحق بالفرائض ہیں، لہذا دیر المکتوبات سے مع الملتزمات مراد ہے، یعنی سنن و نوافل کے بعد۔ بہر کیف فرائض کے بعد ذکر و دعائے متعلق اس قدر روایات ہیں کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

③ دعا بعد الفرائض میں رفع یدین بھی ثابت ہے، اگرچہ اس سے متعلق بعض روایات میں ضعیف ہے مگر اولاً فضائل میں عمل بالضعیف بھی جائز ہے۔ ثانیاً اسے دوسری روایات سے اعتضاد حاصل ہے۔ ثالثاً مطلق دعا میں رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کلیہ میں دعا بعد الفرائض بھی داخل ہے۔ (اس سے رجوع کی تفصیل ضمیمہ میں ہے)

④ دعا بعد الفرائض میں رفع یدین کے فاعل اور تارک میں سے کسی پر بھی اعتراض اور ملامت جائز نہیں۔ (العبارة الرابعة)

⑤ ظہر، مغرب اور عشر میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، التہنئات السلام سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

⑥ دعا میں اخفاء بالاتفاق زیادہ افضل ہے اور اس صورت میں امید قبول زیادہ ہے۔



(۶) مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی موجودگی میں (انفراداً) مختصر دعا کرے جب مقتدی چلے جائیں تو طویل دعا کر سکتا ہے (العبارة الثامنة)  
لیکن آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مقتدیوں کے سامنے تو بہت لمبی چوڑی دعائیں ہوتی ہیں مگر چوں بخلوت سے روند؟

(۷) دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں تعلق رکھنا خواہ دعا آہستہ ہی کریں اس کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۸) امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سراً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلت علم و کثرت جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی افراط ہے۔ (العبارة الرابعة والخامسة)

(۹) اگر امام اس نیت سے جہراً دعا کرتا ہے کہ لوگ دعا کے کلمات سن کر یاد کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں، جب لوگ دعا یاد کر لیں تو جہر بدعت ہے۔ (العبارة الاولى والثانية)

(۱۰) بعض مالکیہ نے فرض کے بعد امام کے ساتھ اجتماعی دعا کو اس شرط سے جائز کہا ہے کہ اس کو نماز کی سنن و فضائل میں سے نہ سمجھا جائے، اگر نماز کی سنن و فضائل میں شمار کیا جاتا ہو تو بالاتفاق جائز نہیں (العبارة السادسة)

یہ روایت خود صاحب مذہب امام مالک اور آپ کے اصحاب جہم اللہ تعالیٰ کی اس نص کے خلاف ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جائے (المذنبۃ ص ۱۲۳، الاعتصام للشافعی ص ۳۵۴، ۳۵۵)

(۱۱) شافعیہ کے ہاں امام کا جہراً دعا کرنا خلاف سنت ہے، البتہ مقتدیوں کی تعلیم یا تائید مقصود ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اس کو مسنون سمجھنے کا خطرہ نہ ہو (العبارة السادسة والسابعة)  
عبارت ثانیہ و تاسعہ سے دعائیں امام اور مقتدیوں کا آپس میں رابطہ رکھنا ثابت نہیں ہوتا۔

دعا، مروّج کا بحر یہ :

(۱) عوام اسے سنن صلوٰۃ میں سے سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) اس کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ تارک کو ہدف ملامت بنایا جاتا ہے۔ اگر کوئی امام اس طریقہ پر دعا نہ کرائے تو اسے امامت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

(۳) اخفاری کی افضلیت پر اجماع کے باوجود جہری پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر نمازوں کے بعد عام مساجد میں دعا کا مروّجہ طریقہ ختم کرنا چاہئے۔ اور علماء کو اس طرف زیادہ توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ شافعیہ بعض مالکیہ نے جو بعض شرائط سے اجازت دی ہے



ظاہر ہے کہ وہ بھی مقید بالسلامۃ من القبائح المذکورہ ہے، التزام کی وجہ سے تو امر مندوب و مستحب بھی واجب ترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا کوئی ثبوت ہی نہ ہو اور پھر اسے نماز کے متعلقات میں شمار کیا جانے لگے۔ اس لئے ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ جہر کی رسم کو تو بالکل ختم کر دیں اور اجتماعاً سرری دُعا سے متعلق بھی مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لئے اسکا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ائمہ حضرات کبھی کبھار عملاً بھی اجتماعی دعائیں ناغہ کر دیا کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریقِ احسن ملاحظت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھائیں اور خوب ذہن نشین کرائیں تاکہ انتشار و فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۶۶ھ

## الحاق:

روایات ذیل سے اجتماعی دُعا کے ثبوت کا اشتباہ ہو سکتا ہے:

- ① من ادب الدعاء تأمین الداعی والمستمع، ص ۱۰۴، د، س (حصن حصین ص ۵)
  - ② قولہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکم کے تحت کتب تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔
  - ③ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوہ احد میں اس طرح دُعا مانگی کہ پہلے ایک نے دُعا کی اس پر دوسرے نے آمین بھی، پھر دوسرے نے دُعا کی اس پر پہلے نے آمین بھی
  - ④ لا یجتمع ملائد عو بعضہم ویؤمن بعض الا اجابہم اللہ (تلخیص الذہبی مع المستدرک ص ۳۲)
- ان روایات کا نماز کے بعد والی دُعا سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب اس صورت سے متعلق ہیں کہ کوئی شخص دُعا کر رہا ہو اتفاقاً کسی دوسرے نے سُن لی تو وہ اس پر آمین کہے، نماز کے بعد تو ہر شخص کے لئے موقع دُعا ہے، پھر ہر شخص کا مقصد الگ ہوتا ہے، ہر شخص اپنے مقصد کے لئے دُعا میں مشغول ہوگا تو دوسرے کی دُعا پر آمین کیسے کہے گا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ پانچ بار علانیہ باجماعت نماز ادا فرماتے تھے، اگر آپ نے نماز کے بعد کبھی اجتماعی دُعا فرمائی ہوتی تو اس کو کوئی متنفس تو نقل کرتا، مگر ذخیرہ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا، اگر اس کا استحباب تسلیم بھی کر لیا جائے تو التزام بہر صورت بدعت ہے، وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

(ضمیمہ تہم میں)



## باب القراۃ والتجوید

قراۃ میں صحت ادا کی کوشش نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص نماز میں قرآن مجید غلط پڑھتا ہو، اعراب میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، سمجھانے کے باوجود اصلاح نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ اس قسم کے معمولی غلطیاں مفسدِ صلوٰۃ نہیں، اس شخص کی اقتدار میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟  
بینوا تو جروا،

### الجواب منه الصد والصواب

اعراب کی غلطی اگرچہ عند المتأخرین مفسدِ صلوٰۃ نہیں، مگر بے احتیاطی اور بے پرواہی قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، قال اللہ تعالیٰ وَرَقِلَ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًاہ وقال العلامة الجزری والخذ بالتجوید حتم لازم، من لم یجود القرآن اثم، جو شخص قرآن کی حرکات اور حروف کے امتیاز کو ضروری نہیں سمجھتا اس کے خیال میں قرآن کا اعراب اور متشابہتہ الصوت الفاظ کا تعدد فضول اور باطل ہے، وقال اللہ تعالیٰ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

الشع اگر صحت ادا کی کوشش نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمر فلا يؤم إلا مثلاً ولا تصح صلوته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده الخ وفي الشامية (قوله دائماً) أي في أثناء الليل وأطراف النهار فمداً في التصحيح والتعلم ولم يعتد عليه فصلاته جائزة وإن ترك جهده فصلاته فاسدة كما في المحيط وغيره الخ، (رد المحتار ص ۵۴۲ ج ۱)

جب ترکِ جہد کی صورت میں الشع کی نماز فاسد ہے حالانکہ یہ معذور بھی ہے، تو غیر معذور اگر صحت ادا کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ بے پرواہی کرتا ہے تو اس کی نماز بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگی، غرضیکہ



اگر کبھی اتفاقاً کوئی غلطی اعراب میں ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر بے احتیاطی وجہ پر وہی کی وجہ سے قرآن مجید غلط پڑھتا ہے صحتِ ادا کی کوشش ہی نہیں کرتا تو نماز صحیح نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ

### قرارت فرض کی مقدار:

سوال: قرارت فرض کا ادنیٰ درجہ جس کے سوا نماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا تو جردا،

### الجواب منہ الصدق والصواب

بعض نے اٹھارہ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر حسیا ط اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں، قال  
العلاء فترن القراءة آية على المذهب هي لغة العلامة وعرضا طائفة من القرآن مترجمة  
اقلها سبعة احرف ولو قد يرا كلف يلد الا اذا كانت كلمة فالاسم عدم السبعة وان  
كثرها مرارا الى قوله، قرأ آية طويلة في الركعتين فالاصح الصحة اتفاقا لانه يز  
على ثلاث ايات قصار قال في الشامية (قوله فالاصح عدم الصحة) كذا في المذنية  
وهو شامل لمثل مد هاتمان ومثل ص ودن، لكن ذكر في الحلية والبحرات  
الذي مشى عليه الاسبيجاني في الجامع الصغير وشرح الطحاوي وصاحب البدائع  
الجواز في مد هاتمان عنده من غير حكاية خلاص (قوله لانه يزيد على ثلاث ايات)  
تعليل للمذهبيين لان نصف الآية الطويلة اذا كان يزيد على ثلاث ايات قصار  
يصح على قولهما فعلى قول ابي حنيفة المكتفى بالآية اولى ح قال في البحر وعلم من  
تعليلهم ان كون المقرء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل ان يكون البعض يبلغ ما بعد  
بقراءته قارئاً عروفاً، وايضا فيها لكن التعليل الاخير ربما يفيد اعتبار العد في الكلمات  
او الحروف (الى قوله) كقوله تعالى ثُمَّ نَظَرْتُمْ عَبَسَ وَبَصَرْتُمْ اَدْبَرْتُمْ اَسْتَكْبَرْتُمْ  
قد رها من حيث الكلمات عشر ومن حيث الحروف ثلاثون راء المختار ج ۵ ص ۵۲  
وفي واجبات الصلوة من الشرح وضم اقصر سورة كالكثير او ما قام مقامها وهو  
ثلاث ايات قصار نَحَرْتُمْ نَظَرْتُمْ عَبَسَ وَبَصَرْتُمْ اَدْبَرْتُمْ اَسْتَكْبَرْتُمْ وكذا لو كانت

۷۰ مثل كلمات ضروری نہیں صرف تیس حروف کافی ہیں، کما فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ الطالۃ الركعة

الثانیۃ علی الاولیٰ فالمتبر عدد الحروف لا الكلمات ۱۲ منہ



الآية أو الايتين تعدل ثلاثاً قصاراً، وفي الشامية أي مثل ثم نظراً وهي ثلاثون حرفاً لو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات لكن سيأتي في فصل يجهز الامام أن فرض القراءة آية وإن الآية عرفاً طائفة من القرآن مترجمة أقلها ستة أحرف ولو تقديراً كالم يلد إلا إذا كانت كلمة فالاصح عدم الصحة ومقتضاه أنه لو قرأ آية طويلة قدر ثمانية عشر حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات متوالية على النظر القرآني مثل ثم نظراً ولا يوجد ثلاث متوالية أقصر منها الخ (رد المحتار ص ۲۲) وقال الرافعي المتبادر من قوله ثلاثاً قصاراً الاكتفاء بقدر الثلاث من الآية أو الايتين أن لم تكن الثلاث على ترتيب النظم القرآني واشتراط ذلك لا تدل عليه عبارة الحلبي إذ قوله تعدل ثلاث آيات قصار شامل لما إذا كانت على الوجه المشرع بأن تكون متوالية أولاً وثباته لا بد له من دليل فمع عدم وجوهه يعمل باطلاق عبارة الحلبي من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفاً لا قامة واجب القراءة والتحرير المختار ج ۱ ص ۵، فقط والله تعالى اعلم

۲۵ شعبان ۱۲۸۵ھ

فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ واجب نہیں؛

سوال :- فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب منه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، ضروری نہیں، فقط بقدر تسبیح واحدہ قیام کافی ہے، قال فی شرح التنویر وهو مخیر بین قراءة الفاتحة وصحح العيني وجوبها وتسبيح ثلاثاً وسكوت قدرها وفي النهاية قدر تسبيحة فلا يكون ميسثاً بالسكوت على المذهب لثبوت التخيير عن علي وابن مسعود رضي الله تعالى عنهما وهو الصارف للسواطية عن الوجوب في الشامية تعت قوله (وصحح العيني وجوبها) لكن الاصح عدمه (قوله وفي النهاية قدر تسبيحة) وهو اليقن بالاصول حلية أي لأن ركن القيام يحصل بها لما مر أن الركنية تتعلق بالادنى (رد المحتار ص ۲۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۲ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ



## ترارۃ مسنونة:

سوال :- خالد کہتا ہے جو لوگ نماز میں طوال مفصل قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السور سے پڑھتے ہیں ان کی نماز خلاف سنت ہوتی ہے، چونکہ اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلاف سنت ہے، زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السور سے پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القراۃ میں آیا ہے اور قاضی خاں نے بھی اجزاء السور سے پڑھنا حضور سے ثابت کیلئے ہے، جو فعل حضور سے ثابت ہو اس کو خلاف سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آجکل علماء وغیر علماء کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے کیا یہ سب حضرات نماز خلاف سنت ادا کر رہے ہیں؟ بیدۃ التجروا

الجواب باسم ملہم الصلوات

قال فی شرح التنویر ولین (فی الحضر) الامام ومنقر ذکرہ الحلبي والناس عنه غافلون (طوال مفصل) من الحجرات الى اخر البروج (فی التجروا والشہر) منها الى اخر لم يكن (اوساط في العصر والعشاء) باقية (قصار في المغرب) اي في كل ركعة سورة مما ذكر ذكره الحلبي وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى اي من الطوال والاوساط والقصار مقتضا انه لا نظر الى مقدار معين من حيث عدد الابات مع انه ذكر في النهي ان القراءة من المفصل سنة والمقدار المعين سنة اخرى ثم قال وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقد رابعين او خمسين واقتصر في الاصل على الاربعين وفي المجرى ما بين الستين الى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلوة والسلام، ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية كذا في شرح الجامع لقاضي خان وجزم به في الخلاصة وفي المحيط وغيره يقرأ عشرين وفي المغرب خمس ايات في كل ركعة ام اقول كون المقروء من سور المفصل على الوجه الذي ذكره المصنف هو المذكور في المتون كالقدوري والكنز والمجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحسب المقروء بعدد على ما ذكره في النهي والبحر مما علمته مخالفت لما في المتون من بعض الوجوه كما نبه عليه في الحلبة فانه لو قرأ في الفجر او الظهر سورتين من طوال المفصل تزيد ان على مائة اية كالرحمن والواقعة او قرأ في العصر والعشاء سورتين من اوساط المفصل تزيد ان على عشرين او ثلاثين



ایہ کافغاشیۃ والفجر یكون ذلک، موافقاً للسنۃ علی ما فی المنون لاعلی الروایۃ الثانیۃ ولا تحصل الموافقة بین الروایتین الا اذا كانت السورتان موافقۃ للعدد المذكور وینزح علی ما مر عن النہر من ان المقدار المعین سنۃ اخرى ان تكون قراءۃ السورتین الزائدتین علی ذلک المقدار خارجۃ عن السنۃ الا ان یقتصر من کل سورۃ منہما علی ذلک المقدار مع انہم صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامة فالذی ینبغي المصیر الیہ انہما روایتان متخالفتان اختار اصحاب المتون احدہما ویؤیدہ انہ فی متن الملتقی ذکر اولاً ان السنۃ فی الفجر خمس اربعون آیۃ اوستون ثم قال واستحسنوا طوال المفصل فیہا وفي الظهر الخ فذكر ان الثاني استحسن فیترجح علی الروایۃ الاولی لتأییدہ بالاثار الوارد عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الی ابی موسی الا شعری ان اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل وفي العصر والعشاء باو ساط المفصل وفي المغرب بقصار المفصل قال فی الکافی وهو کالمروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان المقادیر لا تعرف الا سماعاً ام (رح المحتار ج ۱ ص ۵۰۵)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیت شراۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سور مفصل کو نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سور مفصل کی روایت عام متون کی ہے، اور یہی رائج ہے،

پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جسز سورت پڑھنا چاہو تو آخر سے پڑھو، آخر سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ و منیہ میں شراۃ مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام و اصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقققاً حال پر مبنی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله واختار فی البحر عدم التقدير الخ) والظاهر ان المراد عدم التقدير بمقدار معين لكل احد وفي كل وقت كما يفيدہ تمام



العبارة بل تارة يقتصر على ادنى ما ورد كاقصر سورة من طوال المفصل في الفجر واقصر سورة من قصارة عند ضيق وقت او نحوه من الاعذار لانه عليه الصلوة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبى خشية ان يشق على امه وتارة يقرأ اكثر مما ورد اذا لم يميل القوم فليس المراد الغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال في البحر عن البدائع والجملة فيه انه ينبغي للامام ان يقرأ أمقداً ما يخف على القوم ولا يتقل عليهم بعد ان يكون على التمام وكذا في الخلاصة اهـ (رحم المختار، ص ۵۰۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۸، محرم ۱۲۸۴ھ

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے؟  
سوال :- کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتیں اولیں میں سورت نہ ملانی گئی ہو تو آخرین میں سترارہ کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں یا ایک میں سورت ملنا یا نہ رہا تو آخری رکعتوں میں دونوں میں یا ایک میں ملنا مستحب ہے، قال فی الذر ولو ترک سورة اولی العشاء مثلاً ولو عمدًا قرأها وجوباً وقیل ندباً مع الفاتحة جہراً فی الاخرین، وفی الشامیة رقلہ ولو عمدًا، ہذا ظاہر اطلاق المتون وبہ صرح فی النہر ولم یحدہ، الی احد وکانہ اخذہ من الاطلاق والا فصیح الفتاویٰ والشروح یقتضی ان وضع المسألة فی النسیان تأمل افادۃ الخیر الرملی وقال تحت رقلہ وجوباً وقیل ندباً، والحاصل ان اختیار صاحب الفتح والبحر النہر النذب لانہ صریح کلام محمد (رحم المختار، ص ۵۰۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۸، ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے:

سوال :- سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں پڑھنے کو ترجیح دی ہے، مگر مستخلص میں نہ پڑھنے کو عبارت یہ ہے واما عند رأس کل سورة فلا یأتی بہ فی الصلوة عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یأتی بہما احتیاطاً والصحیح قولہما، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب :- سنیت میں اختلاف ہے، اور عدم سنیت اناج ہے،



مگر ادویت میں کوئی اختلاف نہیں، لہذا بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے، قال فی شرح التتویر لا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سرّیة ولا تکرہ اتفاقاً، و فی الشامیة رقلہ لا تسن مقتضی کلام المتن ان یقال لا یسمی لکنہ عدل عنہ لایہامہ الکراہۃ بخلاف نفی السنیۃ ثمان ہذا قولہما وصححہ فی البدائع وقال محمد تسن ان خافت لا ان جهر بحر ونسب ابن الفیاء فی شرح الغزنویۃ الاول الی ابی یوسف فقط فقال و ہذا قول ابی یوسف وذكر فی المصنف ان الفتویٰ علی قول ابی یوسف انہ یسمی فی اول کل رکعة ویخفیہا و ذکر فی المحيط المختار قول محمد و ہوان یسمی قبل الفاتحة و قبل کل سورة و فی کل رکعة و فی رواية الحسن ابن زیاد انہ یسمی فی الركعة الاولی لا غیرہ وانما اختیر قول ابی یوسف لان لفظة الفتویٰ اكد و ابلغ من لفظة المختار و لان قول ابی یوسف وسط و خیر الامور و وسطہا کذا فی شرح عمدة المصلیٰ ام ما فی شرح الغزنویۃ و وقع فی النہر هنا خطأ و خلل فی النقل ایضاً عن شرح الغزنویۃ فاجتنبہ فانہم رقلہ ولا تکرہ اتفاقاً، و لہذا اصرح فی الذخیرۃ و المعجبیٰ بانہ ان سمي بین الفاتحة والسورة المقررة سرّاً او جہراً کان حسناً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و رجحہ المحقق ابن الہمام و قلمیذہ الحلبي لشبهة الاختلاف فی كونها آية من كل سورة، بحور رد المختار ص ۱۳۵۸، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۸ ربيع الاول ۱۲۸۴ھ

### قرارت میں آواز کی مقدار:

سوال :- بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے بہت چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدہ سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حرورت صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ خود نہ سنے، قول اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے، اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لئے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ



دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا؛

سوال :- ایک رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۃ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

فرائض میں عمدًا ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں، قال فی العلائیۃ لا بأس ان یقرأ سورۃ ولعیید ہا فی الثانیۃ و فی الشامیۃ اذا دانہ یکوہ تنزیہیہا، رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) و فی العلائیۃ ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلک رد المحتار ص ۵۱۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۷ شعبان ۱۴۲۸ھ

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا؛

سوال :- فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں دو سورتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قصداً یا سہواً پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، اور دو سورتوں کے درمیان ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں، خواہ قصداً ہو یا سہواً، اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، تحت قوله ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ) و هذا الوفی رکعتین اما فی رکعة فیکرہ الجمع بین سورتین بینہما سورۃ او سورۃ، (فتح) و فی التارخانیۃ اذا جمع بین سورتین فی رکعة رأیت فی موضع انه لا بأس به و ذکر شیخ الاسلام لا ینبغی له ان یفعل علی ما هو ظاہر الروایۃ اھ و فی شرح المنیۃ الاولیٰ ان لا یفعل فی الفرض، ولو فعل لا یکرہ الا ان یتروک بینہما سورۃ او اکثر رد المحتار ص ۵۱۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۳ شعبان ۱۴۲۸ھ

ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنا؛

سوال :- اگر ایک رکعت میں آدمی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا باقی حصہ پڑھا تو اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

بلاکراہت جائز ہے، البتہ درمیان میں ایک آیت چھوڑنا مکروہ ہے، دویا زیادہ آیات چھوڑنے میں کراہت نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے، قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورة و یعیدھا فی الثانية وان یقرأ فی الاولى من محل وفي الثانية من اخر لو من سورة ان كان بينهما ایتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی التہر وینبغی ان یقرأ فی الركعتین اخر سورة واحدة لاخر سورتین ام (قوله ولو من سورة الخ) واصل بما قبلہ ای لو قرأ من محلیں بان انتقل من اية الى اخرى من سورة واحدة لا یکرہ اذا كان بينهما ایتان فاکثر لکن الاولى ان لا یفعل بلا ضرر لانه یوہم الاعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیة وانما فرض المسألة فی الركعتین (رد المحتار ص ۱۳۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر ۹۹ھ

فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل:

سوال :- امام شافعی، امام احمد، اور امام مالک یعنی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ امام کے پیچھے فاتحہ کے قائل تھے یا نہیں، اور رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے یا نہیں، اور کوئسے امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

امام عظم، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جہری نمازیں قرآنہ خلف الامام جائز نہیں، البتہ ستری نماز میں امام مالک اور امام احمد کے ہاں مستحب ہی، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ ستری نماز میں قراۃ فاتحہ خلف الامام واجب ہے، جہری نماز میں وہ بھی منع فرماتے تھے، شوافع کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ آخر عمر میں جہر نماز میں بھی وجوب فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے تھے، مگر اولاً یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کا آخری قول کیا ہے؟ آپ نے کتاب الام میں منع فرمایا ہے، اس کتاب کو بعض نے کتب قدیمہ میں شمار کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کتاب الام آپ کی کتب جدیدہ میں سے ہے، کما صرح بہ السیوطی فی حسن المعاضد ص ۱۲۲ ج ۱، والحافظ ابن کثیر فی البدایة والنهاية ص ۲۵۲ ج ۱، ثانیاً اگر قول منع کو قدیم بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے رجوع بصورت ایجاب فرمایا ہے یا بصورت استحباب یا جواز؟ تینوں



انوال ہیں، غرضیکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جہری نمازیں وجوب فاتحہ خلف الامام کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، نیز آپ نے امام کے ساتھ قرات کی اجازت نہیں دی، بلکہ سکنت امام میں قرات کے قائل ہیں، رمضی لابن قدامہ ص ۱۰۹ ج ۱، تحفة الاحوذی ص ۱۲۵ ج ۱، فیض الباری ص ۲۴۱ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲، کتاب القراۃ للبیہقی ص ۱، مختصر المزنی ص ۶۱ ج ۱، تنوع العبادات لابن تیسیمہ ص ۸۴، فصل الخطاب للشیخ انور شاہ۔

آمین، امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں آہستہ کہنا افضل ہے، اور امام شافعی واحد رحمہما اللہ کے ہاں جہرا مندوب ہے (فیض الباری ص ۲۹۱ ج ۲، فتح الملہم ص ۳۹ ج ۲) اسی طرح رفع یدین بھی امام شافعی واحد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحب ہے اور امام اعظم مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ترک رفع مستحب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

ضرورت کے زیادہ بلند آواز سے قرات جائز ہے:

سوال ۱۔ نماز کے اندر جہری سرارت، بآواز بلند قرات پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتُ بِهِمَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا وجوباً،

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرات کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لئے باعث ایذا ہو، ناجائز ہے، فی الشامیۃ تحت (قوله فان زاد علیه اساء) وفي الزاهدی عن ابی جعفر لوزاد علی الحاجة فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذی غیرہ، قمستانی (رد المحتار، ص ۱۲۹ ج ۱)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند سرارت فرماتے تو مشرکین سنکر برا بھلا کہتے تھے، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قرات کریں، تاکہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے، اس سے مطلقاً بلند آواز سے قرات کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب ۱۳۹۴ھ

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي مِمَّنْ فِيْ جَهَنَّمَ

سوال ۲۔ امام صاحب نے نماز میں فَادْخُلِي فِيْ عِبَادِي کی بجائے فَادْخُلِيْ جَهَنَّمَ پڑھ دیا،



کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز ہو گئی، فانتہ يجوز حذف اداة النطق لسانی

ادخلوا الجنة، فقط والله تعالى اعلم،

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟ :

سوال ۱۔ اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے، سبحان اللہ یا الحمد للہ بجائے قراءۃ

کے پڑھ لے، اور جلد سے جلد اس پر فترآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قرات فرض کی مقدار

یاد کر لینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے، اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے قال فی الہمدیۃ وفی

المبسوط الوبری والآخرس والامی الذی لایحسن شیئاً یصیر شارعاً بالنیۃ ولا یلزم

التحریک باللسان کذا فی التبیین (عالمگیریہ، ص ۶۹ ج ۱) نو مسلم پر اس طرح پڑھی ہوئی

نمازوں کا اعادہ واجب نہیں البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو

بطریق مذکور فوراً نماز شروع کرے، مگر بقدر ضرورت فترآن یاد کر لینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹائے،

فقط والله تعالى اعلم

۲۲، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

منفرد جہری نمازوں میں قضا کرے تو قرات میں جہر کا اختیار ہے :

سوال :- اگر کسی شخص کی جہری نماز قضا ہو گئی اب وہ شخص دن میں اُس قضا نماز کو منفرداً

ادا کرنا چاہتا ہے تو قرات یا جہر کرے گا یا بالستر؟ بیٹنوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو جس طرح جہری نماز میں وقت کے اندر جہر و اخفاء دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح

جہری نماز کی قضا میں بھی اختیار ہے، قال فی الدر المختار ویخاف من المنفرد حتماً ای وجوباً

ان قضی الجہریۃ فی وقت المخافتۃ کان صلی العشاء بعد طلوع الشمس کذا ذکرہ



المصنف بعد عد الواجبات قلت وهكذا ذكره ابن الملك في شرح المنار من بحث القضاء على الاصح كما في الهداية لكن تعقبه غير واحد ورحموا تغيرة من سبق بركعة من الجمعة فقام يقضيها بخير (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۸) فقط والله تعالى اعلم،

غرة رجب ۹۷ھ

جہری نماز کی قضا دن میں باجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:

سوال :- اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضا ہو گئی، اب وہ دن میں اس نماز کو ادا کرنا چاہے تو امام قرائت بالجہر کرے گا یا بالسیر؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ صورت میں امام جہر واجب ہے، قال فی التویر ویجہ الامام فی الفجر واولی العشاءین اداءً وقضاءً وجمعة وعیدین وترادیح ووتر بعد ہار (رد المحتار ص ۲۹۷) فقط والله تعالى اعلم

غرة رجب ۹۷ھ

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون و اخلاص اور وتر میں سورۃ اعلیٰ، کافرون، اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، معہذا اگر سورۃ غیر مأثورہ بغرض سہولت یا سورۃ مأثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے، اور کبھی کبھی ناغہ کر دینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے نادانقہ کو شبہ و جوب ہو سکتا ہے، اسی لئے قرآن کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۲، رجب ۹۷ھ



عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں اُن پڑھوں کی اکثریت ہی، اور اُن پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے عین اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً قل هو اللہ احد کو احد ن اللہ الصمد پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے، آیا اللہ الصمد جیسا کہ معروف ہے اسی طرح پڑھے یا کہ غیر معروف ن اللہ الصمد پڑھے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۱ شوال ۱۳۹۷ھ

سورۃ زلزال میں خیراً کی جگہ شرّاً پڑھنے سے نماز ہو جائے گی:

سوال ۲۔ سورۃ زلزال میں خیراً کی جگہ شرّاً پڑھ لیا، بعد میں خیراً پڑھ لیا، اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نماز ٹوٹی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز درست ہو گئی، سجدہ سہو واجب نہیں، فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۱۳۹۷ھ

بروز جمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا:

سوال ۳۔ زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا مستحب ہی، عمرو کہتا ہے کہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے، تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آجکل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے، قال فی الدرودیکرہ التعیین کالسجدة وھل آتی لفجر کل جمعة بل یندب



قراءتہما احیاناً وقال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ وفي قتم القدير لان مقتضى الدليل  
عدم المداومة لا المداومة على عدم كما يفعل حنفية العصر فيستحب ان يقرأ ذلك احياناً تبركاً  
بالمأثور فان لزوم الايهاام ينتفى بالترك احياناً (الى قوله) وقيد الطعناوى الاسيحابى  
الكراهية بما اذا رأى ذلك حتماً لا يجوز غيره اما لو قرأه للتيسير عليه او تبركاً بقراءته  
عليه الصلوة والسلام فلا كراهية لكن بشرط ان يقرأ غيرها احياناً لئلا يظن الجاهل  
ان غيرها لا يجوز (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۸) فقط والله تعالى اعلم،

۳ ربيع الاول ۱۲۹۸ھ

آمین آہستہ کہنا افضل ہے:

سوال: نماز باجماعت میں آمین اونچی آواز میں کہنا چاہئے یا آہستہ، ابو داود، ابن ماجہ  
(بحوالہ ابن کثیر) میں اونچی آواز سے ثابت ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح جائز ہے، آہستہ کہنا افضل ہے، افضلیت قرآن کریم اور حضرت شعبہ رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جو ترمذی میں ہے، فترآن کریم میں ارشاد ہے اذُعُوْا رَبَّكُمْ  
تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، اس سے دعا کا اخفاء ثابت ہوا، اور آمین بھی دعا ہے، کما نقل الامام  
البخاری عن عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ، حدیث شعبہ فترآن کریم کے مطابق ہے، اس لئے  
اس کو اختیار کیا جائے گا، اور دوسری احادیث میں تاویل کر کے ان کو قرآن کریم سے تطبیق  
دی جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ ربيع الاول ۱۲۹۸ھ

سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف  
کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے  
دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، عن ابن جریر عن ابن ابی مدیکۃ  
عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع  
قراءته يقول الحمد لله رب العالمين، ثم يقف ثم يقول الرحمن الرحيم ثم يقف



رواہ الترمذی (مشکوٰۃ، ص ۱۹۱، شمائل ترمذی، ص ۵۹۲) وفي كنز العمال عن ابی عثمان  
النہدی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان  
یقطع قراءتہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الی آخرہا، السلفی  
فی انتخاب حدیث القراء، ورجالہ ثقات، (کنز العمال ص ۸۷ ج ۸)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ ثم لم یقرأ فیہ بابا القرآن  
فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لا بی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انا نکون وراء الامام  
فقال اقرأہ بہما فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ  
تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبين عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد  
الحمد للہ رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمدی عبدی واذا قال الرحمن الرحیم  
قال اللہ اشئنی علی عبدی فاذا قال مالک يوم الدين قال مجدي عبدی وقال  
مرۃ قوض الی عبدی فاذا قال ایتاک نعبد وایتاک نستعین قال هذا بینی وبين عبدی  
ولعبدی ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم صل ط الذين انعمت علیہم  
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال هذا العبدی ولعبدی ما سأل (صحیح مسلم  
ص ۱۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

بوقت بارش مقدار مستون سے کم قراۃ کرے :

سوال :- اگر عین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے، امام صاحب کے علم میں یہ بتا  
ہو کہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب  
بسنّت نہ ہوگا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بیاد تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جی ہاں! قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فقد ظہر من کلامہ (الکمال)  
انہ لا ینقص عن المستون الا الضرورة کقراءتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمعوذتین  
لیکاء الصبئی (رد المحتار ص ۱۳۵۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ جمادی الآخرہ ۹۸ھ



فاتحہ کا کچھ حصہ ستر اڑھنے کے بعد نیت امامت کر لی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے :

سوال :- منفرد جہری نماز ستر اڑھ رہا تھا، سورۃ فاتحہ کی قترارت کے درمیان کسی نے اس سے اقتدار کر لی اور اس نے بھی امامت کی نیت کر لی، تو اب سورۃ فاتحہ شروع سے دوبارہ پھر اڑھے یا کہ دیں سے آگے جہر اڑھنا شروع کرے : بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوب اعادہ کے قائل ہیں اور بعض وجوب عدم اعادہ کے، قول ثانی رائج ہے، لہذا اعادہ نہ کرے، بصورت اعادہ چونکہ قول رائج کی بناء پر ترک واجب عمداً کیا ہے، لہذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہئے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں، قال فی العلایۃ ولو ائتم بہ بعد الفاتحة او بعضها سراً اعادھا جہراً بحر لکن فی اخر شرح المنیۃ ائتم بہ بعد الفاتحة یجہر بالسورۃ ان قصد الامامۃ والا فلا یلزمہ الجہر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لکن الخ) استدراك علی قوله ولو ائتم بہ وهذا قول آخر وقد حکى لقوی القہستانی حیث قال ان الامام لو خافت ببعض الفاتحة او کلھا او المنفرد ثم اقتدی بہ رجل اعادھا جہراً کما فی الخلاصۃ وقیل لم یعد وجہر فیہا بقی من بعض الفاتحة او السورۃ کلھا او بعضها کما فی المنیۃ ام وعزانی القنیۃ القول الثانی الی الفاضل عبد الفتاویٰ اسعدی ولعل وجهہ ان فیہ التعرّض عن تکرار الفاتحة فی رکعۃ و تأخیر الواجب عن محلہ وهو موجب لسجود السہر کان مکروہا وهو اسهل من لزوم الجمع بین الجہر والاسرار فی رکعۃ علی ان کون ذلک الجمع شیعاً غیر مطرد لما ذکرہ فی اخر شرح المنیۃ ان الامام لو سہا فخافت بالفاتحة فی الجہریۃ ثم تذکر جہر بالسورۃ ولا یعید ولو خافت بأیۃ او اکثریتمہا جہراً ولا یعید فی القہستانی ولا خلاف انہ اذا جہر باکثر الفاتحة یتیمہا مخافتہ کذا فی الزاہدی ام ای فی الصلوۃ السریۃ وکون القول الاول نفلہ فی الخلاصۃ عن الاصل کما فی البحر والاصل من کتب ظاہر الروایۃ لا یلزم منه کون الثانی لم ینذکر فی کتاب اخر من کتب ظاہر الروایۃ فدعویٰ انہ ضعیف روایۃ ودرایۃ غیر مسلمۃ، فافہم (رد المحتار ص ۲۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



امام فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ گیا تو اس کا اعادہ نہ کرے:

سوال :- امام نے جہری نماز میں سورۃ فاتحہ کی کچھ آیتیں آہستہ پڑھ لیں، اس کے بعد یاد آگیا، یا کسی نے لقمہ دیا تو وہیں سے آگے جہراً قراءت شروع کر دے، یا کہ سورۃ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہراً پڑھے، اگر سورۃ فاتحہ دوبارہ جہراً پڑھ لی تو کیا سجدۃ سہو ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں بھی اختلاف دلائل کی وہی تفصیل ہے جو اوپر کے مسئلہ میں بیان ہوئی، اور رائج یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ کا اعادہ مکروہ ہے، اگر اعادہ کر لیا تو نماز کا اعادہ بہتر ہے، کما مرقی المسئلة السابعة، اگر مقدار ما تجزیه الصلوة (تیس حروف) پڑھ گیا تو سجدۃ سہو واجب ہے، جو اعادہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعادہ جابر نقصان نہیں، فقط والله تعالى اعلم،

۷ شعبان ۱۴۰۸ھ

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال :- آجکل عام طور پر ائمہ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرقج دستبر میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں، حالانکہ یہ سنت ہے،

مفصل سورتوں کا جسز پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قراءت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اول سورت یا وسط سورت سے پڑھنا یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، قال فی شرح التئویر لا بأس ان یقرأ سورۃ و یعیدھا فی الثانیۃ، وان یقرأ فی الاولیٰ من محل وفي الثانیۃ من اخر ولو من سورۃ ان کان بینہما آیتان فاكثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی التہرک وینبغی ان یقرأ فی الركعتین آخر سورۃ واحدة لا آخر سورتین فانہ مکروہ عند الاکثر اھ، لکن فی شرح المنیۃ عن الخانیۃ الصحیح انه لا یکرہ، وینبغی ان یراد بالکراہۃ المنفیۃ التحریمیۃ، فلا ینافی کلام الاکثر ولا قول الشارح لا بأس تأمل



وتؤیدہ قول شرح المنیۃ عقب ما مَرَّ وَكَذَٰلِكَ الْقُرْآنُ فِي الْأُولَىٰ مِنْ وَسْطِ سُورَةٍ أَوْ مِنْ سُورَةٍ أَوْ لَهَا ثَمَّ قُرْآنٌ فِي الثَّانِيَةِ مِنْ وَسْطِ سُورَةٍ أُخْرَىٰ أَوْ مِنْ أَوَّلِهَا أَوْ سُورَةٍ قَصِيرَةٍ إِلَّا صَحَّ أَنَّهُ لَا يَكْرَهُ لَكِنِ الْأُولَىٰ أَنْ لَا يَفْعَلَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ أَوْ (قوله ولو من سورة الخ) وأصل بما قبله أي لو قرأ من محلين بأن انتقل من آية إلى أخرى من سورة واحدة لا يكره إذا كان بينهما آيتان فأكثر لكن الأولى أن لا يفعل بلا ضرورة لأنه يؤهم الأعراض والترجيح بلا مرجح شرح المنیۃ وإنما فرض المسألة في الركعتين لأنه لو انتقل في الركعة الواحدة من آية إلى آية يكره وإن كان بينهما آيات بلا ضرورة فإن سهواً تذكروا يعود مراعاة لترتيب الآيات شرح المنیۃ (رحم المختار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط والله تعالى أعلم  
۲۳ رمضان ۱۲۹۸ھ

### تجوید قرآن کی مقدار فرض:

سوال :- ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تجوید قرآن فرض ہے، بدون تجوید پڑھنا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

### الجواب باسم ملہم الصواب

حروف متشابهہ ظار، ضاد، ذال، زار، اور سین، صاد، ثار، اور تار و طار میں فرق سیکھنا فرض ہے، تجوید کے دوسرے قواعد مثلاً اخفاء، اظہار، تفخیم و ترقیق وغیرہ کا سیکھنا مندوب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ

### وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے، جیسے فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ مَّا إِنَّا لَعَلُّمٌ مَا يُبَيِّنُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ الآية میں "قولہم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے وہاں وقف کا لزوم صرف قرآن مجید کے لحاظ سے ہے، دلیہ شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۶ رمضان المبارک ۱۲۹۸ھ



## سوال مثل بالا :

سوال : قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لئے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماء اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاد ندوی نے تو وقف کر کے ان کے لئے رموز اوقاف وضع کئے ہیں گوانکی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاد ندوی سے پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لئے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ایضاح الوقف والابتداء للانباری متوفی ۵۳۲۸ھ الاکتفاء فی معرفۃ الوقف والابتداء لابن عمر الدانی متوفی ۴۴۴ھ الاہتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجوزی، منار الہدی فی بیان الوقف والابتداء للاشمونی (یہ کتاب عام دستیاب ہے) المرشد للشیخ زکریا الانصاری یہ کتاب منار الہدی کے حاشیہ پر ہے، اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماء اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لئے رموز وضع کر کے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، ان کے احکام اور ان کے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اہل الذکر نے اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن ص ۳۵۲ اور ثانی الذکر فی الاقناع فی علوم القرآن ص ۸۹ میں لکھا ہے، وذهب ابو یوسف القاضی صاحب ابی حنیفۃ الی ان تقدیر الموقوف علیہ من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیۃ بذلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحو مبتدع قال: لان القرآن معجز وهو للفظۃ الواحدة فکلہ قرآن وبعضہ قرآن وکلہ تام حسن وبعضہ تام حسن، حکى ذلك ابو القاسم برہان النحوی عنہ، جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاد ندوی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں رد الطغیان فی اوقاف القرآن کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اسکو حل فرمائیں اور مفصل و مدلل باحوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکر یہ کا



**الجواب :** حامداً ومصلیاً ، اوقاف قرآن روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں ، البتہ ان اوقاف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں لہذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے ، اسکی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ رد الطغیان فی اوقاف القرآن میں ہے جس میں حضرت نے روایات اور اجماع سے اوقاف قرآن پر ٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپنے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اسکی مخالفت کی مثلاً جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد خمس "یا" خ " اور ہر دس آیات کے بعد عشر " یا "ع" لکھا گیا تو علماء متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے ، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کر لیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں وہ اب شاذ ہو چکی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے جہاں تک امام ابو یوسف کے مذکور قول کا تعلق ہے اس میں دو احتمال ہیں ، ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو بلکہ ان اوقاف کی مطابقت وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو ، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں کیونکہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے ، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انھوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اسکے خلاف ہو گیا اس لئے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہو گا جو متروک ہو چکے ہیں لہذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح

الجواب صحیح

احقر عبد الشکور

دار الافتاء دارالعلوم کراچی علیہ محمد تقی عثمانی ، ۱۹ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ رشید احمد ، یوم الترویہ ۱۴۱۸ھ

سنت و نفل کی سب رکعات میں سورت ملانا واجب ہے :

سوال : سنت اور نوافل میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت ملانا ضروری ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

، رمضان ۱۴۱۸ھ

واجب ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَوْلَا إِسْطِطَالَةُ كَانَ الضَّادُ عَيْنَ الْفُطَاءِ

الْإِسْطِطَالَةُ

إِلَى  
مَخْرَجِ الضَّادِ



## لفظ ضاد کی تحقیق

سوال : لفظ ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور یہ ظار سے مشابہت رکھتا ہے یا ڈال سے یا ڈال سے؟ بینوا بالذلیل اجرکم اللہ الجلیل۔

### الجواب ومنہ الصّدر والصلوات

ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ ڈال عربی زبان کا حرف نہیں۔ ضاد کی مشابہت ڈال یا ڈال سے بالکل نہیں۔ کیونکہ ضاد حروف رخوہ میں سے ہے جن میں جریان صوت لازم ہے اور ڈال حروف شدیدہ سے ہے جن میں جریان صوت ممکن ہی نہیں۔ دنیا بھر میں کوئی شخص بھی ضاد کو ڈال سے مشابہت دیکر اس میں جریان صوت نہیں کر سکتا، علم تجوید کے اصول کے مطابق یہی ایک دلیل کافی ہے جس کا جواب قیام قیامت تک ممکن نہیں۔ اس اصولی دلیل کے بعد دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کسی میں طاقت ہے تو ڈال میں جریان صوت کر کے دکھلائے ورنہ خط القتاد۔ اس کے باوجود چند ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ضاد کو ظار سے مشابہت ہے۔

① علم تجوید کی جملہ کتب میں ہے۔ لولا الاستطالة لكان الضاد عين الظاء

② فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد اور ظار میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ قال فی الخانیۃ وان ذکر حرفاً مکان حرف غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشتقۃ كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاۃ عند الكل وان کان لا یمن الفصل بین الحرفین الا بمشتقۃ كالطاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیہ قال اکثرهم لا تفسد صلوۃ۔

(خانیۃ علی ہامش العالمگیریہ ج ۱۲)

وفی شرح التنویر الاما یشتق تمییزہ كالضاد والطاء فاكثرهم لم یفسدوها (رد المحتار ص ۵۹ ج ۱)

③ صاحب القان و دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ ”وجوہ یومئذ ناظرۃ الی رءھا ناظرۃ میں صنعت تجنیس ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ضاد اور ظار متشابہ الصوت ہوں۔

④ ضاد اور ظار میں فرق مشکل ہونے کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ ان میں فرق کر نیکی کوشش

کرنا چاہیے۔ جزری میں ایسے الفاظ جن میں ضاد اور ظار ہیں جمع کر کے فرق کرنے کی تاکید کی ہے۔ مقامات میں بھی اس قسم کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ فرق



در میان ضاد و ظار بجای آورد اگر نتواند روا باشد اورا حیا، العلوم میں مجہد و مجتہد فی الفوق بین الضاد والظاء۔  
 (۵) قرآن مجید میں اختلاف قرارت کی وجہ سے اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھا جاتا ہے تو عموماً یہ دونوں حرف متشابه الصوت ہر تے ہیں۔ مثلاً اھدا نا الصراط المستقیم میں صا کی بجائے سین کی قرارت بھی ہے۔ ایسے ہی وما هو علی الغیب بضنیہ میں ظا کی قرارت بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظا متشابه الصوت ہیں۔

(۶) کلام عرب میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ ان میں ضاد کی جگہ ظا پڑھنے سے معنی نہیں بدلتے۔ قال العلامة الألوئی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد جمع بعضهم الالفاظ التي لا يختلف معناها ضاداً وظاءً في رسالة صغيرة ولقد احسن بذلك فليراجع فانه مهم (روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)  
 (۷) متقدمین کے ہاں ضاد اور ظا کا رسم الخط بھی تقریباً ایک ہی جیسا تھا کما نقل الألوئی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی عبیدۃ ان الظاء والضاد في الخط القديم لا يختلفان الا بزيادة رأس احداهما على الاخرى زيادة يسيرة قد تشبه (روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)

(۸) اردو، سندھی، فارسی، پنجابی، انگریزی غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں ضاد کو ظا سے مشابہ بلکہ عین ظا پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

۲ صفر سنہ ۱۴۴۲ھ، بحری

### سوال مثل بالا :

سوال : لفظ ضاد ظا سے مشابہ ہے یا کہ دال سے۔ مولوی ..... نے ایک تحریر میں لکھا ہے کہ ضاد کی مشابہت ظا سے نہیں، مدلل بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

### الجواب ومنه الصدق والصواب

ضاد کی مشابہت ظا سے ہے۔ کتب صرف، تجوید، تفسیر، فقہ اور فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں۔ بعض کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شافیہ (۲) رضی (۳) جابر دی (۴) فصول اکبری (۵) جزریہ (۶) شروح جزریہ (۷) منہاج (۸) نشر (۹) طیبۃ النشر (۱۰) تمہید (۱۱) رشمہ فیض (۱۲) شاطبیہ (۱۳) شرح قصیدہ امنیہ (۱۴) جہد المقل (۱۵) منہیۃ جہد (۱۶) رعایہ (۱۷) تفسیر کبیر (۱۸) اتقان (۱۹) کشاف (۲۰) عزیزی (۲۱) حسینی (۲۲) بیضاوی (۲۳) حاشیۃ بیضاوی (۲۴) تفسیر المنار (۲۵) روح المعانی (۲۶) برہان (۲۷) تجنیس (۲۸) خلاصۃ الفتاویٰ



(۲۹) خزائن المفتین (۳۰) خزائن امل (۳۱) حلیہ (۳۲) فتاویٰ نقشبندیہ (۳۳) عتابیہ  
 (۳۴) تاتارخانیہ (۳۵) خزائن الروایات (۳۶) رسائل الارکان (۳۷) تہذیب (۳۸) جامع الروایا  
 (۳۹) مفتاح الصلوٰۃ (۴۰) محاسن العمل (۴۱) البیان الجزیل (۴۲) احیاء العلوم (۴۳) کیمیائے سعادت  
 (۴۴) زاد الآخرة (۴۵) فتاویٰ برہنہ (۴۶) مختار الفتاویٰ (۴۷) سمرقندی (۴۸) مجموعہ سلطانی  
 (۴۹) بغیۃ المرتاد (۵۰) میزان (۵۱) حروف البحار (۵۲) وجیز کردری (۵۳) رسالہ نجم الدین  
 (۵۴) ذخیرہ (۵۵) منیہ (۵۶) کبیری (۵۷) بزازیہ (۵۸) خانیہ (۵۹) عالمگیریہ (۶۰) خیرۃ  
 (۶۱) فتح القدر (۶۲) درمختار (۶۳) طحاوی (۶۴) رد المحتار

چند روز ہوئے میرے پاس ایک صاحب مولوی ..... کا فتویٰ لائے تھے اس میں جس قدر  
 عبارات ہیں وہ سب ہمارے مسلک کی مؤید ہیں۔

ص ۱ پر تفسیر السراج المنیر کی عبارت ہے کہ ضاد اور ظار میں فرق کرنے کے لئے محنت کرنا  
 ضروری ہے۔ اگر ان دونوں حرفوں میں تشابہ نہیں تو فرق کرنے کے لئے محنت کی کیا ضرورت؟  
 اسی عبارت کے آخر میں ہے۔ فان اکثر العجم لا یفرقون بین الحرفین اور تفسیر بیضاوی  
 کے حاشیہ میں ہے ان اکثر الناس خصوصاً العجم كانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرق بینہما  
 (مجموعہ الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلاف ضاد کو ظار پڑھتے تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلاف وال پڑھتے  
 آئے ہیں غلط ہے۔

اس کے بعد جزیریہ کی عبارت پیش کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ ضاد اور ظار میں تمیز ضروری ہے  
 یہ بھی تشابہ کو مستلزم ہے۔

ص ۲ پر شامیہ کی عبارت ہے کہ ضاد ضعیفہ قبیح ہے۔ سو ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔  
 ازاں بعد شرح فقہ اکبر اور جامع الفصولین کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ ضاد کو ظار پڑھنا جائز  
 نہیں اور عمداً پڑھنا کفر ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ بلا عذر پڑھنا جائز نہیں۔

ص ۳ پر رد المحتار کی عبارت ہے ان جرئ علی لسانہ اولاً یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار  
 وفق البزازیة وهو عدل الا قادیلے وهو المختار اور کتاب الاذکار للنووی کی عبارت ہے ولو قال ولا  
 الظالین بالظاہر بطلت صلوٰۃ علی ارحم الراحمین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلیم فی عذر۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضاد کے حقیقی مخرج پر عدم قدرت کی وجہ سے ضاد کی جگہ



ظاہر پڑھنا جائز ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

غرضیکہ تحریر مذکور من اولہ الی آخرہ ہماری مؤید ہے اس میں ضاد کی بجائے دال پڑھنے کے بارے میں ایک جزئیہ بھی نہیں۔ بوقت عذر ظاہر پڑھنے کے بارے میں عبارتیں ہیں، محرر نے ان عبارتوں کو تشابہ بالظاہر کی تردید اور تشابہ بالذال کی تائید میں پیش کیا ہے مگر حقیقت برعکس ہے ۵

و کو من کاتب قولاً صحیحاً و افہ من الفہم السقیم

فقط واللہ تعالیٰ علماً وعلہ الترواحم

۱۲ شوال سنہ ۱۴۲۷ ہجری

سوال مثل بالا :

سوال ① آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو ظاہر پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی شامیہ کا حوالہ دیکھ حالانکہ متشابہ حروف میں سے ایک کو دوسرے کی بجائے پڑھنے سے باوجود تغیر معنی کے نماز کا عدم فساد متاخرین کا مذہب ہے اور شامیہ نے مذہب متقدمین کو ترجیح دی ہے اور احوط کہا ہے۔

② اگر فساد و عدم فساد کی بنا ر تشابہ حروف و عدم تشابہ پر رکھی جائے تو غیر المغضوب پڑھنے سے عدم فساد اور دلا اللہ الین پڑھنے سے فساد کا حکم ہونا چاہئے تھا، حالانکہ کبیری وغیرہ میں حکم برعکس لکھا ہے۔

③ ضاد کو علی الاطلاق ظاہر پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح عبارت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں کیونکہ بعض قرار کو جب کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاہر سنائی دیتا ہے۔ یہ عجیب توجیہ ہے۔ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منیہ سے ضابطہ فساد صلوۃ یوں نقل فرماتے ہیں ان الخطأ اما فی الاعراب ای الحركات والسکون ویدخل فیہ تخفیف المشدود وقصر الممدود وعکسها و فی الحروف بوضع حرف مکان آخر او زیادۃ او نقصہ او تقلیمہ او تأخیرہ او فی الکلمات او فی الجمل کذلک او فی الوقف ومقابلہ،

والقاعدۃ عند المتقدمین ان ما غیر المعنی تغیراً یکون اعتقاداً کفریاً یفسد فی جمیع ذلک سواء کان فی القرآن اولاً الاما کان من تبدیل الجمل مفصلاً بوقف تام وان لم یکن التغیر کذلک فان لم یکن مثله فی القرآن والمعنی بعید متغیر تغیراً فاحشاً یفسد



ايضاً كهذا الغبار مكان هذا الغراب وكذا اذا لم يكن مثله في القرآن ولا معنى له كما لا يراد  
باللام مكان السراثر وان كان مثله في القرآن والمعنى بعيد ولم يكن متغيراً فاحشاً تفسد  
ايضاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وهو الاحوط وقال بعض المشايخ لا تفسد لعموم  
البلوى وهو قول ابي يوسف رحمه الله تعالى وان لم يكن مثله في القرآن ولكن لغيره  
المعنى نحو قيامين مكان قوامين فالخلاف على العكس فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير  
المعنى كثيراً وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عند هاتين القاعدتين المتقدمتين  
واما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام واسماعيل الزاهد وابي بكر البلخي والهندواني  
وابن الفضل والحلواني فاتفقوا على ان الخطأ في الاعراب لا يفسد مطلقاً ولو كان اعتقاده  
كفر لان اكثر الناس لا يميزون بين وجوه الاعراب قال قاضي خاين وما قاله المتأخرون  
اوسع وما قاله المتقدمون احوط وان كان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امكن الفصل  
بينهما بلا كلفة كالضاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على انه مفسد و  
ان لم يكن الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين فاكثرهم على عدم الفساد لعموم  
البلوى وبعضهم يعتبر عسر الفصل بين الحرفين وعدمه وبعضهم قرب المخرج وعدمه ولكن  
الفروع غير منضبطة على شيء من ذلك فالاولى الاخذ فيه بقول المتقدمين لانضباط قواعدهم  
وكون قولهم احوط واكثر الفروع المذكورة في الفتاوى منزلة عليه اه ونحوه في الفتح وسيأتي  
تمامه (رد المحتار ص ٥٩ ج ١)

ثم قال في شرح (قوله الا ما يشق الخ) قال في الخاتمة والمخلاصة الاصل فيما اذا ذكر حرفا مكان  
حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد ولا يمكن الا بمشقة كالطاء مع  
الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال اكثرهم لا تفسد اه وفي  
خزانة الاكمل قال القاضي ابو عاصم انه تعمد ذلك تفسد وان جرى على لسانه ولا يعرف  
التمييز لا تفسد وهو المختار حلية وفي البرازية وهو اعدل الاقويك وهو المختار اه وفي  
التاريخانية عن المحاوي حكى عن الصغار انه كان يقول الخطأ اذا دخل في الحروف لا يفسد  
لان فيه بلوى عامة الناس لانهم لا يقيمون الحروف الا بمشقة اه وفيها اذا لم يكن بين الحرفين  
اتحاد المخرج ولا قرينة الا ان فيه بلوى عامة كالذال مكان الضاد او الزاء المحض مكان  
الذال والطاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ اه قلت فينبغي على هذا عدم الفساد



فی ابدال الثاء سینا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا فانهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم  
جدا كالذال مع الزاء ولا سيما على قول القاضی ابی عاصم وقول الصفار وهذا كله قول المتأخرين  
وقد علمت اننا اوسع وان قول المتقدمين احوط قال فی شرح المنية وهو الذي صححه المحققون  
وفرعوا عليه فاعمل بما تختار والاحتياط اولی سيما فی امور الصلوة التي هي اول ما يحاسب  
العبد عليها (رد المحتار ص ۵۹۲ ج ۱)

## ضابطہ متقدمین :

متقدمین کے ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر معنی میں ایسا تغیر واقع ہوا جسکا اعتقاد کفر ہے  
تو یہ بہر کیف بالاتفاق مفسد ہے، اور اگر تغیر حد کفر تک نہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں  
وجود المثل فی القراءة وعلما پر مدار ہے اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع التغیر البعید  
فی المعنی وعلما پر، وهو الراجح،

متقدمین کا یہ ضابطہ مطلق ہے جو بظاہر تبدیل حروف متشابهہ الصوت کو بھی شامل ہے مگر حروف  
متشابهہ کے بارے میں متقدمین سے کوئی نص نہیں، بعض عبارات میں تبدیل الضاد بالنظا کا بوقت  
تغیر معنی مفسد ہونا طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً روح المعانی میں ہے واختلفوا  
فی تبدیل احداهما بالآخری هل یمتنع وتفسد به الصلوة ام لا، نقیل تفسد قیاساً ونقله  
فی المحیط البرہانی عن عامة المشایخ ونقله فی الخلاصة عن ابی حنیفة وعمر رحمہما اللہ تعالیٰ  
(روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)

اسی طرح خانیہ وغیرہ میں مغضوب کو ظار یا ذال سے پڑھنا بنا بر مذہب متقدمین مفسد قرار  
دیا ہے ان عبارات سے یہ مقصد نہیں کہ اسکا مفسد ہونا متقدمین سے منصوص ہے بلکہ مقصد  
یہ ہے کہ ضابطہ متقدمین کی بنا پر یہ صورت مفسد ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ خانیہ سے  
فروع مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، هذا ما ذكره قاضیخان من ابدال هذه الحروف  
الثلاثة بعضها من بعض وكله مخرج على قواعد المتقدمين (کبریٰ ص ۴۵)

غرضیکہ حروف متشابهہ کی تبدیل کا حکم متقدمین سے منصوص نہیں، جب متأخرین نے اس پر  
غور کیا کہ متقدمین کا قاعدہ حروف متشابهہ کو بھی شامل ہے یا نہیں تو متأخرین کا اس میں اختلاف  
ہوا، بعض نے ضابطہ متقدمین کو عام قرار دیا اور اکثر نے حروف متشابهہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا،  
اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قیاساً فساد صلوة کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں



وقیل لا استحسنائاً ونقلہ فیہا عن عامۃ المشایخ کابی مطیع ابلخی و محمد بن سلمۃ وقال جمع اند اذا امکن الفرقۃ بینہما فتعمل ذلک وكان معالہ یقرأ بہ کہما ہنا وغیر المعنی فسدت صلاتہ والا فلا لعسر التمییز بینہما خصوصاً علی العجم وقد اسلم کثیر منہم فی الصدر الاول ولم ینقل حثہم علی الفرقۃ وتعلیمہ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ولو کان لازماً لفعلوہ ونقلہ وھذا ھو الذی ینبغی ان یعول علیہ ویفتی بہ (روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے فتبت بما ذکرنا ان المشابھۃ بین الظاء والضاد شدیدۃ وان التمییز عسیر واذا ثبت ھذا فنقول لو کان ھذا الفرقۃ معتبرا لوقع السوال عنہ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوفی ازمنۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لا سیما عند دخول العجم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السوال عن ھذہ المسألتہ علمنا ان التمییز بین ھذین الحرفین لیس فی محلہ التکلیف، اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے ان اکثر الناس خصوصاً العجم كانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرقۃ بینہما اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں فمنہم من یجعلہا ظاءً (القی قولہ) وھو اکثر الشامیین، وبعض اہل المشارق اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتویٰ میں ہے کہ ضاد کو ظا، پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے، اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے فمنہم من یجعلہا ظاءً وھذا لیس بعجب،

(مجموعۃ الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲)

متقدمین کے زمانہ میں ضاد اور ظا کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا، کما نقل العلامة الاوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ قول ابی عبیدۃ بان الظاء والضاد فی الخط لا یختلفان الا بزيادة رأس احداهما علی الآخر فی زیادۃ سیرۃ قد تشتبہ (روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)

عبادات بالا سے ثابت ہوا کہ متقدمین حروف متشابہہ کے فرق کا اہتمام نہ کرتے تھے ورنہ ایسے سوالات ضرور منقول ہوتے، متقدمین جب ضاد اور ظا میں فرق کے اہتمام ہی کو واجب نہیں سمجھتے تو تبدیل سے فساد صلوٰۃ کا حکم متقدمین کی طرف منسوب کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ تک بھی عوام الناس ضاد اور ظا میں فرق نہ کرتے تھے، چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲ میں ایک سوال بایں الفاظ منقول ہے ”اس زمانہ میں اکثر لوگ (ض کو) مشابہہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں“ علامہ آوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بحوالہ خلاصہ طرین رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم فساد نقل کیا ہے اگر اس کا منصوب ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے عمدہ پر محمول کیا جائے گا، زمان اول میں ضاد



اور ظار میں فرق کرنے کا اہتمام نہ تھا حتیٰ کہ دونوں کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا کما قد منا، اس لئے ایک حرف کی جگہ عمداً دوسرا پڑھنے کا قوی مظنہ تھا، اس کے پیش نظر طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمداً تبدیل کو مفسد فرمایا، اس پر مزید قرینہ یہ بھی ہے کہ خلاصہ کی عبارت مذکورہ میں تغیر معنی کا ذکر نہیں، پس بدول تغیر معنی کے تبدیل وہی مفسد ہو سکتی ہے جو عمداً ہو،

غرضیکہ متقدمین کے ضابطہ سے حروف متشابهہ بالخصوص ضاد اور ظار مستثنیٰ ہیں الا فی العمداً قال فی البرازیة ان تغیر المعنی ولیس مثله فی القرآن فسد ولا عبرة لقرب المخرج وانما العبرة لاتفاق المعنی عند ہما ولوجود المثل فی القرآن عندہ والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفة كالصاد مع الطاء بان قرء الطاءات مکان الصالحات فسد عند الكل وان لم یکن الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد م السین والطاء مع التاء فالاکثر علی انہ لا یفسد لعموم البلوی واطلق البعض الفساد ان تغیر المعنی وقال القاصی ابوالحسن والبوعاصم ان تعدل فسد وان جرى علی لسانہ او کان لا یعرف التمییز لا یفسد وهو عدل الا قویل وهو المختار

(برازیة علی ہامش العالمگیریہ ص ۲۲)

اس عبارت میں پہلے ضابطہ متقدمین کا بیان ہے پھر الاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفة الخ ہے اس ضابطہ کی توضیح ہے -

## ② کبیری کا جزئیہ ،

قال فی الخانیة لو قرء غیر المغضوب بالطاء او بالذال تفسد صلوٰۃ ولو قرء الضالین بالطاء او بالذال لا تفسد صلوٰۃ ولو قرء الذالین بالذال تفسد صلوٰۃ (خانیة علی ہامش العالمگیریہ ص ۲۳)

وفی غنیة المستملی غیر المغضوب بالطاء والذال المعجمتین تفسد اذ لیس لہما معنی ولا الضالین بالطاء المعجمة والذال المهملة لا تفسد لوجود لفظہما فی القرآن وقرب المعنی لصحة تقلید ولا الظالین ای المستمرین فی الضلال والذالین ای القائلین ہلے ندکم علی (رجل الایة ولو قرأ بالذال المعجمة تفسد لبعدها لانه اسم فاعل ذل النخلة اذا وضع عندها علی المجردة لتحمله و لیس من الذلۃ اذ لم یستعمل الوصف منها علی فاعل بل علی فعیل (کبیری ص ۲۴)

خانیہ کی عبارت کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ کبیری میں خانیہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، خانیہ میں ذال کو غیر مفسد اور ذال کو مفسد قرار دیا ہے اور کبیری میں عکس ہو گیا ہے، کبیری میں یہ شروع خانیہ سے لی گئی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں وھذا فصل وھو ابداً ال احد ھذہ الاحرف الثلاثہ اعنی



الضاد والطاء والذال من غیرہ فلنورد ما ذکرہ فی فتاویٰ قاضیخان من ہذا القبیل، پھر  
جزئیات مذکورہ بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں ہذا ما ذکرہ قاضیخان من ابدال ہذہ  
الاحرف الثلاثۃ بعضها من بعض وکلہ مخرج علی قواعد المتقدمین (کبیری ص ۲۵)

کبیری کے سوا اور کسی کتاب میں بھی دالین کا غیر مفسد ہونا مذکور نہیں، کبیری میں عدم فساد کی جو  
تأویل بیان کی گئی ہے وہ بھی بہت بعید ہے کمالاً مخفی، نیز ضابطہ متقدمین کے مطابق دالین کا  
غیر مفسد ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ضابطہ متقدمین غیر عمد کی صورت میں ہے اور آجکل لوگ عمداً  
دال پڑھتے ہیں اس لئے عدم تغیر معنی کے باوجود دال پڑھنا مفسد ہوا۔

المغضوب میں ظار یا ذال پڑھنے کو متقدمین کے ضابطہ کے تحت مفسد قرار دینے کا جواب  
اوپر گزر چکا ہے، یعنی حروف متشابہہ کی تبدیل ضابطہ متقدمین سے خارج ہے۔  
ضابطہ متاخرین،

متاخرین کے ہاں اعراب کی تبدیل مفسد نہیں اگرچہ اسکا اعتقاد کفر ہو چرچ متشابہہ کی تبدیل  
بھی مفسد نہیں، حروف متشابہہ سے متعلق متاخرین کا یہ فیصلہ ضابطہ متقدمین کے خلاف نہیں بلکہ  
اس کی توضیح ہے، کما قد منا،

بعض متاخرین نے حروف متقاربتہ المخرج کی تبدیل کو بھی غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض نے  
عموم بلوی کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی ابوالعاصم کا قول ”ان تعد ذلک تفسد  
وان جرى علی لسانہ اولا یعرفہ التمییز لا تفسد“ نقل کر کے اس کے بارے میں علیہ سے ”وہو  
المختار“ اور ہرازیہ سے ”وہو اعدل الا قاولی وہو المختار“ نقل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم  
ہوتا ہے کہ یہ مستقل قول ہے مگر بندہ کے خیال میں قاضی ابوالعاصم کا قول متاخرین کے قول کی  
توضیح ہے کیونکہ یہ بہت بعید ہے کہ کوئی فقیہ عمداً تبدیل حروف کو بھی مفسد قرار نہ دے۔  
ضاد کو دال پڑھنا،

ضاد اور دال میں نہ تشابہہ صوت اور نہ تمیز ہے اور نہ قرب مخرج، اگر کوئی ضاد کے  
صیح تلفظ پر قادر نہیں تو اس سے متشابہہ ظار پڑھ سکتا ہے، لہذا ان قواعد کے تحت ضاد کو دال  
پڑھنا مفسد ہوگا البتہ تیسرے قاعدہ ”عموم بلوی“ کے تحت یہ مسئلہ قابل غور ہے، عبارات  
مذکورہ میں عموم بلوی کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سب میں حروف متشابہہ الصوت ہی کو



ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاف کو ہمزہ پڑھنے کی مثال بھی ذکر فرمائی ہے۔ ہر کیف بظاہر عموم بلوی کا قاعدہ سب حروف کو عام ہے اور مسئلہ زیر بحث میں عموم بلوی بظاہر اگرچہ مخرج سے عاجز ضاد کو ظار پڑھ سکتا ہے مگر غلبہ جبل کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ضاد کا تلفظ دال مفخم کی طرح ہے اور وہ دال مفخم پڑھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے وہی لفظ ادا کیا ہے جو قرآن میں ہے، اس لئے ان کی نماز کو صحیح قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کما مر من قول ابی العاصم اولا یعرف التمییز لا تفسد، وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى روى عن محمد بن سلمة انه لا تفسد لان العجم لا يميزون بين هذه الحروف (الضاد والظاء والذال) وكان القاضي الامام الشهيد المحسن يقول الاحسن فيما في الجواب في هذه الابدال المذكورة ان يقول المفتي ان جرى ذلك على لسانه ولم يكن مميّزاً بين بعض هذه الحروف وبعضه فان كان في زعمه انه ادى الكلمة على وجهها لا تفسد صلوة وكذا اي مثل ما ذكر المحسن روى عن محمد بن مقاتل وعن الشيخ الامام اسمعيل الزاهد وهذا معنى ما ذكر في فتاوى الحجة انه يفقه في حق الفقهاء بأعادة الصلوة وفي حق العوام بالجواز كقول محمد بن سلمة اختياراً للاحتياط في موضعه والرخصة في موضعها (كبيري ص ۴۷)

یہ عبارات بھی اگرچہ حروف ثلاثہ (ضاد، ظار، ذال) سے متعلق ہیں مگر تعلیل "لا یعرف التمییز" وہاں ہے کہ ضاد، ظار، ذال کے قول کے کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ ذال عربی حرف نہیں، صحیح تلفظ سے عاجز کے لئے بذل جہد کا حکم :

متقدمین کے ہاں جو شخص کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اس پر تصحیح کی کوشش میں لگا رہنا فرض ہے، جب تک صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اس وقت تک اگر صحیح پڑھنے والے کی اقتدار پر قادر ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھے ورنہ غلط تلفظ کے باوجود اس کی نماز ہو جائے گی، اور اگر تصحیح کی کوشش چھوڑ دی یا صحیح پڑھنے والے کی اقتدار پر قدرت کے باوجود منفرداً نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگی، قال في العلائقة وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهدك دائماً كالألف فلا يؤم الا مثله ولا تصح صلواته اذا امكنه الا قد امكنه يحسنه او ترك جهداً او وجد قدر الفرض معالاة لثغ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الالتهام وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف في وفي الشامية (قوله دائماً) اي في اثناء الليل واطراف النهار فما دام في التصحيح والتعلم ولم يقد



علیہ فصلانہ جائزۃ وان ترک جہدہ فصلانہ فاسدۃ کما فی المحيط وغیرہ الخ (قوله حتماً) ای بذلاً حتماً فهو مفروض علیہ ط (قوله وکذا) من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف عطفہ علی ما قبلہ بناءً علی ان اللشغ خاص بالسنین والراء کما یعلم مما مر عن المغرب وذلک کالرہمن الرحیم والشیتان الرحیم والامین وایاک نأید وایاک نستئین، السرات، انامت فکل ذلک حکم مما مر من بذل الجہد دائماً والا فلا تصح الصلاة بہ (رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى وذكر في فتاوى الحجة ما يوافق قول صاحب المحيط فانه قال ما يجري على السنة النساء والارقاء الخطأ الكثير من اول الصلوة الى آخرها كالشيتان والامین وایاک نأید وایاک نستئین، السرات، انامت فعلى جواب الفتاوى الحسامية ما داموا في التصحيح والتعلم والاصلاح بالليل والنهار ولا يطاوعمهم لسانهم جازت صلاتهم كسائر الشروط اذا عجز عنها من الوضوء وتطهير الثوب والقيام والقراءة والركوع والسجود والقعود والتوجه اذا حصل العجز عنها فكذا هنا اما اذا تركوا التصحيح والجهد فسد صلاتهم كما اذا تركوا سائر الشروط (كبير ص ۲۵۲)

ان عبارات کی بنا پر ضاد کو دال پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ضاد کے نخرج کی تصحیح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے ظا پڑھے اور اس پر ہر شخص قادر ہے۔ مگر متاخرین کے ہاں عموم بلوی سے متعلق جو عبارات گزری ہیں ان میں عموم بلوی کی صورتوں میں صحت صلوٰۃ کے لئے بذل جہد کی شرط نہیں، لہذا متاخرین کے اس قاعدہ کے تحت اگر کوئی ضاد کے صحیح نخرج پر قادر نہیں اور وہ تصحیح کی کوشش بھی نہیں کرتا مگر وہ اپنے زعم میں ضاد کا صحیح تلفظ دال مفہم کی طرح ہی سمجھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی کما قد منا، ضاد کو دال پڑھنے والے کی اقتدار

قال في شرح التنوير ولا غير الاشغ بداعي بالاشغ على الاصم كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جہدہ دائماً حتماً كالامی فلا يؤم الامثلة (الى قوله) هذا هو الصحيح المختار في حكم الاشغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف، وفي السامية (قوله على الاصم) ای خلافاً لما فی الخلاصة عن الفضلی من انها جائزۃ لان ما یقولہ صار لغۃً له ومثله فی التاخر خانیة وفي الظهيرية وإمامة الاشغ لغیرہ تجوز وقیل لا ونحوه فی الخانیة عن الفضلی وظاهره اعتمادهم للصحة وكذا اعتمدها صاحب الحلیة



قال لما اطلقت غير واحد من المشايخ من انه ينبغي له ان لا يؤم غيره ولما في خزنة الاكمل وتكره امامة الفأفأ اه ولكن الاحوط عدم الصلحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومة تحفة الاقران وافق به الخیر الرملی وقال فی فتاواه الراجح المفق به عدم صحة امامة الاشع لغيره معن ليس به لشعة (رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اصح واحوط تو یہی ہے کہ اشع سے غیر اشع کی اقتدا صحیح نہیں مگر ایک قول صحت کا بھی ہے، غلبہ جہل کی وجہ سے ضاد کو دال مفہم پڑھنے والے کو بھی اشع پر قیاس کیا جاسکتا، لہذا اس سے دال خواں کی اقتدار تو بہر حال جائز ہے اور جو شخص اس جہالت میں مبتلا نہیں وہ دال خواں کی اقتدار نہ کرے، البتہ موقعہ ابتلا میں دال خواں کے پیچھے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مگر اعادہ احوط ہے۔ یہ حکم جہل مرکب میں مبتلا دال خواں کا ہے، اگر "اضلہ اللہ علی علمہ" کے مطابق عناد ایا لوگوں کے خوف سے دال پڑھتا ہے تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی (۳) ضاد کو علی الاطلاق ظار پڑھنے کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں، البتہ جو شخص ضاد کے مخرج پر قادر نہ ہو اسکے لئے ظار پڑھنے کی اجازت ہے۔ قادر علی المخرج کو عمد اظار پڑھنا جائز نہیں۔ خطاً پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ کیمیاء سعادت میں ہے، فرق درمیان ضاد و ظار بجا آورد اگر نتواند روا باشد۔ وفي الشامية عن خزنة الاكمل قال القاضي ابو عاصم ان تعد ذلك تفسد وان جرى على لسانه اولا يعرف التميز لا تفسد وهو المختار حلية وفي البزالية وهو اعدل الا قايلا وهو المختار (رد المحتار ص ۵۹۲ ج ۱)

باقی رہا یہ سوال کہ بعض قراہتے ہیں کہ ہم ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظار سنائی دیتا ہے یہ اس میں اولاً یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ضاد اور ظار کے سماع اور صوت میں فرق بہت دشوار اور نہایت متعسر ہے۔ قال فی التفسیر الکبیر ان المشابهة بين الظاء والضاد شديدة وان التمييز عسير وفي جهد المقل الضاد والظاء والذال المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة ومتشابهة في السمع وايضاً فيه ويشبه صوتها (الضاد) صوت الظاء المعجمة بالضرورة وفي شرح الشاطبية ان هذه الثلاث متشابهة في السمع وايضاً في جهد المقل لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما (مجموع الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲)

وفي الهندية وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء والظاد الخ وهكذا في شرح التنوير والشامية والخانية وفتح القدير والنهر الفائق وخزانة المفتين وخلاصة



الفتاویٰ وغیرہا۔ غرضیکہ جب ان میں فرق متعسر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فرق دہی سمجھ سکے گا جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ سین، ثار اور ذال، زار کے سماع اور صوت میں تجویبی فرق سمجھتا ہو، بلکہ ضاد اور ظار میں فرق کا سمجھنا سین اور ثار یا ذال اور زار میں فرق سمجھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کما هو ظاہر وثابت بالادلة المذكورة، لہذا یہ امر کوئی باعث تعجب نہیں کہ قاری فرق کر رہا ہو اور غیر ماہر فی الفن کو سننے میں کچھ فرق معلوم نہ ہو رہا ہو اور اگر سماع ماہر فی الفن ہونے کے باوجود فرق نہیں سمجھتا تو معلوم ہو کہ قاری قادر علی مخرج الضاد نہیں، اگرچہ مدعی قدرت کا ہو، اور غیر قادر کو ظار پڑھنے کی اجازت ہے۔ البتہ اگر سماع ماہر فی الفن ہے اور سماع کو یہ بھی یقین ہے کہ قاری ضاد کے اصل مخرج پر قادر ہے مگر عمداً باوجود قدرت علی المخرج کے محض عناداً ظار پڑھتا ہے تو ایسے قاری کی نماز واقعہً فاسد ہوگی مگر ایسے شخص کا وجود دنیا میں مشکل ہے جو کہ قدرت علی المخرج کے باوجود ضاد اور ظار میں فرق سمجھتے ہوئے بھی عمداً ظار پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم وھلکہ حکم۔  
غرہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۵۵ھ یوم الجمعة

سوال مثل بالا :

سوال : لفظ ضاد مشابہت دال سے رکھتا ہے یا کہ ظار سے مفصلاً تحریر فرمائیں۔ مشہور ہے کہ علماء حجاز دال پڑھتے ہیں۔ بیٹو! توجروا۔

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس سے متعلق عنقریب علماء حجاز کی طرف سے چند فتاویٰ موصول ہوئے ہیں، اس وقت انہی کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہر فتویٰ کا صرف ضروری اور بقدر کفایت حصہ تحریر کیا جاتا ہے۔  
حضرت مولانا شیر محمد صاحب مدنی مہاجر مدینہ منورہ تحریر فرماتے ہیں :

شرح قصیدہ امنیہ میں ہے ، فلذلك اشتد شبهته وعسر التمييز واحتاج القاري في ذلك الى الرياضة لا اتصال بين مخزجها وفصحاء العرب يتلفظون بها بحيث يشبه صوتها صوت الظاء كما في المجلد الاول من تفسير المنار للشيخ محمد عبد الله مفتي مصر انما نجد اعراب الشام وما حولها ينطقون بالضاد فيحسبها السامع ظاء لشدّة قريبتها منها وشبهها بها وهذا هو المحفوظ عن فصحاء العرب الاولين۔

اس حرف میں اختلاف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب عرب میں ممالک مختلفہ کی لونڈیاں آئیں ان ۱۵ آئندہ سوال کے جواب میں شرح قصیدہ امنیہ کی عبارت آرہی ہے کہ فصحاء عرب کچھ تلفظ ضاد کو سماع ظار سمجھتا ہے ۱۲ منہ



سے اولاد ہوئی تو اس حرف کی صحت میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔ انھوں نے لغت قوم لیسے فی لغتہم  
ضاد فاذا احتاجوا الى التکلم بها في لغتهم اعتصمت عليهم فربما اخرجوها طاء لاخراجهم اياها  
من طرف اللسان واطراف الشيا وربما تكلفوا اخرجها من مخرج الضاد فلم يتأت لهم  
فخرجت بين الضاد والطاء (شرح الشافعية)

مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری فرماتے ہیں :

خواندن وال مهمله یا زار بجائے ضاد نہ بدعتے ست امروزے اہل ہند بلکہ بعض اہل عرب  
نیز از پیشتر دریں بلا مبتلا بوده اند۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

من یخرجہ دالاً هملة ومن یخرجہ لاماً مفخمة ومن یخرجہ طاءً هملة كالمضمر  
اس رسالہ پر علماء حرمین کی تقاریر بھی ہیں۔ یہاں دو تین مصری قاری آئے تھے انھوں نے  
قرأت میں ضاد نہایت صحیح پڑھا۔ اکثر عرب مخرج صحیح سے نکالتے ہیں مگر صفت رخاوة ناقص کر دیتے  
جس کی وجہ سے دال شدیدہ کی طرح مسموع ہوتا ہے۔

قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی استاد الکمل جو اپنے بڑے بھائی قاری عبد اللہ صاحب کے  
ہمراہ سا لہا سال تک مدرسہ صولتشیہ میں عربوں کے بھی استاد رہے ہیں رسالہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں  
فرماتے ہیں کہ ضاد میں جو رخاوت پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو یہ لحن خفی ہے انتق  
تحریر السندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حسن بن ابراہیم الشاعر کا فتویٰ :

اقول وانا الفقير الى رحمة ربّي القدیر حسن بن ابراہیم المدرّس بالحرم النبوی ان  
فہایت القول فی الضاد ہوا انها اقرب الى الطاء فقط کما فی الرعاية وجهد المقل وغيرہا واما  
کون الضاد شبيهة بالدال او الغین فما سمعنا به قط ولا وجد فی کتاب فمن صلی خلفه  
امام یعتقد ذلك فصلاهما باطلة واللہ علی ما نقول وکیل

کتبہ بیلہ راجی عفوریہ القادر

حسن بن ابراہیم الشاعر المدرّس بالحرم النبوی بالمدینۃ المنورۃ

صاحب موصوف کا دوسرا فتویٰ :

اعلم وفقنی اللہ تعالیٰ وایاک للصواب قال الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ والضاد باستطالة



وخرج ممیز من الظاء فلا بد من اخراجها من مخارجها المعلوم بین القراء ضاذاً خالصاً و  
قراءتها بالظاء لا يجوز الا اذا تعدى النطق هكذا اخذنا من مشايخنا ولا يجوز قراءتها بالدال  
كذلك ان قصد ولا بغيره طاء او ظاء والله ولي التوفيق

کاتبہ حسن بن ابراہیم الشاعرخادم القراء والملا بالمحرم النبوی

تحریراً ۴ صفر سنہ ۱۳۷۵ھ

اس فتویٰ پر مکہ و مدینہ کے دیگر مشاہیر علماء و قرار کے دستخط اور تقاریض بھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۲ رذی الحجہ سنہ ۱۳۷۵ھ





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَنصِتُوا لِعَلَّكُمْ تَحْمَدُونَ

نَسِيلُ

بِالتَّزَامِ السَّكُونِ عِنْدَ

قَرَاءَةِ الْإِمَامِ



سوال : ہمارے قصبہ میں ایک صاحب اہلحدیث ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ امام کے پیچھے جو لوگ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز بالکل نہیں ہوتی وہ اس پر قسمیں بھی اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسی کوئی حدیث نہیں دکھا سکتا جس میں امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

اس شخص نے شب و روز یہی شور مچا کر رکھا ہے اور ہر وقت سیدھے سادے نمازیوں کو بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ بے نمازیوں کو نمازی بنانیکی اس کو قطعاً کوئی فکر نہیں بس ہر وقت نمازیوں کو بہکانے اور ان کی نمازوں کو باطل قرار دینے کا مشغلہ کئی نمازی اس کے فتنے سے متاثر نظر آ رہے ہیں۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر فرما کر ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

### الجواب باسمہم الصواب

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر ہر زمانہ میں اختلاف چلا آیا ہے۔ اس قسم کے اور بھی سیکڑوں اجتہادی مسائل ہیں۔ ایسے مسائل جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے کی وجہ سے اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں مختلف فیہ ہیں ان میں خود مجتہدین کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ قوت دلیل کی بنا پر جو جانب راجح دکھائی دی اس کو اختیار فرمالیا مگر دوسروں پر کسی قسم کے اعتراض اور طعن و تشنیع سے زبان درازی ہرگز روا نہیں رکھی۔ اور نہ ہی اپنا اجتہاد کسی پر زبردستی مسلط کرنے کی کوئی کوشش فرمائی، بلکہ صرف اظہار رائے پر اکتفا فرماتے رہے کبھی بلا تحریر دلیل اور کبھی بتفصیل دلائل۔ اس سے ہمیشہ بے نیاز رہے کہ کوئی ان کی رائے کو قبول بھی کرتا یا نہیں۔ انھوں نے اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو نہ کبھی گمراہ قرار دیا اور نہ ہی انکی عبادات کے بطلان کا فتویٰ دیکر اُمت میں تخریب اور منافرت کی تخم ریزی کی۔

ان حضرات کا یہ عمل قرآن کریم کی ہدایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، اس میں اہل اجتہاد کو مسائل غامضہ میں دعوت فکر دی گئی ہے اس طرح ہر مجتہد کے فکر کی رسائی ہی اس کے لئے حق اور واجب العمل قرار پاتی ہے۔ مجتہد جس طرح مسائل غیر منصوصہ میں غور و فکر کر کے منصوص پر قیاس کے ذریعہ ان کا حکم معلوم کرتا ہے



اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن کے ادلہ متعارض ہیں ان میں تطبیق و ترجیح اور تباہی کے اصولوں کو زیر غور لا کر فیصلہ کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ کسی مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہوا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا نہ اس وقت ان میں سے کسی نے دوسرے پر اعتراض کیا اور نہ ہی بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے فعل پر نکیر فرمائی۔

غرضیکہ اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرتا تھا مگر دوسرے کے اجتہاد پر کوئی اعتراض نہ کرتا تھا۔ ان مجتہدین کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا کہ وہ آپس میں دست بگریبان ہونے کی بجائے اپنے اپنے مقتداؤں کے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے رہے، اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اکابر علماء نے مسائل اجتہادیہ کی تنقیح و تنقید اور ان کے مناشی و مبانی کی تنقیر و تفتیش کیلئے سیر حاصل بحثیں تحریر فرمائیں۔ اپنے دلائل کی تفصیل اور خصم کے دلائل کے جوابات کے لئے فاضلانہ مضامین لکھے مگر مخالف کی تفسیق و تضلیل اور تحقیر و تذلیل اور عبادات کو ضائع و باطل ٹھہرانے کی حماقت کسی نے نہیں کی۔ اور نہ ہی ان خالص علمی مباحث کو جو عوام کی فہم سے بہت بلند ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے لا کر عوام میں انتشار و فتنہ پیدا کرنے کا کوئی جواز نکالا۔

راقم الحروف نے صحیح بخاری کی تدریس میں اپنی عمر کا بہت طویل حصہ صرف کیا ہے۔ اس زمانے میں قرآن و حدیث کے بلند پایہ مضامین، حقائق و دقائق اور نکات و لطائف کے مطالعہ کا شوق اور طلبہ حدیث کی استعداد و ضرورت کے مطابق انکے سامنے بیان کرنے کا معمول رہا مگر طلبہ کے اصرار کے باوجود مسائل اجتہادیہ پر زیادہ بحث و تمحیص سے ہمیشہ پہلو ہتی کرتا رہا۔ اولاً اسلئے کہ جن مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہے ان میں زیادہ بحث و مباحثہ ویسے ہی بے ضرورت اور دینی تقاضوں کی خلاف ورزی ہے ثانیاً ان مسائل پر کافی سے زیادہ لکھا جا چکا ہے۔ ثالثاً اس دور میں دین میں نظریاتی اور عملی فتنے اس قدر کثرت اور شدت کے ساتھ ابھر رہے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مجتہد فیہ مسائل میں جزئی اختلافات میں پڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ ایک طرف مرزائیت، نجربیت، اباحت، انکار حدیث اور دیندارانہ انجمن جیسے اعتقادی و ارتدادی فتنوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں



اور دوسری جانب بد اعمالی، علانیۃً فسق و فجور اور بے حیائی کا سیلاب برق رفتاری سے بڑھ رہا ہے اور عوام سے گزر کر علماء و صلحا کے گھرانوں میں بھی داخل ہو چکا ہے جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی احساس اور دین کا درد ہو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا شتمہ بھر بھی خیال ہو وہ ان حالات میں جزئی اختلافات کو ہوا دیکر الحاد اور بے دینی کو مزید پھیلنے کا موقع دینا ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر اس بارے میں فرقہ اہل حدیث کی اکثریت کا کردار جماعت اہل حدیث کی پیشانی پر کلنک ہے انکے اس رسوا کن اور اسلام دشمن کردار کی بدولت ان میں سے اہل فہم حضرات کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں مگر وہ اپنی اس بے لگام قوم پر قابو پانے سے عاجز ہیں۔

ان کی عقل پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو اتنی وسعتِ نظر کہ جوازِ اجتہاد کے لئے کوئی شرط ہی نہیں ہر شخص مادر زاد مجتہد ہے اور دوسری طرف اتنی تنگ نظری کہ اپنے اجتہاد کے سدا باقی سب کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔

### غیر مقلدین کی خصوصیات :

① اہل حدیث حضرات مسائلِ اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کو قطعی صحیح اور دوسروں کے اجتہاد کو قطعی غلط سمجھتے ہیں اور اس میں ان کو اس حد تک غلو ہے کہ گویا اپنی رائے کو معاذ اللہ وحی الہی گردانتے ہیں بخلاف دوسرے مجتہدین کے کہ وہ اپنی رائے کو وحی کی طرح قطعی نہیں سمجھتے بلکہ محض غلبہ ظن کا درجہ دیتے ہیں جس میں احتمالِ خطا بھی موجود ہے، چنانچہ وضوحِ خطا کے بعد وہ اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے ہیں، مگر دنیا میں کوئی اہل حدیث ایسا نظر نہیں آتا جس کو اپنے اجتہاد میں کبھی کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی ہوا ہو، غلطی کا اعتراف اور اپنے رائے سے رجوع تو بڑی بات ہے

② مجتہد فیہ مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و تبع تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف لازم بھی ہے اس لئے کہ مسائلِ اجتہادیہ کے استنباط میں اور تعارضِ ادلہ کے وقت تطبیق و ترجیح کے کلیات کے استعمال میں انسان کی عقل کو دخل ہے، ایک مجتہد کسی جزئیہ کو ایک کلیہ کے تحت لا کر اس کے جواز کا قول کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی جزئیہ کو کسی دوسرے کلیہ سے زیادہ منطبق سمجھ کر اسے ناجائز قرار دیتا ہے۔ کلیات کے ساتھ جزئیات کے انطباق میں اختلاف رائے سے بچنا محال ہے



چنانچہ اسی بنا پر ہم شب و روز ڈاکٹروں، انجینیئروں، وکیلوں اور حجوں میں اختلافات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات کی رائے میں ہرگز اختلاف نہیں پایا جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ ان کا عمل بالحدیث کا ڈھنڈورا اور براہ راست اجتہاد کا دعویٰ غلط ہے۔ درحقیقت یہ ایک مستقل فرقہ ہے جس کا ہر فرد اپنے اسلاف کی اندھی تقلید میں مبتلا ہے۔ اسکے ساتھ طرفہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو حرام اور شرک بتاتا ہے۔

(۳) ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ اختلافی مسائل میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا چاہئے چنانچہ جس شخص نے خود اپنا حج نہ کیا ہو وہ مذہب حنفی میں دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے مگر چونکہ دوسرے بعض مذاہب میں یہ جائز نہیں اس لئے صرف اس دوسرے مذہب کی رعایت کی خاطر فقہ حنفی میں ایسے شخص کا حج بدل کے لئے جانا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر طواف کرنے والا بیت اللہ سے اتنا قریب چلے کہ اس کا بایاں ہاتھ شاذروان (بیت اللہ کی بنیاد) پر سے گزر رہا ہو تو مذہب حنفی میں طواف صحیح ہو جائے گا مگر محض دوسرے مذہب کی مراعات کے پیش نظر اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔ کتب فقہ میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مگر اہلحدیث حضرات کا طریق کار نرالا ہے انکے ہاں ایسے مسائل میں دوسرے مذاہب کے خلاف کرنا زیادہ اجر کا باعث ہے۔ چنانچہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ میں قربانی کا جواز مختلف فیہ ہے اس لئے عبادت میں احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس تاریخ میں قربانی نہ کی جائے جو حضرات اسکے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں بھی افضل تاریخ دسویں پھر گیارہویں پھر بارہویں اور پھر تیرہویں ہے مگر اہلحدیث صرف دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے تیرہویں تاریخ میں قربانی کرنے کو افضل سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح اونٹ کی قربانی میں دس آدمی محض دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے شریک ہوتے ہیں ورنہ عبادت کی اہمیت کا مقتضی تو یہ تھا کہ اسمیں احتیاط سے کام لیا جائے اور اونٹ میں سات سے زائد افراد شریک نہوں۔

ایک اور عجوبہ سماعت فرمائیں۔ آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا جواز مختلف فیہ ہے، اس لئے احتیاط بہر حال اسمیں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بہت بڑا جہاد ہے چنانچہ کراچی میں انھوں نے اپنی مسجد کے استنجا خانے گر اگر از سر نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں وجہ



دریافت کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔  
الحمد للہ الذی عافانا حملاً ابتلاکھ بہ۔

(۴) اہل حدیث جزئی مسائل اختلافیہ کی اشاعت و تبلیغ میں بلکہ اپنے نظریہ کو پوری امت پر مسلط کرنے کی کوشش میں اس قدر مخبوط الحواس ہیں کہ نہ ان کو یہ ہوش آتا ہے کہ ان مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء بھی مختلف ہیں اور وہ اختلاف رائے کے باوجود ان کو بحث و مباحثہ کا موضوع نہیں بناتے تھے اور نہ ہی اسکا احساس ہوتا ہے کہ اس پُر فتن دور میں جبکہ اصول دین پر یورش ہو رہی ہے اور فسق و فجور کا سیل رواں رہے ہے دینی اقدار کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہائے جا رہا ہے۔ جزئی مسائل کو چھیڑ کر امت مسلمہ کو مزید ابتلا اور فتنے میں نہ ڈالیں اور آپس میں منافرت کی فضا پیدا کر کے لادینی قوتوں کے مزید بڑھنے کا باعث نہ بنیں، بلکہ ان فردعی اختلافات کو طاقِ نسیاں میں ڈال کر بے دینی کی بڑھتی ہوئی رو کو روکنے کے لئے سب یک صف ہو کر جہاد کریں۔

انصاف سے بتائیں کہ اہلحدیث نے سبائیت، مرزائیت، نیچریت اور اباحیت جیسے فتنوں سے اسلام کی حفاظت کے لئے کبھی کوئی نمایاں خدمت کی؟ یا فسق و فجور کے سد باب کے لئے کبھی کوئی کام کیا؟ ان کی تمام تر مساعی اور جہاد کا مصرت صرف فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین ہے یا پھر پوری امت مسلمہ بلکہ ائمہ دین تک کی تفسیق و تضلیل، کوئی شخص ڈاڑھی منڈاتا یا کٹاتا ہو، لباس خلاف شرع پہنتا ہو، سود کھاتا ہو، رشوت لیتا ہو، تصویر رکھتا ہو، رقص و سرود کا دلدادہ ہو، شراب پیتا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی اہلحدیث کی ملاقات ہو جائے تو وہ اس کو سب سے پہلے یہی تبلیغ کرے گا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، جو لوگ پڑھتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۵) جو شخص فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کی تبلیغ تندہی سے کرتا ہو اور ائمہ دین کے سب و شتم میں امتیازی شان رکھتا ہو وہ خواہ کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو بلکہ کفریہ عقائد ہی کیوں نہ رکھتا ہو جماعت اہلحدیث میں مقبول ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں ”شہد شاہد من اہلہا“ کے تحت خود اہلحدیث عالم قاضی عبدالواحد خانپوری کی شہادت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔



”اس زمانے کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت  
 ماجاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و  
 روافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب آورد ہلیر کفر و نفاق کے  
 تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی  
 اہلحدیث اس زمانے میں باب آورد ہلیر اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین  
 کے۔ بعینہ مثل تشیع کے (الحی ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ  
 تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف  
 کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر حسب قدر الحاد و زنادقہ پھیلائیں کچھ  
 پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کا ذب اہلحدیثوں میں ایک دفعہ رفع  
 یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کو جتک کرے، مثل امام ابوحنیفہ  
 رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے  
 اور پھر حسب قدر کفر بدعتی اور الحاد اور زنادیقیت ان میں پھیلاوے بڑی  
 خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چین بچیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ  
 علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے  
 سبحان اللہ ما أشبه اللیلۃ بالبلحۃ، اور سراسر اسکا یہ ہے کہ وہ مذہب  
 عقائد اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستکف و مستکبر  
 ہو گئے ہیں فافہم و تدبر۔“

(التوحید والسنۃ فی ذلہل الحاد والبدعۃ ”الملقب بہ“ اظہل کفر

ثناء اللہ بمجمیع اصول اُمنت باللہ ص ۲۶۲)

نفس مسئلہ سے متعلق بحث سے قبل یہ طویل تمہید پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ  
 قارئین کو اسکا اندازہ ہو جائے کہ مذکورہ بالا حالات میں فاتحہ خلف الامام سے متعلق کچھ کہنے  
 سننے کی زحمت یا کسی مدلل تحریر کے لئے خامہ فرسائی اور دماغی محنت کس حد تک مفید  
 ہو سکتی ہے۔ بحث و تمحیص سے اہل فہم و اہل انصاف کی تفہیم مقصود ہوتی ہے مگر مندرجہ بالا  
 خصوصیات کی حامل جماعت اہلحدیث سے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کبھی تقریری یا تحریری  
 دلائل بازی سے کسی فتنہ کو دبانا اور عامۃ المسلمین کے دین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اگرچہ



اہل فتنہ سے قبول حق کی کوئی اُمید نہ ہو۔ مگر اسمیں الہم فالہم کے اصول کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ الحاد و ارتداد جیسے تباہ کن فتنوں کی موجودگی میں فروعی مسائل پر بحث مباحثہ اور اسمیں وقت اور دماغ صرف کرنے کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ بعض مرتبہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ فلاں صاحب نے کسی اہلحدیث کے بہرکانے سے فاتحہ خلف الامام شروع کر دی ہے آپ اُن کو سمجھائیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے دیں میرے پاس ان کو سمجھانے کے لئے وقت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس کو خود سمجھنے کی فکر نہ ہو اسکو سمجھانا بیکار اور تضییع وقت ہے۔ کئی بار کئی مادر زاد مجتہدین نے ان مسائل پر مجھ سے بات کر نیکی خواہش ظاہر کی مگر میں نے ہر دفعہ غدر کر دیا۔ وجہ وہی کہ اہم مسائل کے ہوتے ہوئے ان فروعی اختلافات کی طرف رُخ کرنا جائز نہیں۔ بالخصوص جبکہ مخاطب میں نہ صلاحیت ہو اور نہ ہی تحقیق حق مطلوب ہو، ایسی حالت میں بات کرنے سے کیا فائدہ؟ ایک دفعہ ایک مجتہدہ صاحبہ کو فاتحہ خلف الامام پر بحث کرنے کا جوش اُٹھا اور حدیث دانی کا بہت بڑا دعویٰ کیا، میں نے اُن سے دریافت کیا کہ صحیح بخاری کا نام کیا ہے؟ بس اجتہاد کا نشہ ہرن ہو گیا، کسی نے خوب کہا ہے ۵

الف کو کیل جانیں سب بچارے مگر دعویٰ ہے سب کا اجتہادی

فاتحہ خلف الامام سے متعلق اہلحدیث کے مسلسل غوغار کے باوجود میں نے اپنی عمر کے ستاون سال مکمل سکوت اور صبر کے ساتھ گزارے ہیں، ہمارے اکابر کی یہی شان ہی ہے مگر اب اہلحدیث نے اس سکوت سے فائدہ اٹھا کر یہ غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ احناف کے پاس کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہو یہ پروپیگنڈہ اس قدر تیز کر دیا گیا ہے اور عوام سے ایسی حدیث کا مطالبہ اتنی شدت سے کیا جانے لگا ہے کہ عامۃ المسلمین کا ناک میں دم کر دیا ہے عوام پریشان ہو کر مجھ سے دریافت کر رہے ہیں میں کس کس کو جواب دوں؟ اور خالص علمی تحقیق عوام کے دماغوں میں کس طرح اُتاروں؟ بالآخر بادل خواستہ قلم اُٹھانا ہی پڑا اور یہ طے کیا کہ بالاختصار دلائل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت لکھ دوں آگے ہر شخص اپنے ظرف اور علمی استعداد کے مطابق اس سے منتفع ہو سکتا ہے۔ کم از کم کسی کو یہ کہنے کا موقع تو نہیں ملے گا کہ احناف کہ پاس کوئی حدیث نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم اور ہدایت صراط مستقیم عطا فرمائیں اور ہر قسم کے فتنوں



سے اپنی حفاظت میں رکھیں، آمین  
عمل بالحدیث کی آڑ میں قرآن سے انحراف :

اہل حدیث عمل بالحدیث کے مدعی ہیں مگر قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مجتہد صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا ترک فاتحہ خلف الامام کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے قرآن میں ممانعت آئی ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ حدیث تو کوئی نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں نے ان صاحب کے جواب میں حدیث کی بجائے قرآن کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہ مقدم ہے مگر اس پر سخت تعجب ہوا کہ وہ قرآنی ارشاد کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کے مقابلہ میں حدیث ہی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس احناف کا اصول یہ ہے کہ وہ پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اس کے بعد احادیث پر نظر فرماتے ہیں جو حدیث قرآن کریم کے مطابق ہو اس کو لے لیتے ہیں اور جو بظاہر قرآن سے متعارض نظر آئے اس کا کوئی ایسا مفہوم تلاش کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو دیکھئے قرآن کریم میں ارشاد ہے وَلَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ آمین صاف حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو تم اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بالاتفاق قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب احادیث کو لیجئے کسی حدیث میں یہ حکم نہیں کہ امام کے ساتھ پڑھا کرو، ارشاد ہے اِنَّمَا جَعَلَ الْاِمَامَ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلَفُوا عَلَيْهِ فَادْرِكْ فَارْكَعُوا وَاِذَا قَالِ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدْ وَ- دوسری حدیث میں ہے لِيُؤْمَمَ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرْ وَاِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ ۝ اس میں امام کے ساتھ سب افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر وَاِذَا قَرَأَ فَاقْرَءْ وَانْصِتْ فرمایا بلکہ وَاِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا فرما کر امام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی اس لئے کہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے علاوہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ دوسری احادیث کے ایسے معانی بیان فرمائے جن سے تضاد نہ رہے۔

اسی طرح آمین کے مسئلہ میں احناف نے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرمایا تو یہ ارشاد ملا، اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطار رحمہ اللہ تعالیٰ



کا قول نقل فرمایا ہے کہ ”آمین دعا ہے“ اور قرآن کریم نے دعا کے اخفاء کا حکم دیا ہے۔ پس قرآن سے ثابت ہو گیا کہ آمین آہستہ کہی جائے اسلئے احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی جس میں آمین کا اخفاء مذکور ہے اور دوسری احادیث کو اس سے منطبق کیا۔

رفع یدین سے متعلق بھی قرآن کریم میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع اور سکون کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے **وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ** — **قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ** ۵ اب احادیث ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **مَا لَكُمْ اذْ نَابَ خَيْلُ شَمْسٍ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ**، یعنی یہ کیا حرکت ہے کہ نماز میں اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے مست گھوڑے دم مارتے ہیں، نماز میں سکون سے رہو، کیسی زبردست تنبیہ ہے۔ بوقت سلام نماز ختم ہو رہی ہے جب اس وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے تو نماز کے اندر بوقت رکوع رفع یدین کیونکر مناسب ہوگا؟ البتہ تکبیر تحریم چونکہ نماز میں داخل نہیں اس لئے اس وقت رفع یدین نماز میں حکم سکون کے خلاف نہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں بھی حکم قرآنی کے پیش نظر احناف نے ترک رفع یدین کی روایات کو ترجیح دی۔ اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کر لیا جائے کہ احناف سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرماتے ہیں پھر احادیث میں سے اس کو ترجیح دیتے ہیں جو نص قرآنی کے مطابق ہو۔

### صحت حدیث کا معیار :

اہل حدیث یہ الزام لگاتے ہیں کہ احناف بعض مسائل میں صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ قابل غور یہ امر ہے کہ صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟ اہل حدیث تقلید کو ناجائز اور حرام بتانے کے باوجود اس باب میں ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ جس حدیث کو امام بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ صحیح کہہ دیں وہ صحیح ہے۔ اگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید جائز بلکہ ضروری ہے کہ بدوں اسکے کسی حدیث کی تصحیح نہیں کی جاسکتی تو ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کی صحت و سقم پر کھنے کے جو اصول تحریر فرمائے ہیں وہ اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائے ہیں، ان پر کوئی وحی نہیں نازل ہوئی۔ اسی طرح ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تصحیح حدیث کے کچھ اصول مقرر ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں جن میں سے



مندرجہ ذیل دو اصول خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

- ① جو حدیث کتاب اللہ یا سنت مشہورہ سے زیادہ قریب ہوگی وہ راجح ہوگی۔
  - ② حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات تفقہ میں معروف ہیں ان کی روایت غیر فقیہ کی روایت پر راجح ہوگی۔
- اس ضروری توضیح کے بعد اب اصل مسئلہ قراءۃ الفاتحہ خلف الامام کی ممانعت سے متعلق دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

### نصوص قرآنیہ :

- ① وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۖ
- اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نزول وحی کے وقت خود ساتھ نہ پڑھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو خاموشی سے سُننا اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں تفکر و تدبیر شرعاً مأمور بہ ہے۔

- ② لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ بَصِيرٌ ۚ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاقْبَلْهُ قُرْآنَهُ ۚ
- اس آیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرمایا گیا حالانکہ یہاں حفظ قرآن کی غرض سے ساتھ پڑھنے کی ضرورت بھی تھی معنہ اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کا ذمہ خود لیکر خاموشی اور توجہ سے سُننے کا حکم فرمایا، اس سے قرآن کریم کے اس ادب کی کتنی سخت تاکید ثابت ہوتی ہے کہ قاری کے ساتھ خود پڑھنے کی بجائے اس کی قرات کو خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سُننا جائے پھر لا تقرأ کی بجائے لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ فرما کر مکمل سکوت کی مزید تاکید فرمادی کہ زبان تک نہ ہلنے پائے، اس کے بعد تاکید در تاکید کے لئے مکرر فرماتے ہیں فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاقْبَلْهُ قُرْآنَهُ، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں فاستمع له وانصت (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱، طیبی ص ۳۳) اتباع کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے متبوع کرے اسی طرح تابع کرے، دوسرے خاموشی سے سُننا، آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قرات میں اتباع کے معنی ساتھ پڑھنے کے نہیں بلکہ خاموشی سے سُننا ہے، کیونکہ ساتھ پڑھنے سے تو منع کیا جا رہا ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسکی تفسیر ”فاستمع له وانصت“ سے فرمائی ہے

ہم آگے ایک حدیث پیش کریں گے۔ انا جعل الامام لیؤتم بہ الخ اتمام کے معنی ہیں



اتباع، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں قال البيضاوی وغيره الثبوت الاقتداء والاتباع ای جعل الامام اماماً ليقتدى به ويتبع (فتح الباری ص ۱۹۹ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی نہ بھی ہوتی تو بھی اس سے فاتحہ خلف الامام سے مانعت ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ رکوع اور سجدہ وغیرہ میں اتباع امام کے معنی یہ ہیں کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ یہ ارکان ادا کرے اور قرارت میں اتباع کے معنی یہ ہیں کہ خاموشی سے سنے کما مر،

③ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۴ - ۲۰) یہ آیت نماز میں سورہ فاتحہ سے متعلق نازل ہوئی ہے جس میں واضح ہدایت ہے کہ جب امام قرارت کر رہا ہو اس وقت مقتدیوں پر فرض ہے کہ امام کی قرارت کو سنیں اور خاموش رہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے چند حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) علامہ جمال الدین زلیعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قد اخرج البيهقي عن احمد رحمہ اللہ

تعالى قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (زلیعی ص ۲۳۲ ج ۱)

(۲) قال العلامة موقوف الدين بن قدامة في المغنى قال احمد رحمه الله تعالى

الناس على ان هذا في الصلوة (الى قوله) وقال احمد في رواية ابى داود اجمع

الناس على ان هذه الآية في الصلوة (مغنى ص ۶۵ ج ۱)

(۳) قال العلامة شمس الدين بن قدامة قال احمد رحمه الله تعالى في رواية

ابى داود اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (شرح المقنع الكبير ص ۲ ج ۲)

(۴) قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى واخرج البيهقي عن الامام احمد رحمه الله

تعالى قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (فتح القدير ص ۲۲ ج ۱)

(۵) قال العلامة العلى القارى رحمه الله تعالى روى البيهقي عن احمد بن حنبل رحمه

تعالى انه قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (شرح لقاية ص ۵ ج ۱)

(۶) غير مقلدین کے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں وذكر احمد بن حنبل رحمه

تعالى الاجماع على انها نزلت في الصلوة وذكر الاجماع على انها لا تجب القراءة على

المأموم حال الجهر (فتاوى ابن تيمية ص ۱۳۳ ج ۲)



وقال ايضاً وقول لجهور هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون قال احمد رحمه الله تعالى اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۲ ج ۲)

(۷) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد پشاوری اپنی کتاب "اعلام الاعلام في القراءة خلف الامام" میں لکھتے ہیں، والا صحیح کو تھا فی الصلوة لما روی البيهقي عن الامام احمد قال اجمعوا على انها في الصلوة (اعلام الاعلام ص ۱۹)

مذکورہ عبارت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیہقی کی روایت اجماع کو غیر مقلد عالم نے بھی تسلیم کر لیا ہے، لہذا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "مجھے امام بیہقی کی معرفۃ السنن والاشار اور کتاب القراءة میں یہ قول نہیں ملا۔" بیہقی کی روایت کو دیکھنے والی ایک جماعت ہے جن میں غیر مقلد اور غیر مقلدین کے امام بھی ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر مبارکپوری صاحب کو یہ روایت نظر نہیں آئی تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ ۵

واذا لم تر الھلال فسلم لا ناس رآہ بالابصار

عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، پھر یہ منطق بھی کیا عجوبہ ہے کہ بیہقی کی صرف دو کتابیں دیکھ کر فیصلہ سنا دیا کہ بیہقی نے یہ روایت نہیں کی، یہ استدلال کی کونسی قسم ہے کہ جو چیز دو کتابوں میں نہیں وہ بیہقی کی کسی کتاب میں بھی نہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل میں بیہقی متفق نہیں بلکہ موفق الدین ابن قدامہ شمس الدین ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی نقل ہیں کما مر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قول اجماع منقول ہے، ونصہ لا خلاف انہ نزل فی هذا المعنى دون غيره (اوجز المسالك ص ۱۳ ج ۱)

ثبوت اجماع کے بعد اس آیت کے شان نزول سے متعلق مزید کسی روایت کی ضرورت نہیں، معہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین ومن بعدہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشاد ملاحظہ ہوں

① صلی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمع اناساً یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفہموا اما ان لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن جریر ۹ ج ۱)

② قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القراءة خلف الامام انصت للقرآن کما امرت فان فی القراءة لشغلا وسيکفیک ذلك الامام (کتاب القراءة للبیہقی ص ۷۳)

③ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قوله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا



لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوۃ المفروضۃ (کتاب القراءة للبیہقی ص ۷)

(۴) قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما المؤمن فی سعة من الاستماع الیہ الا فی صلوۃ مفروضۃ او مکتوبۃ او یوم جمعۃ او یوم فطر او یوم اضحیٰ یعنی واذا قرئ القرآن الیہ (کتاب القراءة ص ۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں، یہاں ہر ایک سے صرف دو دو روایتیں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلی روایت میں ایک راوی محارب بن ہشام کے بارے میں ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ انکا نام عبدالرحمن بن محمد بن زیاد ہے جو انتہائی درجہ کے ضعیف ہیں۔

مگر ان صاحب کے یہ دونوں دعوے غلط ہیں اس سند میں عبدالرحمن بن محمد بن زیاد المحارب بن ہشام بلکہ یحییٰ بن یعلیٰ المحارب بن ہشام جو بالاتفاق ثقہ ہیں ان پر کسی نے بھی جرح نہیں کی، امام ابو حاتم اور حافظ ابن حبان نے انکی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۱)

عبدالرحمن بن محمد بن زیاد المحارب بن ہشام کو انتہائی ضعیف قرار دینا بھی غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کے بارے میں اگرچہ مضطرب، کثیر الغلط، یھود وغیرہ الفاظ بعض نے کہے ہیں مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام ابن معین، نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابن سعد، ابن شاہین، بزار اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، عثمان بن ابی شیبہ اور ساجی نے صدق کہا ہے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ طویل احادیث کے بڑے حافظ تھے، عجللی نے (لباس) فرمایا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۶ ج ۶)

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کانام بشیر بن جابر لکھا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے، مسند احمد بن حنبل ص ۳۸۲، مسند طحاوی ص ۱۵ اور صحیح مسلم ص ۳۹ ج ۲ میں ایک دوسری روایت کی سند میں یسیر بن جابر اور یہی صحیح ہے (نوی ص ۳۹ ج ۲، تجرید اسماء الصحابة للذہبی ص ۱۵۳، استیعاب ص ۱ ج ۱ و ص ۱۵۸ ج ۲)

یسیر بن جابر کی حافظ ابن حبان، ابن سعد اور امام عجللی نے توثیق کی ہے اور عموم بن شیبہ ان کو صحابی قرار دیتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۹ ج ۱۱) حافظ ابن عبدالبر نے بھی انکو صحابی کہا ہے (استیعاب ص ۱ ج ۱ و ص ۱۵۸ ج ۲)



دوسری حدیث کے ایک راوی عبد الوہاب ثقفی کے حافظہ میں آخر عمر میں کچھ فتور آگیا تھا لیکن اس زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی (میزان الاعتدال ص ۱۶ ج ۲) تیسری حدیث کے ایک راوی عبد اللہ بن صالح کو ابن عدی نے مستقیم الحدیث قرار دینے کے باوجود لکھا ہے کہ یہ عمدًا جھوٹ نہیں بولتے مگر سند اور متن میں غلطی کر جاتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۵۶ ج ۵)

ابن عدی کی یہ جرح جمہور ائمہ حدیث کی تعدیل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی، امام ابن معین، ابو حاتم، ابن حبان، عبد الملک بن شعیب، ابو زرہ، یعقوب بن سفیان اور مسلمہ ابن قاسم انکی توثیق فرما رہے ہیں۔ ابو ہارون انخری بی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو صالح سے زیادہ اثبت کوئی نہیں دیکھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الادب المفرد اور جزر القارة وغیرہ میں بھی ان سے تخریج کی ہے، امام حاکم اور ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے ان کی سند کو صحیح، قوی اور جید قرار دیا ہے۔

ابن القطان فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں ان پر کوئی ایسا الزام نہیں ثابت ہو سکا جسکی بنا پر انکی روایت کو غیر معتبر کہا جاسکے، البتہ یہ مختلف فیہ ہیں انکی حدیث حسن ہے۔

ان کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن نبیح ایک شریر شخص تھا جو آپکا پڑوسی تھا اسنے بلا وجہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، (تہذیب التہذیب ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۵،

تذکرہ ص ۳۵۶ ج ۱، مستدرک ص ۱۹۹ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۳)

اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن ابی طلحہ پر دو اعتراض کئے گئے ہیں ایک یہ کہ انکے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اشياء منکرات (میزان ص ۲۲۸ ج ۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع حاصل نہیں اسلئے یہ روایت منقطع ہے۔

اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ لہ اشياء منکرات کا یہ مطلب نہیں کہ انکی روایت میں کوئی امر قاذح ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں یہ خرابی تھی کہ یہ خلیفہ کے مقابلہ میں خروج جائز سمجھتے تھے ولکن لہ رأى سوء یرى السیف میں اس کی تصریح ہے۔ وقالہ لحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ونقل البخاری من تفسیرہ رواية معاوية بن سالم عنه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیئا کثیرا فی التراجم وغیرھا ولکنہ لا یسمیہ یقول قال ابن عباس



اوید کر عن ابن عباس وقد وقفت على السبب الذي قال فيه ابو داود يرمى السيوف  
(تہذیب التہذیب ص ۳۲ ج ۱) امام نسائی، امام ابو داود، ابن حبان اور محدث عجلی نے انکی  
توثیق فرمائی ہے (میزان ص ۲۲۸ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳۳۹ ج ۱) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ  
نے ان سے روایت کی ہے (صحیح مسلم ص ۲۶۵ ج ۱)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
کے درمیان مجاہد بن جبیر اور سعید بن جبیر کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اس لئے یہ سند  
بلاشبہ صحیح ہے (میزان الاعتدال ص ۲۲۸ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳۳۹ ج ۱، فتح الباری ص ۳۳۲،  
تفسیر اتقان ص ۱۸۸ ج ۱)

امام جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علی بن ابی طلحہ کے اسی تفسیری صحیفہ  
سے نقل کیا ہے (اتقان ص ۱۸۸ ج ۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں اور امام ابن جریر،  
ابن ابی حاتم اور ابن المنذر وغیرہ بھی تفاسیر میں اسی صحیفہ سے نقل فرماتے ہیں (فتح الباری ص ۳۳۲)  
غیر مقلدین کے امام ثواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں، امار روایت از  
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطریق مختلفہ آمدہ اجود آہنا طریق معاویہ بن صالح از علی بن  
ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما است، بخاری در صحیح خود اعتماد بر ہمیں طریق کردہ  
پس بس (اکسیر فی صولہ التفسیر ص ۱۸۸)

چوتھی حدیث کے راوی مسکین بن بکیر الحمرانی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام احمد اور ابو احمد  
نے ان کو وہمی اور کثیر الخطا کہا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ انکا وہم وخطا صرف سعید بن عبد العزیز  
سے روایت کے ساتھ خاص ہے۔ خود ابو احمد نے تصریح فرمائی ہے، ومن این کان مسکین  
یضبط عن سعید (تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۱) غیر سعید سے ان کی روایت میں کوئی وہم  
نہیں چنانچہ امام احمد، ابن معین، ابن حبان، ابن عمار اور ابو حاتم نے انکی توثیق فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی  
اور بھی کئی روایات ہیں علاوہ ازیں اسی قسم کی روایات حضرت ابو ہریرہ و عبد اللہ بن مغفل  
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہیں۔

تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام :

حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابی کی



تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (مستدرک ص ۱۳ ج ۱) امام حاکم کی اپنی تحقیق بھی یہی ہے (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲) اکثر علماء تفسیر صحابی کو بحکم مرفوع قرار دیتے ہیں (البلائیۃ والنهائیۃ ص ۲۳) علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تفسیر صحابی مرفوع ہے (تدریب الراوی ص ۶۵) علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو اسکا کسی آیت کا شان نزول بتانا بحکم مرفوع ہے (توجیہ النظر ص ۱۶۵) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں وکذا حکم اقوالہم فی التفسیر فانہا اصوب من اقوال من بعدہم وقد ذهب بعض اہل العلم الی ان تفسیرہم فی حکم المرفوع (الجنة فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنة ص ۹۶) و قال الحافظ ابن قیم تفسیر الصحابی حجة (زاد المعاد)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تفسیر میں بہت بلند مقام ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلمین قرآن میں سے اول درجہ عطا فرمایا ہے (صحیح بخاری ص ۵۳ ج ۱، مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) اور فرمایا کہ ابن مسعود کی تحقیق اور عہد کو مضبوطی سے قائم رکھو (استیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن مسعود علم کا انبار تھے۔ (استیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا انبار ہیں اور آپ کو تعلیم قرآن کے لئے اہل کوفہ کی طرف بھیجا (بغدادی ص ۱۲۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا ابن مسعود سے کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن مسعود ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کسی وقت حجاب نہیں فرماتے تھے (صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جسکا شان نزول کا مجھے علم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ نیز فرمایا کہ سب صحابہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کتاب اللہ کا ان سب سے بڑا عالم ہوں (صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۲، صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلق راشدین سے بھی



کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (مسلم ص ۲۹۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، مگر یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کل ما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ان المعوذتین وام القرآن لم یكونا فی مصحفہ فکذب موضوع لا یصح (محلی ص ۱۳ ج ۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل لیس بصحیح (اتقان ص ۹ ج ۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح المہذب میں یہی فرمایا ہے۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ یہ ابن مسعود پر افتراء ہے اور وہ اس سے بالکل بری ہیں (طبقات ص ۲ ج ۲)

فن تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد دوسرا درجہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت بھی تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے (صحیح بخاری ص ۴۳ ج ۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ان کو دین کا فہم اور قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد ص ۳۲ ج ۱) قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۲۴۶ ج ۹) وصحہ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹ ج ۸) وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابن عباس اعلم الناس بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۸ ج ۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ دین کے امام، علم کا سمندر اور بہت بڑے عالم تھے (تذکرہ ص ۳۱ ج ۱) اس کے بعد ہم آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا للہ وانصتوا کے شان نزول سے متعلق بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات نقل کرتے ہیں۔ تفسیر قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے، جمہور ائمہ کے ہاں تابعین کی تفسیر حجت ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱ ج ۱) نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں وھکذا التفسیر للتابعی حجة (الجنة فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنة ص ۹۶)

مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ :

تفسیر میں تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بالخصوص حضرت مجاہد بن جبر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقام بہت بلند ہے، امام ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت اور جلالت شان متفق علیہ خصیصہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے (تہذیب الاسماء ص ۱۱ ج ۱)



حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ مفسرین میں سے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۲ ج ۹) نیز فرماتے ہیں کہ مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ فن تفسیر کے مسلم امام ہیں، سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس مجاہد کی تفسیر پہنچ جائے تو پھر کسی اور کی حاجت باقی نہیں رہتی، مجاہد کے بعد سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک ابن مزاحم وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۱ ج ۱) نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں ابن تیمیہ گفتہ اعلم الناس بالتفسیر اہل مکہ کمجاہد، آگے ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کی تفسیر پر کلتی اعتماد کیا ہے (الاکسیر فی اصول التفسیر ص ۱۱)

اب مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات ملاحظہ ہوں

⑤ ابن ابی نجیح حضرت مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فنزل واذا قرئ القرآن الاۃ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۷)

⑥ ابو ہاشم سمعیل بن کثیر المکی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا له قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۷)

⑦ حمید اعرج حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا له قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۷)

ہم مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ آپ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ اور بھی متعدد روایات اس مضمون کی ہیں۔

امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۷ میں فرماتے ہیں کہ مجاہد کی یہ روایت منقطع ہے مگر ابو زرہ ابو حاتم اور دارقطنی جیسے مشہور ائمہ حدیث منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ قال لعلاء الجزائری رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث ابو زرۃ و ابو حاتم و الدارقطنی (توجیہ النظر ص ۲۲۳)

سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ : امام شافعی کو دوسرے تابعین کی مراسیل کی حجیت



میں کلام ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مراسیل کی طرح سعید بن المسیب کے مرسل کو وہ ہجرت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص ۱۲) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ آپ کے مراسیل صحیح ترین ہیں (تدریب الراوی ص ۱۳) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے تمام مراسیل صحیح ہیں (تذکرہ ص ۵۱) قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات (تدریب الراوی ص ۱۳) حاکم فرماتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح ترین مراسیل آپ کے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۵) امام بیہقی آپ کے مراسیل کو اصح المراسیل قرار دیتے ہیں (السنن الکبریٰ ص ۴۲ ج ۱) علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیب کا ہے (توجیہ النظر ص ۱۶) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے، علمی فضیلت اور وہ تمام اعمال خیر میں اپنے سب معاصرین سے ممتاز تھے اور آپ کے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار تھے (تہذیب الاسماء ص ۲۲ ج ۱) حافظ ذہبی آپ کو اجلہ تابعین میں شمار کرتے ہیں (تذکرہ ص ۲۵ ج ۱) ابن حمار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ میں حدیث، فقہ، زہد، ورع، عبادات اور جملہ علمی و عملی کمالات جمع تھے (شذرات الذهب ص ۱ ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ علی الاطلاق سید التابعین تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کو احد المتقین فرماتے تھے (البداية والنهاية ص ۹۹ ج ۹) امام یحییٰ بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ آپ سے جب کسی آیت کی تفسیر دریافت کی جاتی تھی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تفسیر قرآن میں رائے کو دخل نہیں دیتے بلکہ صرف وہی کہہ سکتے ہیں جسکا ہمیں علم ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۱ ج ۱) آپ کی روایت درج ذیل ہے۔

⑧ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال في الصلوة (کتاب القراءة ص ۵۵) اس روایت کی سند میں حماد بن سلمہ ہیں، ان کو علامہ ذہبی الامام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام جیسے القاب دے رہے ہیں (تذکرہ ص ۱۸ ج ۱) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہو فاقمہ علی الاسلام، یعنی اسکو منافق سمجھو (تذکرہ ص ۱۹ ج ۱) امام ابن معین سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں (تہذیب لہذیب ص ۲۲) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں گویم حماد بن سلمہ امام ست تفردش مادام کہ در موش مانع از اصول نبود مضر نیست (بدور الاہلہ ص ۳۳) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی تغیر



اگیا تھا (تقریب ص ۱) مگر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ثقہ رواۃ کی روایات کو معمولی نسیان کی وجہ سے رد کرنا صحیح نہیں، تفصیل کے لئے فتح المغیث ص ۱۱ ملاحظہ ہو۔ لسان المیزان ص ۱ ج ۱، میزان الاعتدال ص ۲ ج ۲، ص ۲۵ ج ۲، اور بغدادی ص ۱۲ ج ۱۴ میں بھی وہم فلیل اور تغیر لیسیر کی وجہ سے ثقات پر اعتراض کرنے والوں پر سخت تردید اور شدید نیکر کی گئی ہے۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں اسلئے انکا عنعنہ قبول نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے غیر مضر قرار دیا ہے۔ علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ سے ایسے مدلسین کی فہرست نقل فرماتے ہیں جنکی تدلیس صحت روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی منہم کان جلة اصحابہ

لحدیث وائمة المسلمین کالحسن البصری وابی اسحق السبیعی و قتادة بن دعامة وعمر بن دینار وسليمان الاعمش وابی الزبیر وسفيان الثوری وسفيان بن عیینة (توجیه النظر ص ۲۵) امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن مدلسین کی تدلیس مضر نہیں ان میں سے ابوسفیان طلحة بن نافع اور قتادہ بن دعامة بالخصوص قابل ذکر ہیں (معرفة علوم الحديث ص ۱۰۳) صحیحین میں قتادہ کی روایات عنعنہ کے ساتھ بہت کثرت سے ہیں ان کو صحیحین کی خصوصیت نہیں کہا جاسکتا اسلئے امام حاکم اور ابن حزم کا مذکورہ فیصلہ عام معرفۃ علوم الحديث ص ۱۱ میں سلیمان شاذکونی کا قول منقول ہے کہ اعمش اور قتادہ کی صرف یہی روایات معتبر ہیں جن میں سماع کی تصریح ہو، مگر ذرا لسان المیزان ص ۸ ج ۳ میں خود سلیمان شاذکونی کا تانا بانا بھی دیکھ لیں ائمہ حدیث نے اس کو یہ القاب دئے ہوئے کذاب، اضع احادیث، شرابی، یہودہ، نامراد، عدو اللہ، خبیث، لونڈے بازی سے متہم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب طبقات المدلسین میں قتادہ کو مدلسین کے سرے طبقہ میں شمار کیا ہے جن کا عنعنہ قبول نہیں مگر خود حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں قتادہ کی منعن روایات کو صحیح قرار دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۲ ج ۲ ملاحظہ ہو اور خود حافظ کا فیصلہ ہے کہ انکی نظر میں فتح الباری کی تحقیق زیادہ رائج اور قابل اعتماد ہے، طبقات المدلسین آپ کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے اور اس زمانہ کی تصانیف پر آپ خود مطمئن نہیں، بنا چہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں ونقل عنہ انہ قال لست راضیا عن شیء من تصانیفی فی عملتها فی ابتداء الامر ثم لم یتھیأ لی من یجرها معی سوی شرح البخاری و



مقدمتہ والمشتبہ والتہذیب ولسان المیزان وروی عنہ فی موضع آخر انہ اثنی علی شرح البخاری والتعلیق والنخبۃ (البدار الطالع ص ۸۹ طبع ۱۳۲۸ھ) اس سے ثابت ہوا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات المدلسین میں قتادہ کے عنعنہ کے بارے میں جو لکھا ہے بعد میں اس سے رجوع فرمایا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ :

⑨ منصور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوۃ (کتب القراءۃ ص ۷۷)  
امام المحدثین علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل جنکو ثقہ راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں (تدریب الراوی ص ۱۲۳)

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جامع کمالات، عالم، بلند مرتبہ، رفیع المنزلہ، فقیہ، مأمون، عابد، زاہد، وسیع العلم، فصیح، بلیغ اور حسین و جمیل تھے (طبقات ابن سعد ج ۱۱)  
علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا سمندر، فقیہ النفس، کبیر الشان، عظیم النظیر اور بلیغ التذکر تھے (تذکرہ ص ۶۲ ج ۱) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ص ۱۶ ج ۱) ابوبکر الہندی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک ایک سورت کی تفسیر اور اسکے شان نزول وغیرہ کا پورا علم حاصل نہ کر لیتے تھے اس وقت تک وہ آگے نہ بڑھتے تھے۔ (شذرات ص ۱۳ ج ۱) آپ فقہ کے بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے، (طبقات سعد ص ۱۱۸ قسم اول)  
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو الامام الفقیہ المشہور احد التابعین الکبیر الاجلاء لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ علم و عمل اور اخلاص میں یکتا تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۶۹ ج ۹)  
نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں حسن بصری و محمد بن القرظی و ابو العالیۃ الریاحی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ابن ہما قدما مفسرین مذو غالب اقوال ایشان متلفی از صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بودہ است (اکسیر ص ۱۱)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ :

⑩ یونس امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں قال لا یقرأ من وراء الامام فیما یجہر بہ الامام یکفیم قراءۃ الامام وان لم یسمعہم صوتہ ولكن یقرؤن فیما لا یجہر بہ



سرافی انفسہم ولا یصلح لاحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جہر بہ سراً ولا علانیۃ قال اللہ  
 واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (کتاب القراءۃ ص ۵۷) سری نمازوں  
 میں قرأت خلف الامام کا حکم آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں صرف یہ مقصود ہے کہ امام  
 زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی واذ قرئ القرآن الایۃ کا شان نزول نماز میں قرأت بیان فرماتے ہیں،  
 امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زہری حدیث، تفسیر اور رجال کی توثیق میں  
 امام ہیں (الرسالۃ للامام الشافعی ص ۶۷) حافظ ابن کثیر آپ کے بارے میں فرماتے ہیں احد  
 الاعلام من ائمة الاسلام، تابعی جلیل واعلم الناس (البدایۃ والنہایۃ ص ۹۳۲)  
 امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کا جامع و مرتب  
 اور کوئی نہ تھا (کتاب القراءۃ ص ۵۷) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم  
 زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا، (تذکرہ ص ۹۹ ج ۱) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ  
 فرمایا کرتے تھے کہ اب زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا (تذکرہ ص ۹۹ ج ۱)  
 عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ میں نے حدیث میں کسی کو آپ سے زیادہ النص نہیں دیکھا (تہذیب  
 التہذیب ص ۴۸ ج ۹) ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم آپ کے سینہ میں  
 محفوظ تھا (وفیات الاعیان ص ۲۵ ج ۱) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں آپ اپنے وقت میں سنت  
 اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے، (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۵ ج ۲)

ابوالعالیۃ الریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ :

① مہاجر ابوالعالیہ ریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 اذا صلی قرأ فقراً اصحابہ فنزلت فاستمعوا لہ الایۃ فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم (کتاب القراءۃ ص ۷۲)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابوالعالیہ ریاحی کبار تابعین میں سے تھے، ابوالقاسم  
 طبری فرماتے ہیں کہ آپ کی توثیق پر سب متفق ہیں (تہذیب الاسماء ص ۲۵ ج ۱) ابوبکر بن داؤد  
 فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہ تھا  
 (تذکرہ ص ۵۸ ج ۱) ابن سعد آپ کو کثیر الحدیث فرماتے ہیں (طبقات ابن سعد ص ۵۷ ج ۷)  
 خود امام بیہقی تہذیبہ فی الصلوۃ والی حدیث کے سوا آپ کی باقی تمام احادیث کو صحیح تسلیم  
 کرتے ہیں (السنن الکبریٰ ص ۱۲ ج ۱) امام عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں



سے ہیں، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث ضحک فی الصلوٰۃ کے سوا آپکی تمام احادیث درست ہیں، (تہذیب التہذیب ص ۲۸۵ ج ۳) مولیٰ طاش کبریٰ زادہ فرماتے ہیں کہ آپ کبار تابعین میں سے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور آپ نے حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن کریم پڑھا ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین بار قرآن کریم سنایا تھا (مفتاح السعادة ص ۳۶۳، تہذیب التہذیب ص ۲۸۴) قال الذہبی اما اذا اسند ابو العالیۃ فحجة (میزان ص ۳۲ ج ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ کا مرسل حجت نہیں مگر جمہور محدثین نے ذہبی کے اس قول کو قبول نہیں کیا اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو نقل نہیں فرمایا۔

**عبید بن عمیر و عطار بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ :**

(۱۲) طلحہ بن عبید اللہ بن کریر : عبید بن عمیر اور عطار بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انما ذلک فی الصلوٰۃ یعنی واذا قرعۃ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الایۃ تفسیر ابن جریر ص ۱۱ ج ۹، تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عبد بن عمیر عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ ص ۴۸ ج ۱) ابن معین، ابو زرہ اور ابن حبان آپ کو ثقہ لکھتے ہیں، عجل فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے (تہذیب التہذیب ص ۶ ج ۶)

عطار بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کو ذہبی مفتی اہل مکہ، محدث، القدوہ اور العلم لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۹۲ ج ۱) ابن حبان فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، ورع اور فضل میں تابعین کے سردار ہیں حافظ ابن حجر آپ کو ثبت، جہ، امام اور کبیر الشان لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲ ج ۴) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کبار، ثقات اور بلند پایہ تابعین میں سے تھے، دو سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ، فقیہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے (البلائیۃ والنهایۃ ص ۳ ج ۹)

**محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ :**



(۱۳) ابو معشر محمد بن کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرات فرماتے تو آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ کے ساتھ قرات کرتے تھے اس پر سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا للآیۃ نازل ہوئی (کتاب القراءۃ ص ۷)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ علم وفقہ میں مدینہ منورہ کے فاضل ترین علماء میں سے تھے (تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۹) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ تابعین میں سے تھے (تہذیب الاسماء ص ۹ ج ۱ قسم اول) حافظ عجبی آپ کو ثقہ، صالح اور عالم قرآن فرماتے ہیں، ابن سعد آپ کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲ ج ۶، تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۹) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ مفسر قرآن تھے (دولۃ الاسلام ص ۵۱ ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر قرآن کے عالم، صالح اور عابد تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۵ ج ۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا، فن تفسیر میں اسکی نظیر نہوگی، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پیشگوئی محمد بن کعب القرظی کے بارے میں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲ ج ۶) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم جیسا مفسر قرآن اور کوئی نہ تھا (تحفۃ الاحوذی ص ۲۱ ج ۱)

مبارکپوری صاحب نے روایت مذکورہ کے ایک راوی ابو معشر کی بعض محدثین سے تضعیف نقل کی ہے مگر امام احمد، ابن معین اور ابو زرہ جیسے جلیل القدر ائمہ نے آپ کی توثیق فرمائی ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ آپ سے بڑے بڑے ثقات نے روایت کی ہے، (میزان الاعتدال ص ۲۲۹ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱۰) امام نعیم آپ کو کیس اور حافظ فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱۰) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا ظرف تھے اور امام نسائی نے آپ سے احتجاج کیا ہے (تذکرہ ص ۲۱۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۱۹ ج ۱)

علاوہ ازیں جن محدثین نے آپکو ضعیف کہا ہے وہ بھی صرف روایت حدیث میں تضعیف کرتے ہیں۔ فن تفسیر میں آپ بالاتفاق مسلم امام تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل،



محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس وغیرہم ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابو معشر کی تفسیر سے متعلق روایات بالخصوص وہ روایات جو محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہیں بلاچون وچرا صحیح اور معتبر ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۱۲) آپ کی روایت مذکورہ تفسیر کے بارے میں ہے اور محمد بن کعب سے ہے، اسلئے بالاتفاق صحیح اور معتبر ہے، اسی طرح آپ سے تاریخ کی روایت بھی بالاتفاق حجت ہے، امام خلیلی فرماتے ہیں وتاریخہ احتج بہ الأئمة وصنفوه فی الحدیث (تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱۰) جیسے محمد ابن اسحق کہ صرف احکام سے متعلق احادیث میں ضعیف ہیں مگر مغازی کے امام ہیں،  
حجتہ المرسل :

آیت کریمہ کے شأن نزول سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو روایات اوپر نقل کی گئی ہیں یہ انکا اپنا خیال نہیں بلکہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی انکی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شأن نزول بیان فرمایا ہے، تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق اوپر متعدد حوالوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بحکم مرفوع ہے، اسی طرح جمہور امت کے نزدیک تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی بحکم مرفوع ہے اسلئے کہ جمہور محدثین وائمه دین مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ تمام تابعین اور انکے بعد دوسری صدی کے آخر تک تمام ائمہ حدیث بالاجماع جمیت مرسل کے قائل تھے۔ وقال ابن جریر اجمع التابعون باسراہم علی قبول المرسل ولہ یأت عنہم انکارہ ولاعن احد من الائمة بعدہم الی رأس المائتین قال ابن عبد البر کانہ یعنی الشافعی ولہ من ردہ (توجیہ النظر للجزائری ص ۲۴۵، تدریب الراوی للسیوطی ص ۱۲، منیۃ الاملی للعلامة قاسم بن قطلوبغا ص ۲) وقال العلامة الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ والاحتجاج بالمرسل کان سنة متوارثة جرت علیہ الامة فی القرون الفاضلة حتی قال ابن جریر رد المرسل مطلقاً بدعة حدثت فی رأس المائتین اھما ذکرہ الباجی فی اصولہ وابن عبد البر فی التمهید وابن رجب فی شرح علل التردی (تانیب الخطیب ص ۱۵۲) واما المراسیل فقد کان یحتج بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالك والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ (توجیہ النظر ص ۲۴۵) وکذا ذکر النواب صدیق حسن خان فی "الحطۃ فی ذکر الصحیح الستہ ص ۱۰۳"



نیز نواب صاحب فرماتے ہیں اعلال بار سال موجب ترک او نیست زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمع از فحول علماء اصول ست (دلیل لطالب ص ۳۲۵)

حجیت مرسل کا سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے، آپ سے قبل قبول مرسل پر اجماع تھا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مرسل کو حجت قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حجیت مرسل کا قطعاً انکار نہیں فرماتے بلکہ بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی مرسل کو قبول فرماتے ہیں۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یقبل اذا اعتضد بسجیئہ من وجہ آخر یباین الطريق الاولیٰ مسنداً کان او مرسل (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲) بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائے گا (حاشیہ شرح نخبہ)

وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ ومذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واكثر الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان یحتج بہ ومذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضدہ احتج بہ وذلك بان یروی مسنداً او مرسلًا من جهة اخرى او یعمل بہ بعض الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم واکثر العلماء (مقدمة النووی لشرحہ لصحیح مسلم ص ۱۶) امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اذا کان المرسل من وجهین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ اخر فہذا یدل علی صدقہ فان مثل ذلك لا یتصور فی العادة تماثل لخطأ فیہ وتعمد الکذب (منہاج السنۃ ص ۱۱ ج ۴) ایسے مرسل کی حجیت پر امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۱۲۳ میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ص ۱۰ ج ۱ میں اور مبارکپوری نے ابکار المنن ص ۱۳۸ میں اتفاق نقل کیا ہے، نیز مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں، مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (تحقیق الکلام ص ۹ ج ۱) ہم اوپر بحوالہ تدریب الراوی ص ۱۲ تحریر کر چکے ہیں کہ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بہر حال حجت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ کوئی دوسرا مرسل یا مسند اسکا مؤید نہ ہو۔

غرضیکہ آیہ کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے شأن نزول سے متعلق مذکورہ بالا مراسیل امام شافعی اور امام ابن تیمیہ کے شرائط کے مطابق ہیں اور بالاجماع حجت ہیں۔

ائمہ غیر مقلدین :

ائمہ غیر مقلدین بھی اس واضح حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی



جن کی کتاب القراءۃ پر غیر مقلدین کے مسلک کا مدار ہے فرماتے ہیں انا لا ننکر نزول هذه الآية في الصلوة اذ في الصلوة والخطبة كما ذهب اليه من ذكرنا قوله من سلف هذه الامة (جزء القراءۃ ص ۷)

وقال الشوكاني (ان عمومات القرآن والسنة قد دلت على وجوب الانصات والاستماع والتوجه حال قراءة الامام للقرآن (نیل الاوطار ص ۲۲ ج ۲)

وقال ابن تيمية الذين ينهون عن القراءة خلف الامام جمهور السلف والخلف ومعهم الكتاب السنة الصحيحة والذين اوجبوها فخذ يثام صنعته الائمة (تنوع العبادات ص ۷) وقال ايضا وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون قال احمد اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة۔

(فتاویٰ ابن تيمية ص ۱۳۳ ج ۲)

نواب صاحب فرماتے ہیں این آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قرات در حال جہرامام بقرات لقوله فاستمعوا واستماع نمی باشد مگر از برائے قرات مجبور بہانہ برائے قرات مخالفت (دلیل الطالب ص ۲۸)

اب ہم نص قرآنی میں فریق مخالف کی تاویلات رکیکہ بیان کرتے ہیں۔

### ① مبارکپوری کا تعنت :

مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام اور تحفة الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مؤمنین کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر الکبیر جلد ۴ ص ۵۷ میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مؤمنون کو ہوتا تو لعلکم کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجی کے لئے آتا ہے اور مؤمن بہر حال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہے مبارکپوری صاحب کی یہ تحقیق محض تعنت ہے اسلئے کہ ہم اوپر اجماع امت سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ نماز میں قرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

### امام رازی :

اجماع امت کے خلاف امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال معتبر نہیں بالخصوص جبکہ آپ نے اس خیال کی تائید میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی، اگر آپ کوئی روایت نقل



فرماتے تو بھی وہ قابل اعتماد نہوتی اسلئے کہ ائمہ حدیث نے آپ کو عقلیات کا امام تسلیم کر نیچے باوجود تفسیر و حدیث میں آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام رازی عقلیات کے مسلم امام ہیں لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور ہے اسی وجہ سے انکی تفسیر میں رطب و یابس سمجھی کچھ ہے (لسان المیزان ص ۲۲۶ ج ۲)

قال الامام السيوطي رحمه الله تعالى قال ابو حيان في البحر جمع الامام الرازي في تفسيره اشياء كثيرة طويلة (حاجة لها في علم التفسير ولذلك قال بعض العلماء فيه كل شيء الا التفسير والاتقان ص ۱۹ ج ۲) وقال المولى طاش كبرى زاده رحمه الله تعالى قال ابن السبكي في طبقاته الكبرى اعلم ان شيخنا الذهبي ذكر الامام في كتاب الميزان في الضعفاء وهذا امر لا محقق له من وجوه اعلاها انه ثقة جبر من اجل الامة وادناها انه لا رواية له وذكره في الرواة مجرد فضول وتغصب وتحميل تقشعر منه الجلود (الى قوله) عمد الى امام من ائمة المسلمين وادخله في جماعة ليس هو منهم اعنى رواية الحديث فان الامام لا رواية له (مفتاح السعادة ص ۲۲۸ ج ۱)

نواب صاحب فرماتے ہیں، مؤلف وے از علم حدیث بے خبر ست و در علوم کلام و فنون سمیہ امام اہل زمان بعضے از اہل معرفت بعلوم کتاب و سنت گفتہ اند فیہ کل شیء الا التفسیر (اکسیر ص ۱۱) نیز فرماتے ہیں رازی از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص ۱۱)

پھر لفظ "لعل" سے استدلال بھی عجیب ہے، جبکہ شاہی محاورہ میں یقینی وعدہ کے لئے اسکا استعمال معروف ہے۔ قال العلامة عبد الله بن احمد النسفي ولعل للترجي والاطماع ولكنه من كريم فيجري مجرى وعدة المحتوم وفائه وبه قال سيبويه (مدارك التنزيل ص ۱۱) اگر لفظ "لعل" مومنین کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں تو مندرجہ ذیل آیات کا کیا جواب ہوگا؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَاءَلُوا عَلَى أَهْلِهَا  
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۲۴-۲۵)

وَتَوَوُّا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۴-۲۵)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا



لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ (۶۲-۱۰)

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر ہم ان مفسرین کے اقوال تحریر کریں جو اس آیت کا شأن نزول نماز قرار دیتے ہیں تو دفتروں کے دفتر سیاہ ہو جائیں مگر ہم نے شأن نزول سے متعلق صرف روایات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے بدوں روایت اقوال مفسرین ذکر کرنا نہ حاجت اور نہ ہی اتنی طویل فہرست کے نقل کرنے کی فرصت،

(۳) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں اس آیت کا شأن نزول خطبہ ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۵۷ میں لکھا ہے لہذا اس آیت سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے (ابکار المذنب ص ۱۴۵)

یہ بھی امام بیہقی کا اپنا خیال ہے کسی ایک بھی صحیح روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اجماع امت اور صحیح روایات کے مقابلہ میں امام بیہقی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ خود مبارکپوری صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ امام بیہقی اگرچہ ایک مشہور محدث ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق ص ۳۲ ج ۲)

امام بیہقی کا خیال خلاف اجماع اور بلا دلیل ہونے کے علاوہ اس لئے بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق جمعہ سلمہ میں فرض ہوا ہے، بالفرض قول البعض کے مطابق مکہ مکرمہ ہی میں جمعہ کی فرضیت تسلیم بھی کر لی جائے تو اقامت جمعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہوئی ہے مکہ میں کوئی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ وقال الامام البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ الاية فکیة والجمعة وجبت بالمدينة (معالم التنزیل علی هامش تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد صاحب لکھتے ہیں، جو لوگ اس آیت کا شأن نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا حکم مدینہ میں ہوا ہے (اعلام الاعلام ص ۱۸۹)

اس سے عید کا خطبہ بھی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ نماز عید کا حکم بھی مدینہ منورہ میں ہوا ہے (طبری ص ۱۲۸)

اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خطبہ جمعہ یا عید اس آیت کا شأن نزول ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اس کا شأن نزول نہیں کیونکہ اسباب نزول میں تعدد جائز ہے مکہ قالہ لشیخ عبد الرحمن بن الحسن (فتح المجید شرح کتاب التوحید ص ۱۵) مثلاً آیہ کریمہ



ولا تجھم بصلاتی ولا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلاً کاشان نزول صحیح بخاری ص ۶۸۶،  
صحیح مسلم ص ۱۸ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۱ ج ۱، مسند احمد ص ۲۱ ج ۱ اور مسند ابی عوانہ ص ۱۲۲ ج ۲  
میں نماز بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند ابی عوانہ کے انہی مقامات میں اسکا شان نزول  
دعا بیان کیا گیا ہے۔

### فائدہ جلیلہ :

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسے واقعات کو جو کسی حکم  
قرآنی کے تحت داخل ہوتے ہیں، اس آیت کاشان نزول بتا دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل شان  
نزول کچھ اور ہوتا ہے مگر اس واقعہ کو محض شمول فی حکم کی وجہ سے شان نزول کہہ دیا جاتا ہے۔  
مثلاً آج کئی چوری کرے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا یدہما  
اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قال الحافظ السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابن تیمیہ  
قولہم نزلت ہذا الاية فی کذا یراد بہ تارة سبب النزول ویراد بہ تارة ان ذلك داخل  
فی الاية وان لم یکن السبب کما نقول عنی بھذا الاية کذا (المی قولہ) وقال الزکشی فی لہرہا  
وقد عرف من عادة الصحابة والتابعین ان احدهم اذا قال نزلت ہذا الاية فی کذا فانه  
یرید بذلك انها تضمن ہذا الحكم لان ہذا کان السبب فی نزولہا فهو من جنس  
الاستدلال علی الحكم بالایة لا من جنس النقل لما وقع (الاتقان ص ۳ ج ۱) وقال الشاہ  
ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الباب الرابع من الفوز الکبیر وقسمے آن ست کہ معنی آیت  
بعموم خود تمام ست بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است وحکم عموم لفظ راست  
نہ خصوص سبب را۔ قدما مفسرین بقصد احاطہ آثار مناسبہ بآیت یا بقصد بیان ما  
صدق آل عموم آں قصہ را ذکر کردہ اند، ایں قسم را ذکر کردن ضرور نیست پیش ایں فقیر محقق  
شدہ است کہ صحابہ وتابعین بسبب نزول آیت فی کذا می گفتند و غرض ایشان تصویر یا  
صدق آل آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آن را بعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں  
قصہ متقدم باشد یا متاخر، اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی، تمام قیود آیت را در گرفتہ شد یا  
بعض آل را، واللہ اعلم، ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را در ایں قسم دخلی ہست وقصص متعذر  
را آنجا گنجائش ہست، پس ایں نکتہ مستضر دار و حل مختلفات سبب نزول بادی غنایت می  
توان نمود (الفوز الکبیر ص ۳۵) یہی تحقیق نوار میر تقی حسن خان صاحب نے بھی نقل فرمائی ہے (اکسیر ص ۱۹)



پس جن حضرات نے آیہ کریمہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا شان نزول خطبہ جمعہ یا خطبہ عید بتایا ہے انکا یہی مقصد ہے کہ استماع و انصات کا حکم خطبہ کو بھی شامل ہے ، ان کے قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس آیت کا اصل شان نزول ہی خطبہ ہے لما قدمنا ان الایۃ مکیۃ والجمعة فرضت فی المدینۃ ،

غرضیکہ یہ آیت بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسکا مدلول اول نماز ہی ہے مگر بحکم علت خطبہ جمعہ وعید کو بھی شامل ہے ۔

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں بحالت اقتدار بلند آواز سے کلام کیا کرتے تھے اس سے مانعت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ امام بیہقی نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے چار روایات نقل کی ہیں (کتاب القراءۃ ص ۷) امام بیہقی کا یہ دعویٰ اس لئے صحیح نہیں کہ ہم اسانید صحیحہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ عام کلام کے بارے میں ، امام بیہقی نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف اور معلول ہیں تفصیل ملاحظہ ہو پھلی روایت : اس میں دو راوی محمد بن دینار اور ابراہیم ہجری ضعیف ہیں ، محمد بن دینار کی امام ابن معین ، دارقطنی ، نسائی اور عقیلی نے تضعیف کی ہے ، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا (تہذیب التہذیب ص ۱۵۵ ج ۹) اور ابراہیم ہجری کو امام بخاری ، نسائی ، ترمذی ، احمد ، ابن معین ، ابوزرعمہ ، سعدی ، حربی ، ابو حاتم ، ابن عدی اور علی بن الحسین بن الجندی سب نے ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب ص ۱۶۵ ج ۹) میزان الاعتدال ص ۱۳۱ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ہجری کو منکر الحدیث فرمایا ہے اور ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ امام بخاری جس کو منکر الحدیث قرار دیں اس کی روایت قبول کرنا جائز نہیں ، (میزان ص ۱ ج ۱ ، طبقات سبکی ص ۲ ج ۲ ، تدریب الراوی ص ۲۳۵)

دوسری روایت : اس میں مؤمل بن اسمعیل ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے ، علاوہ ازیں ابو حاتم ، ابن حبان ، یعقوب بن سفیان ، ساجی ، دارقطنی ، ابن سعد ، ابن قانع ، محمد بن نصر مروزی اور امام ابوزرعمہ انکو کثیر الخطا ، سیئ الحفظ ، منکر الحدیث ، کثیر الغلط قرار دیتے ہیں اور انکی روایات قبول کرنے سے منع فرماتے ہیں



(تہذیب التہذیب ص ۳۸ ج ۱۰، میزان ص ۲۲ ج ۳)

**تیسری روایت :** اس کے راوی عبداللہ بن عامر کی امام بخاری، امام احمد، نسائی، ابوداؤد، ابوترک، ابو عاصم، دارقطنی، سعدی، امام ابن معین، ابواحمد الحاکم اور ابو حاتم نے تضعیف کی ہے اور امام ابن المدینی نے تو "ضعیف ضعیف" دوبار فرما کر دوہری تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۷ ج ۵، میزان ص ۵ ج ۲، لسان ص ۲ ج ۳)

**چوتھی روایت :** اسمیں عاصم بن عمر ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکو منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام ترمذی، امام احمد، ابن معین اور جوزقانی نے انکی تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۵ ج ۵، میزان ص ۲ ج ۲)

جن راویوں پر ایک درجن ائمہ حدیث نے جرح کی ہوان کی روایت سے استدلال اور کھلائی پھر بھی الحدیث ؟ ایں چہ بوجہی است

اس آیت کا شان نزول کلام فی الصلوٰۃ نہیں اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔  
(۱) اجماع اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں قرات قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) امام بیہقی نے جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں وہ سب انتہائی درجہ کی ضعیف ہیں۔  
(۳) صحیح حدیث سے ثابت ہے نماز میں کلام کی ممانعت آیہ کریمہ وقوم اللہ قانتین سے ہوئی ہے، کما روی الشیخان رحمہما اللہ تعالیٰ عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بخاری ص ۱۶ ج ۱، مسلم ص ۲۰ ج ۱)

(۴) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں، واذا قرئ القرآن الاۃ دوسری آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہے جس پر یہ دلائل ہیں۔

(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پوری سورہ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے (الاتقان ص ۱ ج ۱)

(۲) اسی آیت میں حکم زکوٰۃ بھی مذکور ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہمیں صدقہ فطرا داکر نے کا حکم



تھا، زکوٰۃ فرض ہوئی تو صدقہ فطر ادا کرنے کا نہ تاکید حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی ہے اور صدقہ الفطر تتمہ صوم ہے اور صوم بالاتفاق مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ہے (فتح الباری ص ۶ ج ۶)

(۳) امام ابو نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آیت فاقروا ما تيسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اسمیں قتال کا ذکر ہے اور وہ مدینہ میں فرض ہوا ہے (قیام اللیل ص ۷) مبارکپوری صاحب کا یہ دعویٰ غلط ہے، انھوں نے فاقروا ما تيسر من القرآن کے متاخر فی النزول ہونے پر جو دلائل بیان کئے ہیں انکے جواب بالترتیب ملاحظہ ہوں،

دلیل اول کا جواب : امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ یہ قول نقل کیا ہے مگر اس پر سخت تردید بھی فرمائی ہے، ونفسہ (المنازل) استثنیٰ منها واصبر علی ما یقولون الايتين حکاہ الرضیہا فی وقولہ ان ربک یعلم انی اخر السورۃ حکاہ ابن الغرس ویردہ ما اخرجہ المحاکم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا نزل بعد نزول صلا السورۃ بسنۃ وذلك حين فرض قیام اللیل فی اول الاسلام قبل فرض الصلوات الخمس (الاتقان ص ۱۷۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم ص ۲۵۲، نسائی ص ۱۱۱، مستدرک ص ۲۵۲ میں مستصحیح مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی مضمون کی روایت مستدرک ص ۲۵۲ اور سنن کبریٰ ص ۲۵۲ میں ہے، یہ صحیح السند روایات ابن غرس کی اس روایت سے بدرجہا زیادہ قوی ہیں جس میں یونس بن حبیب جیسا باطل مجہول راوی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ سورہ مزمل کا آخر اسکے حصہ اول سے ایک سال کے بعد نازل ہوا ہے اور سورہ مزمل کا ابتدائی حصہ بالاتفاق نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں ہے۔ خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں سب سے پہلے سورہ قلم نازل ہوئی اور اسکے بعد سورہ مزمل (تحقیق کلام ص ۲ ج ۲)

دلیل دوم کا جواب : یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا، سورہ مؤمنون، سورہ حم سجدہ اور سورہ لقمان میں زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں، یونون الزکوٰۃ کی تاویل بتزکیہ نفس توجیہ ریکیک اور بعید از قیاس ہے، علاوہ ازیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں جو تقریر کی تھی اسمیں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے، مسند احمد ص ۲۹ ج ۵، مستدرک ص ۳ ج ۲، وقال المحاکم والذہبی علی شرطہما) حالانکہ ان حضرات کی حبشہ کی طرف ہجرت ابتداء نبوت سے پانچویں سال میں ہوئی تھی، (طبری ص ۱۱۱، زاد المعاد ص ۲)



امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے قبل فرض ہو چکی تھی (فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۳) امام رازی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں (تفسیر کبیر ص ۲۳۵ ج ۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی ہے (رد المحتار ج ۱۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، سورہ مزمل کی آخری آیت ان حضرات کی تائید کرتی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اس کے نصاب و مقدار کی تعیین مدینہ منورہ میں ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۹ ج ۲) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ قیس ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فرضیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کے نصاب و مقدار کی تعیین ہے و نظیرہ ما قالہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی شہ قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (انما کان ہذا قبل ان تنزل الزکاۃ) ہذا مشعربان الوعید علی الاکتناز و هو حبس ما نضل عن الحاجة عن مواساة بہ کان فی اول الاسلام ثم نسخ ذلك بفرض الزکاۃ لما فتح اللہ الفتوح و قدرت نصب الزکاۃ فعلى هذا المراد بنزول الزکاۃ بیان نصبھا و مقادیرھا لا انزال اصلھا واللہ اعلم (فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۳)

دلیل سوم کا جواب : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام ابو بصر کا اس آیت کو مدنی قرار دینا غلط ہے، ان کو اس میں ذکر قتال سے مغالطہ ہوا ہے حالانکہ ہمیں حرف "سے" بتا رہا ہے کہ آئندہ حکم قتال وارد ہوگا، اس لئے آئندہ آنے والی مشقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کی تاکید ساقط فرمادی و نصہ و ذکر الشافعی عن بعضہ اهل العلم ان صلاة اللیل كانت مفروضة ثم نسخت بقوله تعالى فاقروا ما تيسر منه فصار الفرض قیام بعض اللیل ثم نسخ ذلك بالصلوات الخمس واستنكر محمد بن نصر المروزی ذلك وقال الآية تدل على ان قوله تعالى فاقروا ما تيسر منه انما نزل بالمدينة لقوله تعالى فيها و آخرون يقاتلون في سبيل الله والقتال انما وقع بالمدينة لا بمكة والاسراء كان بمكة قبل ذلك اه وما استدلك به غير واضح لان قوله تعالى علمان سيكون ظاهرا في الاستقبال فكانه سبحانه وتعالى امتن عليهم بتعجيل التخفيف قبل وجود المشقة التي علم انها ستقع لهم واللہ اعلم (فتح الباری ص ۳۹۳ ج ۱)

پھر مبارکپوری صاحب کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ واذا قرئ القرآن الاية سے فاقروا ما تيسر الاية کا تاخر نسخ کو مستلزم ہے، نسخ تو تب ہوتا کہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں



باہم مخالفت ہوتی، حالانکہ یہاں کوئی مخالفت نہیں اسلئے کہ پہلی آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے اور دوسری نماز تہجد کے بارے میں ہے، چنانچہ خود غیر مقلد عالم مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ سورہ مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اُترا ہے (تفسیر واضح البیان ص ۲۳) مبارکپوری صاحب نے بھی روح المعانی سے اسکو نقل کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰ ج ۱) امام بیہقی فرماتے ہیں وھذا معروف مشہور فیما بین اھل العلم کتاب القراءة ص ۱۵۳، وقال الشوكانی نزلت فی قیام اللیل فلیست مما نحن فیہ (نیل الاوطار ص ۲۱ ج ۲) اسی طرح ابوداؤد ص ۹۲ ج ۱، عون المعبود ص ۵ ج ۱، اعلام الموقعین لابن القيم ص ۳ ج ۲، السراج المنیر للعلامة الشربینی ص ۲۲ ج ۲، تفسیر العلامة ابنی السعود علی ہامش التفسیر الکبیر ص ۴۵ ج ۸ میں بھی اسکی تصریح ہے۔ غرضیکہ مبارکپوری صاحب کا دعوائے نسخ غلط ہے، نواب صدیق حسن خاں صاحب سورہ اعراف سے متعلق تحریر فرماتے ہیں دروے یک آیت یا دو آیت منسوخ ست باقی ہمہ محکم اول خذ العفو وأمر بالعرف، دوم واعرض عن الجاهلین (افادۃ الشیوخ ص ۶۵) اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ آیت فاقروا ماتیسر سے قرارت کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی (تحفۃ الاحوذی ص ۲ ج ۱)

⑤ مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن مکی ہے اور امام کے پیچھے قرارت کرنے کے بارے میں احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمنہ میں اسلام لائے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرارت خلف الامام کا حکم مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہذا یہ احادیث آیت کے لئے ناسخ ہیں، مولانا میر صاحب نے بھی تفسیر واضح البیان ص ۲۵۳ میں یہی لکھا ہے، ان حضرات کا ستم ملاحظہ ہو کہ خبر واحد سے نص قرآنی کو منسوخ قرار دے رہے ہیں پھر قرارت خلف الامام سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، اس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ، ایسی ضعیف، معلول اور مجمل روایات سے نص قرآنی کے نسخ کا دعویٰ برگ گل سے قطع الماس ہے، نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں، ناسخ



مثل منسوخ باشد در قوت بلکہ اقویٰ ازاں چہ در صورت ضعف مزلی قوی نہ تواند شد و این حکم عقل ست و اجماع بر آن دلالت کرده، چہ صحابہ نص قرآن را بنجر واحد منسوخ نہ کرده اند

(افادۃ الشیوخ بمقدار النسخ والمنسوخ ص ۵)

علاوہ ازیں حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدنی ہونے کی وجہ سے انکی حدیث کو بھی مدنی قرار دینا غلط ہے، اسلئے کہ آپ بیعت عقبہ اولیٰ وعقبہ ثانیہ دونوں میں موجود تھے مکن ہے کہ آپ کی روایت اس وقت کی ہو۔ پھر مدنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منع قرات کی روایات بھی تو ہیں، کما سیاقی

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص ۲۱ ج ۲ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ اعراف عقبہ اولیٰ سے بھی قبل نازل ہو چکی تھی کیونکہ سنہ نبوی میں پہلے سورۃ جن نازل ہوئی پھر سورۃ اعراف (جمع البحار ص ۵۳ ج ۲) اور بیعت عقبہ اولیٰ سنہ نبوی میں اور بیعت عقبہ ثانیہ سنہ نبوی میں ہوئی ہے نیز عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہ تھی اسلئے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بہر کیف آیت سے متأخر ہے، مبارکپوری صاحب کی اس نکتہ رسی پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے، اولاً اسلئے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولیٰ رجب سنہ نبوی میں ہوئی ہے اور عقبہ ثانیہ سنہ نبوی میں (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۵۹ ج ۳) ثانیاً امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتداء اسلام ہی سے مشروع ہے (نووی علیٰ مسلم ص ۸۳ ج ۱، فتح الباری ص ۳ ج ۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لے گئے تو نصف قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت ایمار بن حصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امامت کیا کرتے تھے، (صحیح مسلم ص ۲۹۶ ج ۲، مستدرک ص ۹۲ ج ۳) حالانکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، آپ سے قبل مردوں میں سے صرف حضرت ابو بکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خواتین میں سے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائی ہیں (مستدرک ص ۳۲ ج ۳، تذکرہ ص ۱ ج ۱، اکمال ص ۵۹ ج ۱) علاوہ ازیں اگر بیعت عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہیں تھی تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ والنضوا بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول بالاتفاق قرات خلف الامام ہے



پس حدیث عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس آیت سے تاخر ثابت نہوا، یہ بحث محض اشباع کلام کے طور پر لکھ دی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ یہ روایات ضعیفہ، غیر صریحہ نص قرآن کیلئے ناسخ نہیں سکتیں۔  
 (۶) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ فاقروا ما تیسر الا یہ سے اذا قرئ القرآن الا یہ منسوخ نہیں لیکن اس میں نسخ کا احتمال تو موجود ہے جب اس میں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے؟ (تحقیق الکلام ص ۳ ج ۲)

مبارکپوری صاحب کا یہ خیال بھی درست نہیں اس لئے کہ استدلال سے وہ احتمال مانع ہے جو ناشی عن دلیل ہو، اگر یہاں احتمال نسخ کسی دلیل پر مبنی ہوتا تو امام احمد، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبد البر رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر جمہور امت اس آیت سے استدلال نہ فرماتے، حالانکہ اس سے متعلق ہم اوپر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے قول اجماع نقل کر چکے ہیں۔

(۷) مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص ۱۱، تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۸ ج ۱ اور تحقیق الکلام ص ۳۸ میں اور مولانا میر صاحب تفسیر و ضح البیان ص ۴۳ میں ملا جیون اور علامہ تفتازانی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس لئے اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال صحیح نہیں،

ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ کا حنفی ہونا مسلم ہے مگر کسی شخصیت پر تحقیق کا مدار نہیں، اور علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حنفی قرار دینا غلط ہے آپ شافعی تھے، صاحب کشف الطنون علامہ کاتب چلبی، علامہ حسن چلبی، علامہ سیوطی اور علامہ محمود الکفوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہر کیف کسی شخصیت کے قول سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ فاقروا ما تیسر من القرآن متقدم ہے اور اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا متاخر ہے، نیز پہلی آیت نماز تہجد کے بارے میں ہے اور دوسری قرات خلف الامام کے بارے میں، جب دلائل میں تقدم و تاخر معلوم ہو اور پھر دونوں کا محل بھی جدا گانہ ہو تو قول تعارض کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اگر بالفرض ان دونوں آیتوں میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو رفع تعارض کے لئے سب سے پہلے صورت تطبیق تلاش کی جاتی ہے وہ نہ ہو سکے تو ترجیح پھر تیسرے درجہ میں تساقط کا حکم ہے، ان آیتوں میں صورت تطبیق بھی پائی جاتی ہے اور وجہ ترجیح بھی۔

صورت تطبیق : ایک صورت تو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ایک آیت میں فرض



نماز میں قرات کا بیان ہے اور دوسری آیت میں نماز تہجد میں قرات کا حکم ہے، علاوہ ازیں اگر دونوں آیتوں کو نماز فرض ہی سے متعلق فرض کر لیا جائے تو صورت تطبیق یہ ہے سورہ منزل کی آیت میں امام اور منفرد کو قرات کا حکم فرمایا گیا ہے اور سورہ اعراف میں مقتدی کو قرات سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ فاقروا ما تیسرے سورہ فاتحہ سے زائد قرات مراد ہے (کتاب القراءۃ ص ۱، ص ۱۵۳، ص ۱۵۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی مضمون کی روایت بسند حسن نقل کی ہے (دارقطنی ص ۱۲۹) مولانا میر صاحب لکھتے ہیں، الغرض آیت فاقروا ما تیسرے میں اگر قرات سے قراءۃ القرآن فی الصلوۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرات ہے (تفسیر وضم البیان) چونکہ الحدیث بھی مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ سے زائد قرات کی ممانعت کے قائل ہیں اسلئے لازماً اس سے امام یا منہ د مراد ہوگا،

### صورت ترجیح :

اگر بالفرض تطبیق کی کوئی صورت نہوتی تو بلاشبہ سورہ اعراف کی آیت راجح قرار پاتی اسلئے کہ اوپر روایات صحیحہ اور جمہور اُمت کی تصریحات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرات خلف الامام سے منع فرمایا گیا ہے،

⑧ امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۵۵، میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں سکوت بمعنی اخفاء بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسکاتک ما بین التکبیر والقراءۃ ما تقول؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہم بعد بینی و بین خطایای الخ پڑھتا ہوں، (صحیح بخاری ص ۱ ج ۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر آہستہ پڑھنے کو سکوت سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح مستدرک وغیرہ میں روایت ہے ویسکت بعد القراءۃ ہنیۃ یسأل اللہ من فضله، اس میں سکوت اور سوال کا اجتماع ہے، لہذا امام کے پیچھے آہستہ پڑھنا آیت میں حکم انصات کے خلاف نہیں،

ان حضرات کی یہ تاویل اسلئے باطل ہے کہ سکوت کے حقیقی معنی مکمل خاموشی ہی کے ہیں،

قال الامام الراغب الاصفہانی السکوت فخص بترك الكلام (مفردات ص ۲۲۵) وقال الامام



ابن خالویہ نزف الرجل اذا انقطعت حجة عند المناظرة وسکت واسکت مثله (اعراب ثلاثین سورة من القرآن ص ۳) وقال مجد الدین الفیروز آبادی اسکت انقطع کلامہ فلم یتکلم (قاموس ص ۹۲ ج ۱) وکذا فی المنجد ص ۳۵ وقال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان السکو عدمی معناه انه لم یقل شیئاً ولم ینقل امراً ولم یتصرف فی قول ولا فعل ولا شئ ان هذا المعنی عدمی محض (مناظرات امام رازی ص ۳۵) ائمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سکوت کے معنی ترک کلام اور مکمل خاموشی کے ہیں۔ مگر کبھی مجازاً جہر کے مقابلہ میں بمعنی اخفار بھی استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ حالت جہر میں دوسرے لوگ بھی اسکے کلام کو سُن رہے تھے اسکے بعد اخفار کی حالت میں سامعین کے نزدیک کلام معدوم ہے کیونکہ وہ نہیں سُن رہے، اس مناسبت سے بوقت قرائن صارفہ عن الحقیقت سکوت بمعنی اخفار مجازاً آتا ہے، قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ انما سمي ناه ساکتاً مجازاً لان من لا يسمعه يظنه ساکتاً (احکام القرآن ص ۳ ج ۳) پس جہاں مجازی معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہوگا وہاں سکوت سے اسکے حقیقی معنی یعنی مکمل خاموشی ہی مراد ہوگی، حقیقی معنی مراد لینے کے لئے کسی قرینہ اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی معہذا قراءۃ القرآن کے وقت حکم انصات حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہے اس پر یہ دلیل بھی ہے کہ ابتداء نزول وحی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ خود بھی پڑھا کرتے تھے صحیح بخاری کی روایت میں ہے وکان مما یحرف شفتیه اس پر حکم ہوتا ہے لا تحرف به لسانک لتجمل به الآية، وکان مما یحرف شفتیه سے ثابت ہوا کہ آپ آہستہ پڑھتے تھے پھر نص قرآن لا تحرف به لسانک میں تصریح ہے کہ زبان تک ہلانے کی بھی اجازت نہیں، ثالثاً آیت مذکورہ میں فاذا قرأناہ فاقبع قرآنہ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے فاستمع له وانصت (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ انصات بوقت قرائت کے معنی مکمل خاموشی کے ہیں کہ زبان کو بھی حرکت نہو۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فصل الخطاب ص ۷۷ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ اسمیں سکوت سے مطلقاً سکوت مراد نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ سے سکوت مراد ہے جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امرنا بالسکوت کی شرح میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حکم سابق



یعنی نماز میں کلام و سلام سے سکوت مراد ہے مطلقاً سکوت مراد نہیں کہ شمار، آمین، تسمیع، تحمید، تشہد اور درود شریف بھی نہ پڑھو، (فتح الباری ص ۳ ج ۳) اسی طرح حدیث مستدرک و بیہک بعد القراءۃ ھنیۃ یسأل اللہ من فضلہ میں قرارت سے سکوت اور جمع الزوائد کی روایت من صام رمضان فی النصائت الخ میں جھوٹ غیبت وغیرہ لغویات سے سکوت مراد ہے، اذان کا جواب دینا سکوت کے منافی نہیں اسلئے کہ اذان کے ہر کلمہ کے بعد جواب کے لئے وقفہ ہے، بخلاف نماز میں سکوت کے کہ ان کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں کہاسیاتی ہم امام بیہقی اور مبارکپوری سے دریافت کرتے ہیں کہ حالت خطبہ میں آپ تسمیع وغیرہ آہستہ پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے اور یہاں حکم سکوت سے سڑا پڑھنا کیوں نہیں مراد لیتے؟ قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ چال کیوں سوچھی؟ بالخصوص جبکہ آپ اس آیت کا شان نزول خطبہ بتاتے ہیں، کیا یہ کھلا عناد اور صریح بے انصافی نہیں کہ جس آیت سے حالت خطبہ میں ترک کلام ثابت کر رہے ہیں اسی سے حالت نماز میں قرارت سڑا کا حکم دے رہے ہیں۔

حالت خطبہ میں تحیۃ المسجد پڑھنا :

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزیر القراءۃ ص ۳۵ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراءۃ ص ۸۲ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ حالت خطبہ میں سکوت کا حکم اس قدر مؤکد ہے کہ اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی اجازت نہیں لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قلت لصاحبک یوم الجمعة انصت فقد لغوت (بخاری ص ۱۲۸ ج ۱، مسلم ص ۲۸۱ ج ۱) لیکن اسکے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ مختصر طور پر دو رکعتیں پڑھ لے اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکم رکعتین ولیتجوز فیہما (بخاری ص ۱۲۱ ج ۱، مسلم ص ۲۸۱ ج ۱) ان دو رکعتوں میں لازماً قرارت قرآن ہوگی، جس طرح یہ حکم انصت کے منافی نہیں اسی طرح مقتدی کی قرارت بھی آیت استماع وانصت کے منافی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حالت خطبہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں اسلئے کہ بوقت خطبہ حکم انصت عام ہے، جس طرح خطبہ کی حالت میں کلام کرنا اور ذکر و تسمیع وغیرہ انصت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح نماز پڑھنا بھی



انصات کے منافی ہے، اسلئے یہ بھی جائز نہیں، بوقت خطبہ انصات کے حکم عام کے علاوہ بالخصوص نماز سے مانعت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے یصلی ما کتب لہ ثم یبصت اذا تکلم الامام (بخاری ص ۱۲ ج ۱، مسلم ص ۲۸۳ ج ۱، طیبی ص ۶۵) وعن سبیشة الہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً فان لم یجد الامام خرج صلی ما بدا الہ وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح خلا شیخ احمد وهو ثقة (مجمع الزوائد ص ۲ ج ۲)

حدیث بالا میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ کا نام علی بن اسحق ہے (فتح الملام ص ۴۱۵) امام نسائی، امام ابن معین، حافظ ابن حبان، ابن سعد اور محمد بن حمدویہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ان کی توثیق فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۸۲ ج ۲، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی انکو ثقہ قرار دیا ہے (تقریب ص ۲۶۹) حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں صرف صحیح اور حسن روایات ذکر کروں گا، بشرط الصحة والحسن فیما اوردہ من ذلک (مقدمة الفتح ص ۲) اور حدیث مذکور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری ص ۲۹ ج ۲ میں ذکر فرمائی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح یا حسن ہے،

خیر الکلام ص ۵۶۳ میں اسکی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسمیں عطار خراسانی ہے جنکے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ارسال، تدلیس اور کثرت وہم کا شکا تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی حدیث نہیں لی (تقریب ص ۱۴۹) نیز فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر نہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۲۳۶) اسلئے علامہ ہاشمی کا قول ”رجالہ رجال الصحیح“ وہم ہے۔

در حقیقت یہ علامہ ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم ہے، اسلئے کہ صحیح بخاری جلد ثانی ص ۴۲ اور ص ۹۶ میں عطار سے روایت موجود ہے، اور محدث ابو مسعود دمشقی اور علامہ قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ عطار خراسانی ہیں بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق یہ نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے علاوہ صحیح مسلم کے بھی راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۱۲ ج ۲)

ان نصوص کی بنا پر جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ



تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے (نووی علی صحیح مسلم ص ۲۸ ج ۱) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہار و محدثین کا یہی مسلک تھا (ترمذی ص ۶ ج ۱) علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم و مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، امام زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا (فتح الملہود ص ۴۱ ج ۲) فریق ثانی بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جمہور کے نزدیک بحالت خطبہ تحیۃ المسجد جائز نہیں، چنانچہ مؤلف خیر الکلام اس مسئلہ میں قول جمہور کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جمہوریت حدیث کے معاملہ میں حجت نہیں (خیر الکلام ص ۵۶۳)

جناب والا قارئین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ مسلک جمہور حدیث کے خلاف ہے یعنی حدیث صرف وہ ہے جس کو جناب حدیث کہیں ورنہ صریح و صحیح احادیث جن پر جمہور امت کا عمل ہو وہ بھی حدیث نہیں بلکہ حدیث کی مخالفت ہے، اگر معاذ اللہ جمہور صحابہ، تابعین، محدثین، فقہار اور ائمہ دین نے حدیث کو نہیں سمجھایا عموماً حدیث کی مخالفت کرتے رہے تو قرآن، حدیث اور پورے دین اسلام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے جب خطبہ کی حالت میں یہ بھی ممنوع ہے تو نوافل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ تعجب ہے کہ غیر مقلدین قیام جماعت کے بعد فجر کی سنتوں کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ آکد السنن ہیں مگر بحالت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، پھر یہ کہ خارج جماعت کے لئے بوقت قیام جماعت انصات کا حکم نہیں اور بوقت خطبہ حاضرین کو انصات کا حکم ہے، معہذا سنت فجر کو ممنوع اور بوقت خطبہ تحیۃ المسجد کو جائز قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

حدیث جواز کا جواب :

① امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کا ترجمہ الباب باب الصلوۃ



قبل الخطبة قائم فرمایا ہے (ذیل ج ۲ ص ۲) اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہے اور حدیث میں یخطب بمعنی یرید الخطبة ہے کما فی قولہ تعالیٰ یٰ آیتھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم الایۃ، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا اتمن الامام فاقنوا کی شرح میں فرماتے ہیں قالوا معناه اذا اراد التأمین (نووی علی مسلم ص ۱۴ ج ۱)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے والامام یخطب او قد خرج (بخاری ص ۱۵۶) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ متفق علیہ (فتح الباری ص ۳۴ ج ۲) اس حدیث سے بھی امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی تائید ہوتی ہے، اسلئے کہ اس میں راوی بصورت تردد بیان کر رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یخطب فرمایا یا قد خرج فرمایا، سامع کو بالعموم تردد الفاظ مترادفہ میں ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ راوی یخطب بمعنی اراد ان یخطب لے رہا ہے، اس "او" کو تنویع کے لئے نہیں کہہ سکتے، اسلئے کہ اس صورت میں صرف یخطب فرمانا کافی تھا، جب حالت خطبہ میں جواز ثابت ہو گیا تو قبل الخطبہ بطریق اولیٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا لہذا یخطب کے بعد او قد خرج عبث ہو جاتا ہے، ہاں اگر عبارت برعکس یوں ہوتی والامام قد خرج او یخطب تو او بمعنی بل للترقی لینے کی گنجائش تھی، نیز اگر "او" تنویع کے لئے ہوتا تو جمہور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حالت خطبہ وغیر خطبہ میں فرق نہ فرماتے بلکہ دونوں صورتوں میں یکساں جواز تحیۃ المسجد کے قائل ہوتے،

علاوہ ازیں حدیث کے الفاظ ولیتجوز فیہما میں حکم ہے کہ تحیۃ المسجد مختصر پڑھے یہ مستقل دلیل ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ امام خطبہ کے لئے طیار ہو، اگر حالت خطبہ میں بھی نماز جائز ہے اور یہ حکم انصات کے منافی نہیں تو بحالت خطبہ تحیۃ المسجد میں اختصار کا حکم کیوں؟ جب حکم انصات اور تحیۃ المسجد دونوں پر بیک وقت عمل ہو رہا ہے تو تحیۃ المسجد خوب اطمینان سے ادا کرنا چاہئے، اختصار کا مقتضی کیا امر ہے؟

(۲) یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے بعض رواۃ نے اس کو عام سمجھ کر نقل بالمعنی کے تحت قاعدہ کلیہ بنادیا، قصہ یہ ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خستہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں تاکہ



لوگ ان کی حالت زار دیکھ کر انکی امداد کی طرف متوجہ ہوں، اور آپ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، سنن نسائی میں ہے جاء رجل يوم الجمعة والنبي صلى الله عليه وسلم يحط بذيبة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اجمعوا والنبی صلی قال لا قال صل ركعتين وحث الناس على الصدقة (نسائی ص ۵۸ ج ۱) سند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ ہیں ان هذا الرجل دخل المسجد في هيئة بذية فامرته ان يصلي ركعتين وانا ارجوان يظن له رحله فيتصدق عليه (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲) اس روایت کی سند سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واما قصة سليف رضي الله تعالى عنه فقد ذكر الترمذي انها أصح شيء روي في هذا الباب واقوى (فتح الباری ص ۳۳۹ ج ۲) بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں اركع ركعتين ولا تعد مثل هذا (دارقطنی ص ۱۶۹ ج ۱) اس روایت سے استدلال مقصود نہیں بلکہ صرف تائیداً پیش کی گئی ہے، خود سلیف رضي الله تعالى عنه نے بھی اس امر کو عام اور قاعدہ کلیہ نہیں سمجھا، اگر وہ اسکو عام قاعدہ سمجھتے تو آئندہ کے لئے وہ اسکی تعمیل میں غفلت نہ کرتے حالانکہ تین جمعہ تک مسلسل یہی واقعہ پیش آتا رہا کہ انھوں نے تحیۃ المسجد از خود ادا نہیں کیا ولا حول ولا بن حبان انہ کر رامة بالصلاة ثلاث مرات في ثلاث جمع (فتح الباری ص ۳۳۸ ج ۲) اس جواب پر حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رد فرماتے ہیں والتعليل بكونه صلى الله عليه وسلم قصد التصدق عليه لا يمنع القول بجواز التحية فان المانعين منها لا يجيزون التطوع لعل التصدق قال ابن المنير في الحاشية لوساغ ذلك لساغ مثله في التطوع عند طلوع الشمس وسائر الاوقات المكروهة (فتح الباری ص ۳۳۸ ج ۲)

ابن منیر اور حافظ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ اعتراض جب صحیح ہوتا کہ مانعین تحیۃ المسجد تصدق کرم حکم کی علت اور مدار قرار دیتے، حالانکہ تصدق علت نہیں بلکہ تخصیص کی حکمت ہے۔ نیز تخصیص بھی بحالت خطبہ نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ تخصیص اس امر میں ہے کہ ان کی خاطر خطبہ میں تاخیر کی گئی، کما فی روایۃ اللیث عند مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر (فتح الباری ص ۳۳۹ ج ۲) دارقطنی کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وامسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاة (دارقطنی ص ۱۶۹ ج ۱) یہ روایت بطور استدلال نہیں بلکہ تائید کے لئے پیش کی گئی ہے، مرسل معتمر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے،



دارقطنی کی روایت میں امسک عن الخطبة کے معنی یہ ہیں کہ خطبہ شروع فرمانے سے رک گئے، یہ مطلب نہیں کہ خطبہ پڑھتے ہوئے درمیان میں ٹھہر گئے، صحابی کی شان سے بعید ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور پھر مسلسل تین جمعہ تک یہی حال رہے، گزشتہ روایات میں قاعد علی المنبر اور قد خرج کے الفاظ نص صریح ہیں کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے قبل تھا۔

⑨ مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۵۷ ج ۲ میں مجمع البحار سے حدیث قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما مروست فیما امر میں قرأ بمعنی جہر اور سکت بمعنی ہنس نقل کر کے فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ واذا قرئ القرآن فیہ من جہر فلیسمعوا لعلہ یذکر العباد اس آیت میں صرف جہری نمازوں کا حکم ہے۔

مبارکپوری صاحب کا یہ استدلال اسلئے صحیح نہیں کہ مجمع البحار کا قول حجت نہیں، حدیث کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرأ حال کو نہ اماماً و سکت حال کو نہ مؤتماً و قرأ بعد الفاتحة فی الاولیین و سکت بعد ہائی الاخریین، چنانچہ صحیح بخاری ص ۱۱ ج ۱ میں اس کی تصریح ہے کہ الاخریین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، اسی طرح آپ کا مؤتم ہونا بھی ثابت ہے چنانچہ باب البیت کے پاس آپ نے دو روزہ تک اس نماز میں حضرت جبریل علیہ السلام کی اقتدار میں پڑھیں اور غزوہ تبوک سے واپسی پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی (مسلم ص ۱۳۲ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۱۱) اہل قبایں مصالحت سے واپسی پر نماز عصر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی، لوگ ابوبکر کو متوجہ کرنے کے لئے تالیاں بجانے لگے کافی دیر کے بعد آپ کو تنبیہ ہوا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (بخاری ص ۱۰۶ ج ۲)

اور اگر مجمع البحار کے بیان کردہ معنی ہی لے لئے جائیں تو اسکا وہی جواب ہوگا جو اوپر ۷ میں گزرا یعنی قراۃ بمعنی جہر مجاز ہے جس کے لئے کسی قرینہ کا وجود ضروری ہے، قراۃ کے حقیقی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں خواہ جہراً ہو یا سراً، نص قرآن میں کوئی قرینہ صارفہ عن البقیۃ نہیں اسلئے اسمیں قرات اپنے حقیقی معنی کی مطابق سراً و جہراً دونوں کو شامل ہے، ⑩ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیت میں استماع وانصات دونوں کا حکم ہے، استماع چونکہ صرف جہری نمازوں ہی میں ہو سکتا ہے اسلئے یہ حکم سری نمازوں کو شامل نہیں،



لہذا اس سے مانعین قرارت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال صحیح نہوا (جزء القراءة ص ۹)  
یہی مضمون امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۶ میں اور نواب صاحب دلیل الطالب ص ۲۸ میں  
اور مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص ۱۲۸ اور تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں نقل فرماتے ہیں،  
اسکا جواب یہ ہے کہ آیت میں دو حکم ہیں، ایک استماع اور دوسرا انصات قرارت  
جہر یہ میں استماع وانصات دونوں کا موقع ہے اور قرارت سر یہ میں صرف انصات ہو سکتا ہے  
اسلئے جہر یہ میں استماع مع الانصات کا حکم ہے اور سر یہ میں صرف انصات کا،

انصات کے معنی مطلق سکوت اور ترک کلام کے ہیں اس کے لئے استماع لازم نہیں  
لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فان راى حیث لا یسمع فانصت ولم یبلغ کان له کفل من  
الاجر رواہ ابوداؤد (جمع الفوائد ص ۲۵ ج ۱) وفي کنز العمال مما رواہ عبد الرزاق عن  
رید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلًا وعن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفًا  
اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناكب وانصتوا فان اجر المنصت الذی لا یسمع کاجر المنصت  
الذی یسمع (فتح الملهم ص ۲ ج ۲) وقال المحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفتح وقد وقع  
التفریق بین الانصت والاستماع فی قولہ تعالیٰ فاستمعوا له وانصتوا ومعناهما مختلف  
فالانصت هو السکوت وهو یحصل من یستمع ومن لا یستمع کأن ینصت مفکرًا فی  
امر آخر وکذلک الاستماع قد ینصت مع السکوت وقد ینصت مع النطق بکلام آخر  
لا یشغل الناطق به عن فہم ما یقول الذی یستمع منه، وقال فی ابواب التفسیر لا  
شک ان الاستماع اخص من الانصت لان الاستماع الاصغاء والانصت السکوت ولا  
یلزم من السکوت الاصغاء (فتح الملهم ص ۲ ج ۲) وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ  
فالاستماع الاصغاء والانصت السکوت ولذا قال اللہ تعالیٰ واذ قرأ القرآن فاستمعوا  
له وانصتوا (نوی مع مسلم ص ۲ ج ۱) وقال البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ لا فرق بین  
السکوت والانصات عند العرب (کتب القراءة ص ۸)

البیہقی مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں نصت یفصت وانصت  
وانتصت سکت والاسم النصتہ بالفہم وانصتہ وله سکتہ له واستمع لحديثہ ص ۵۸  
اور تاج العروس میں ہے وانصتہ وانصتہ له اذا سکتہ له مثل نصیحتہ ونصیحتہ له و  
انصتہ وانصتہ له مثل نصیحتہ ونصیحتہ له والانصت هو السکوت والاستماع



للمحدث يقال انصته وانصت له - اور مختار الصحاح میں الانصات السكوت والاستماع  
انصته وانصت له -

ان عبارات سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ استماع و انصات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس صورت میں قرآن کریم میں ایک لفظ کی زیادتی مقصود لازم آئے گی، علماء لغت کی عبارات بالا میں انصات کے معنی سکوت مع الاستماع نہیں بیان کئے گئے بلکہ سکوت والاستماع کہا گیا ہے، یعنی اسکے دونوں معنی آتے ہیں، پھر آگے انصت و انصت له سے وضاحت کر رہے ہیں کہ یہ استماع کے معنی میں جب ہوتا ہے کہ اس کا مفعول یا صللہ لام مذکور ہو، قرآن کریم میں انصتوا کا مفعول یا صللہ مذکور نہیں لہذا اسمیں استماع کے معنی نہیں بلکہ مطلق سکوت کے معنی میں ہے، اگر انصات کا بدو ذکر مفعول وصلہ بھی بمعنی استماع ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اسکے دو معنی مستقل ہیں ایک سکوت دوسرے استماع، ان دونوں معانی میں سے حسب قرائن کوئی ایک معنی متعین کئے جاسکتے ہیں، قرآن کریم میں اس سے قبل لفظ استمعوا کا ذکر اور قرأت سرریہ کا قابل استماع نہونا اس پر قرائن ہیں کہ یہاں انصات بمعنی استماع نہیں،

بلکہ ذکر مفعول وصلہ کے باوجود اسکے دو مستقل معنی بیان کئے گئے ہیں ایک سکت لہ دوسرے استمع لحدیثہ، سکت اور سکت لہ میں یہ فرق ہے کہ اول بدو داعیہ تکلم سکوت مفرد ہے، مثلاً کوئی شخص اکیلا بیٹھا ہے یہ اسلئے خاموش ہے کہ اسکے لئے تکلم کا کوئی داعیہ ہی نہیں، اور دوسرے میں داعیہ تکلم ہونے کے باوجود دوسرے شخص کی رعایت سے سکوت ہوتا ہے گویا یہ سکوت مرکب ہے پھر دوسرے شخص کی رعایت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسکے کلام کو سننا مقصود ہو اور دوسری یہ کہ جو بات یہ کہنا چاہتا ہے وہی بات اسکی طرف سے کوئی دوسرا کہہ رہا ہے، مثلاً حاکم کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے لئے ایک وفد جاتا ہے ان کا سربراہ درخواست پیش کرتا ہے اور وفد کے دوسرے ارکان خواہ اسکا کلام نہ بھی سن رہے ہوں تو بھی اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ ان کا قائد انکی طرف سے وکالت درخواست پیش کر رہا ہے، ومن هذا القبیل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خطیبہم اذا انصتوا ای یوم القیامۃ،

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص ۱۹ ج ۲ میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ پر



اعترض کیا ہے کہ انکا استماع کو جہری نمازوں اور انصات کو ستری نمازوں سے متعلق قرار دینا تفسیر بالرای ہے جو حرام ہے،

مبارکپوری صاحب کا یہ اعتراض محض تعنت ہے اسلئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احادیث صحیحہ، لغت اور جمہور مفسرین کی تحقیق پر مبنی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ستری نمازوں میں قرارت خلف الامام کے اثبات کی تقریر یوں فرماتے ہیں کہ بدوں ذکر و قرارت و دعاء محض سکوت نہ عبادت ہے نہ مأمور بہ بلکہ سبب وسوس ہے لہذا ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل ہے اور قرارت قرآن افضل ترین ذکر ہے اس لئے ستری نمازوں میں قراءۃ الفاتحہ خلف الامام مستحب ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص ۱۵۱) تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جب واذا قئ القرآن الایۃ کا شان نزول نماز قرار سے رہے ہیں اور اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں تو نص قرآنی کے مقابلہ میں اس قیاس آرائی کا کیا جواز؟ علاوہ ازیں ظہر اور عصر کی نماز میں صحیح حدیث کی رو سے تقریباً بیس آیات کی قرارت مسنون ہے اور ابن تیمیہ بھی مقتدی کو سورہ فاتحہ سے زائد پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، جب اس قدر طویل سکوت مورث وسوس نہیں تو صرف سورہ فاتحہ کی سات آیات تک مختصر سکوت کو سبب وسوس قرار دینا کیسے صحیح ہے؟

⑪ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جز القراءۃ ص ۵ و ص ۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سنن ترمذی ص ۴ ج ۱ میں اور امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۱ و ص ۲۹ میں فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکات میں سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے، یہی بات مبارکپوری صاحب نے ابکار المنن ص ۱۲۵ اور تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں تحریر کی ہے اور ان کے دوسرے اتباع نے بھی لکھا ہے، سکات امام کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ امام کے سکات میں سورہ فاتحہ پڑھے، (کتاب القراءۃ ص ۵، مستدرک ص ۲۳۸)

(۲) عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصات فرماتے تھے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرارت کر لیا کرتے تھے (کتاب القراءۃ ص ۶۹، ص ۸۶)



(۳) بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده روایت ہے کہ جس نے سکتات امام میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز کامل نہوگی (کتب القراءۃ ص ۵۲)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتہ کی حالت میں قرأت کرے اسلئے کہ جس نے قرأت نہ کی اس کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔

(کنز العمال ص ۹۶ ج ۴)

(۵) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کا تعامل نقل فرماتے ہیں کہ امام ضرور سکتہ کرتا تھا تا کہ مقتدی قرأت فاتحہ کر لیں (جزء القراءۃ ص ۵۷)

(۶) سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور (کتب القراءۃ ص ۶۹ و ص ۷۰)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابو سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ امام کے لئے دو سکتے ہوتے ہیں ان کو قرأت فاتحہ کے لئے غنیمت سمجھو (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتاب القراءۃ ص ۷۰)

(۸) ہشام بن عروہ کے والد نے ان سے فرمایا کہ جب امام سکتہ کرے اسوقت قرأت کر لیا کرو اور امام کی قرأت کے وقت خاموش ہو جاؤ اسلئے نماز خواہ فرض ہو یا نفل بدو قرأت فاتحہ کے ادا نہیں ہوتی (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتب القراءۃ ص ۷۰)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام کے سکتہ میں بدو قرأت فاتحہ نماز مکمل نہیں ہوتی (کتب القراءۃ ص ۶۱)

دلائل مذکورہ کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں،

(۱) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں محمد بن عبد اللہ بن عبید ابن عمیر ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعف ص ۲۸ میں، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم ص ۲ ج ۱ میں امام یحیی القطان سے، امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعف ص ۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی ص ۲ ج ۲ میں، امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی ص ۱۲ ج ۱ میں، اور خود امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب القراءۃ ص ۵۲ میں انکی تضعیف کی ہے، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں (میزان الاعتدال ص ۲۱۶ ج ۵)

علاوہ ازیں اس حدیث میں صلوة مکتوبہ کی تخصیص ہے حالانکہ اہل حدیث کے ہاں



نفل نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ ضروری ہے۔

(۲) حدیث عمرو بن شعیب، محدثین میں سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی تضعیف اور اسکا ناقابل قبول ہونا مشہور و معروف ہے، عمرو بن شعیب اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہیں مگر جب وہ عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے والد سے سماع حاصل نہیں بلکہ وہ کتاب سے نقل کرتے ہیں، اس سند پر کلام اور اس کی تضعیف مندرجہ ذیل کتب میں ہے۔ سنن ترمذی ص ۴ ج ۱، ص ۸ ج ۱، طبقات المدلسین لابن حجر ص ۱۱، میزان الاعتدال ص ۲۸۹ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۵۳ و ۵۴ ج ۸، مستدرک حاکم ص ۱۹ ج ۱، شرح معانی الآثار ص ۴ ج ۱، محلی ابن خزم ص ۲۳ ج ۱، اسعاف المبطا برجال الموطا ص ۲۳،

تحفۃ الاحوذی ص ۲۶ ج ۱ میں لکھا ہے کہ امام احمد اور علی بن المدینی رحمہما اللہ تعالیٰ عمرو بن شعیب کی روایت کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں حالانکہ امام علی بن المدینی تصریح فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کریں تو وہ ضعیف ہے (تہذیب التہذیب ص ۵۳ ج ۸) اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشياء منا کبر وانما یکتب حدیثہ یعتبر بہ فاما ان یکون حجة فلا، نیز فرماتے ہیں وربما وجس فی القلب منه شئ (تہذیب التہذیب ص ۴۹ ج ۸)

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ علامہ ذہبی کا عمرو بن شعیب کی روایت کو حسن کہنا دوسرے طرق کے لحاظ سے ہے، اس سے عن ابیہ عن جدہ کی سند مراد نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن ضعفه مطلقا فمحمول عن رواية عن ابیہ عن جدہ (تہذیب التہذیب ص ۵۵ ج ۸)

(۳) عمرو بن شعیب کی دوسری روایت میں ضعف مذکور کے علاوہ محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر بھی واقع ہے جس کی تضعیف حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت گزر چکی ہے۔

مذکورہ بالا تین احادیث کے علاوہ جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ پر موقوف ہیں حالانکہ اہل حدیث کے ہاں موقوف صحابہ بھی حجت نہیں تو تابعین کی موقوفات کس شمار میں؟ علاوہ ازیں احادیث مذکورہ کی طرح ان آثار میں



سے بھی کوئی ایک اثر بھی صحیح نہیں، انکی تنقیح ملاحظہ ہو۔

(۴) اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، در حقیقت یہ اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، رواۃ میں سے کسی نے غلطی سے ابن عمر کو دیا ہے (کتب القراءة ص ۲۵) اسکی سند میں مثنی بن صباح ضعیف ہیں، امام بخاری، امام نسائی، امام احمد، امام ترمذی، دارقطنی، امام یحیی القطان، ابن المہدی، حافظ ابن حجر، ابن معین، ابن عدی، ابن سعد، علی بن الجنید، حافظ ابن حبان، ساجی، ابوالاحمد الحاکم، سخون اور امام عقیلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف قرار دیا ہے (ضعفاء صغیر للبخاری ص ۳، ضعفاء صغیر للنسائی ص ۵، میزان الاعتدال ص ۳ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۰، تقریب ص ۳۲۶)

علاوہ ازیں یہ اثر مجمل ہے اسلئے کہ اس میں سورہ فاتحہ کی صراحت نہیں،

(۵) اثر سعید بن جبیر، اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک عبداللہ بن رجا مکی۔ امام احمد، ازدی اور ساجی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (میزان الاعتدال ص ۲ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۵) دوسرے عبداللہ بن عثمان ابن خثیم۔ امام نسائی، امام ابن معین، امام ابو خاتم، حافظ ابن حبان، امام ابن المدینی، امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ انکو ضعیف قرار دے رہے ہیں (میزان الاعتدال ص ۲ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳۵ ج ۵، نصب الراية ص ۳۵ ج ۱)

(۶) سعید بن جبیر کا دوسرا اثر، اس کی سند میں بھی عبداللہ بن عثمان بن خثیم ہیں جن کی تضعیف اوپر کئی ائمہ حدیث سے نقل کی گئی ہے۔

(۷) اثر ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس میں اولاً تو یہ کلام ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا کہ ابوسلمہ تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، رواۃ کو اس میں تردد ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے امام احمد، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، بزار، ابوحاتم، عمرو بن علی الفلاس، ابوالاحمد الحاکم، امام حاکم، ابن قانع، ساجی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف بتایا ہے (میزان الاعتدال ص ۲۸ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۰)

(۸) اثر ہشام بن عروہ، اسکی سند میں بھی موسیٰ بن مسعود واقع ہیں جنکی تضعیف



تقریباً ایک درجن ائمہ حدیث سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت میں فصحاء کی زیادتی بھی ہے جس پر غیر مقلدین کا بھی عمل نہیں،

(۹) اثرابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں اسحق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابو زرعة، ابن عمار، علی بن المدینی، دارقطنی، برقانی، ابن خزیمہ، خلیلی، بزار، ابن جارود، عقیلی، دولابی، ابوالعرب، ساجی اور ابن شاہین رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۱)

بحث مذکور سے واضح ہو گیا کہ مقتدیوں کی قرارت فاتحہ کے لئے امام کے سکتات کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ دو مقام پر سکتہ ثابت ہے، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرے سورہ فاتحہ کے بعد، اول میں تو ظاہر ہے کہ قرارت فاتحہ کا موقع ہی نہیں، اور سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ صرف اس قدر ہے کہ امام ذرا سانس درست کر سکے، ائمہ حدیث اسکی تصریح فرماتے ہیں حق یتراد الیہ نفسہ (نسائی ص ۱ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۱ ج ۱، ترمذی ص ۱۳ ج ۱، دارقطنی ص ۱۲ ج ۱) خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں بل السکتۃ الثانیۃ کانت لان یتراد الیہ نفسہ کما صرح بہ قتادۃ (تحفۃ الاحوذی ص ۲ ج ۱) ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اس سکتہ سے مقتدیوں کو قرارت فاتحہ کی مہلت دینا مقصود نہیں اور نہ ہی اتنے مختصر سکتہ میں اسکی گنجائش ہے، تعجب ہے کہ ہوا پرستی نے سکتہ کو سکتات کیسے بنا دیا؟ کہلائیں پھر بھی اہل حدیث حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مقتدیوں کی قرارت فاتحہ کے لئے کبھی سکتہ کیا ہو (غیث الغمام ص ۱۷) اسلئے جمہور اہل اسلام ایسے سکتہ یا سکتات کے قائل نہیں، حتیٰ کہ خود غیر مقلدین میں سے اہل انصاف اسکی تردید فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولم نعلم نزاعاً بین العلماء انہ لا یجب علی الامام ان یشکت لیقرأ المأموم بالفاتحۃ ولا غیرھا (الی قولہ) ولا یشحب للامام السکوت لیقرأ المأموم عند جماہیر العلماء وهذا مذہب مالک والی حنیفۃ واحمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۳۶ ج ۲)



تنوع العبادات ص ۸۵) محمد بن اسمعیل بن الصلاح امیر یافعی فرماتے ہیں ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة فقیل فی محل سکات الامام وقیل فی سکونہ بعد تمام القراءة ولا دلیل لہذین القولین فی الحدیث (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص ۱۱۱) شیخ محمد بن اسمعیل مذکور سے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، امام صنعاء و علامہ یمن و شاعر مجید و مجتہد مفید و محدث کامل و عارف و اصل ست، عامل بود بکتاب سنت بحسب اجتہاد نفس خود تقید بتقلید احدی از اہل علم نہ داشت (تفصیل جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۸۵)

درایہ بھی مقتدیوں کے لئے امام کا سکتہ کرنا اصول شرع کے خلاف بلکہ قانون شریعت کا مقابلہ ہے، شریعت نے مقتدیوں کو اتباع امام کا حکم دیا ہے اور مدعیان اتباع حدیث امام کو مقتدیوں کے اتباع کا حکم دے رہے ہیں کہ ان کی خاطر خاموشی اختیار کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جب امام قرات کرے تم خاموش رہو، مگر بزعیم خویش الیحدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ مقتدیوں کی قرات کے لئے امام خاموش رہے، امام ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما جعل الامام لیؤتہ بہ فاذا قرأ فانصتوا خیل منہ من ان من الاثم امام بالامام الانصات لقراءتہ و ہذا یدل علی انہ غیر جائز ان ینصت الامام لقراءة المأموم لانہ لو کان مأمورًا بالانصات لہ لکان مأمورًا بالاثم امام بہ فیضیر الامام مأمومًا والمأموم اماما فی حالة واحدة و ہذا فاسد (احکام القرآن ص ۳۵۱)

(۱۲) صاحب خیر الکلام فرماتے ہیں کہ سورۃ اعراف کی آیت میں انصات سے بالکلیہ خاموشی مراد نہیں، اسلئے کہ دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت قرات قرآن چند جائز کلمات کہنا آیت اعراف کے منافی نہیں، آیات یہ ہیں، ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا بیتلی علیہم یخرون للاذقان سجدًا ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولاً (نہی سرائل) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعیینہم تفیض من اللعیم متاعرفوا من الحق یقولون ربنا امنّا فاکتبنا مع الشہدین وما لنا لا نؤمن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین (مائدہ) الذین اتیناہم الكتاب من قبلہم بہ یؤمنون واذا بیتلی علیہم قالوا امنا بہ انہ الحق من ربنا انّا کنّا من



قبلہ مسلمین (قصص) ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض جائز کلمات کہنا قرآن کے استماع وانصات کے منافی نہیں، (خیر الکلام ص ۳۶۶)

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ آیت اعراف کا شان نزول بالا جماع قرات خلف الامام ہے آیات بالا میں جو کلمات مذکور ہیں وہ نہ تو حالت نماز میں ہیں اور نہ ہی بحکم قرات قرآن ہیں؛ نیز کیا پوری سورہ فاتحہ صرف چند کلمات ہیں؟ درایت بھی آیات بالا میں مذکورہ کلمات اور قرات فاتحہ میں یہ فرق ہے کہ قرات فاتحہ میں منازعہ قرآن ہے اور ایسے کلمات کہنا جن میں قرآن کریم پر ایمان اور انقیاد کا اظہار ہو منازعہ نہیں بلکہ متابعت قرآن ہے، مثلاً دربار شاہی میں درخواست پیش کرتے وقت سب حاضرین درخواست کا مضمون پڑھنے لگیں تو خلاف ادب ہے اور اگر ایک شخص درخواست پیش کرتا ہے اور دوسرے اس کی تائید میں کچھ کلمات کہیں تو یہ عین ادب ہے،

یہاں تک ان تاویلات رکیکہ کے جوابات تھے جو نص قرآنی و اذ اقویٰ القرآن فاستمعوا له وانصتوا میں کی جاتی ہیں، آگے فرقی مخالف کے بعض الزامات کا حال سنئے، الزامات کی فہرست ذکر کرنے سے قبل ہم یہ حقیقت دوبارہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ آیت اعراف بالا جماع نماز میں قرات خلف الامام سے ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ مفصل بیان اس آیت پر بحث کی ابتداء میں گزر چکا ہے، لہذا نماز سے خارج قرات اور نماز کے اندر غیر مقتدی کی قرات اور نماز میں قرات کے سوا دوسرے اذکار مثلاً ثنار وغیرہ کو یہ آیت شامل نہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد فرقی مخالف کی طرف سے وارد کردہ الزامات از خود بے حقیقت اور باطل ہو جاتے ہیں اب ان الزامات کی فہرست ملاحظہ ہو،

① امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزہ القراءۃ ص ۳۵ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں اقتدار کرنا چاہے کہ امام قرات شروع کر چکا ہو تو لازماً یہ تکبیر تحریم کہے گا اور یہ آیت استماع وانصات کے منافی ہے لہذا آیت مذکورہ پر مانعین فاتحہ خلف الامام کا بھی عمل نہیں،

اس الزام کا بطلان ظاہر ہے کہ تکبیر تحریم نہ قرآن ہے اور نہ ہی نماز کے اندر ہے اس لئے کہ عند الاحناف تکبیر تحریم شرط ہے اور شرط مشروط سے خارج اور اس سے مقدم ہوتی ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزہ القراءۃ ص ۳۵ و ص ۳۶ میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب



القراۃ ص ۱۵۱ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قرات خلف الامام بھی حالت اقتدار میں شمار وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں اس لئے یہ آیت استماع و انصات پر عامل نہ رہے۔

احناف کے ہاں مدرک اس لئے شمار پڑھ سکتا ہے کہ تاحال امام نے قرات شروع نہیں کی اور مسبوق کو امام کی جہری قرات کے وقت شمار پڑھنا جائز نہیں، منیہ میں ہے وروی عن الفقیہ ابی جعفر الہندی فی انہ قال اذا ادرك الامام فی الفاتحة یشئ بالاتفاق، یہ قول بصیغہ تمریف منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ عبارت مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں وان ادرك فی السورۃ یشئ عند ابی یوسف لا عند محمد ذکرہ فی الذخیرۃ وهو بعید اذ لا فصل فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الایۃ بین الفاتحة وغیرہا بل الاصح هو القول الاول انہ لا یأتی بہ مطلقا لاطلاق النص (کبیر ص ۲۹۵) البتہ سری قرات کے ساتھ شمار پڑھنے کی اجازت ہے، اسکا جواب وہی ہے کہ منصوب مانعت صرف قرات قرآن سے ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقرؤا بشئ من القرآن قاضی شوکانی فرماتے ہیں وظاہر التقید بقولہ من القرآن یدل علی انہ لا بأس بالاستفتاء حال قراءۃ الامام بما لیس بقراءۃ والتعوذ والدعاء (نیل الاوطار ص ۲۴ ج ۲) اور نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، وایں روایات (فلا تقرؤا بشئ من القرآن وغیرہا) ونحو آن دلالت دارند برآنکہ منہی عنہ نزد قرات امام ہماں قرآن کریم ست فقط واما قراۃ توجہ واستعاذہ ونحو آن پس لا بأس بہ است ومنہی متناول آن نیست ومنہ بوجہ از وجہ بر آن دلالت دارد (دلیل الطالب ص ۲۹۲) مولانا عبد الصمد صاحب بھی اعلام الاعلام ص ۱۹۲ میں یونہی تحریر فرماتے ہیں، روایات کے علاوہ درایت بھی یہ امر معقول ہے کہ قرات امام کے وقت مقتدی کے لئے صرف قرات ممنوع ہے شمار وغیرہ سے مانعت نہیں، اس لئے کہ سورہ فاتحہ میں امام سب مقتدیوں کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہے لہذا مقتدیوں کا ساتھ پڑھنا خلاف ادب ہے، بخلاف شمار وغیرہ کے کہ وہ دربار میں دخول کے وقت ابتدائی سلام و آداب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان امور میں وکالت و نمائندگی نہیں ہوتی بلکہ انکی ادائیگی سب حاضرین پر لازم ہوتی ہے۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزر القراۃ ص ۱۵۱ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراۃ ص ۱۵۱



میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قراۃ خلف الامام کے نزدیک امام کی قراۃ مقتدی کے لئے کافی ہے مگر شمار وغیرہ میں امام کفایت نہیں کرتا اس سے ثابت ہوا کہ انکے نزدیک فرض سے غیر فرض کی اہمیت زیادہ ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ درایت کا مقتضی بھی یہ ہے کہ وکالت اور نمائندگی صرف درخواست پیش کر نہیں ہوتی ہے، آداب بجالانے میں نہیں، ان اکابر سے گزارش ہے کہ کیا آپکے ہاں سورۃ فاتحہ کے سوا باقی پورے قرآن کی اہمیت شمار وغیرہ سے کم ہے کہ سورۃ فاتحہ سے زائد قراۃ سے منع فرماتے ہیں اور شمار وغیرہ کا حکم دیتے ہیں،

قرآن، حدیث اور عقل سلیم کے اس فیصلہ کو خود آپکے گھرانے میں سے قاضی شوکانی، نواب صاحب اور مولانا عبدالصمد بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں،  
 (۴) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزہ القراۃ ص ۱ میں فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو احناف کے ہاں اس سے قریب ہی سنتیں پڑھنا جائز ہے، یہ آیت استماع والنصات کے منافی ہے،

یہ الزام اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شخص تا حال امام کی اقتدار میں داخل نہیں ہوا۔  
 (۵) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۴۲ ج ۲ میں بحوالہ کفایہ ص ۶۱ و شرح وقایہ ص ۱۱۱ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک جب خطیب کیا تھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سامعین کو آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے حالانکہ آیت اعراف خطبہ کو بھی شامل ہے، یہ الزام بھی غلط ہے، اسلئے کہ یہ تحقیق تفصیل سے گزر چکی ہے کہ آیت اعراف بالاجماع قراۃ خلف الامام سے متعلق نازل ہوئی ہے، نزول آیت کے وقت خطبہ کا تو وجود ہی نہ تھا حالت خطبہ میں سکوت کا حکم حدیث پر مبنی ہے، البتہ چونکہ خطبہ بھی دو رکعت نماز کے قائم مقام اسلئے بعض حضرات نے اسکو بھی آیت اعراف کے عموم الفاظ میں داخل قرار دیا ہے، علاوہ ازیں مذہب حنفی میں محقق اور مفتی بہ قول کے مطابق حالت خطبہ میں سامعین کے لئے درود شریف آہستہ پڑھنا بھی جائز نہیں قال فی الخانیۃ و مشایخنا قالوا بانہ لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع وینصت لان الاستماع فرض والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ممکن بعد هذه الحالة (خانیۃ ص ۱۶) وقال العلامة ابن غابدین رحمہ اللہ



تعالیٰ تحت (قوله یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قلبا  
اثمار الامری الانصا والصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم كما فی الکریانی قہستانی قبیلہ باب الامامة واقصر فی  
الجہوزۃ علی الاخیر حیث قال ولہ یطوق بہ لانہا تدرک فی غیر ہذا الحال والسماع یفوت (رد المحتار ج ۱)

## خاتمۃ الکلام

مسئلہ قرأت خلف الامام پر لکھنے سے قبل بندہ نے اسپر غور کیا کہ اگر اس مسئلہ سے متعلق کسی  
دوسرے عالم کا کوئی ایسا رسالہ مل جائے جو جامعیت کے ساتھ مختصر بھی ہو تو بجائے اسکے کہ میں کوئی  
جدید رسالہ لکھنے پر محنت کروں سائلین کو اسی رسالہ سے استفادہ کا مشورہ دیدیا جائے، مگر اس  
صفت کا کوئی رسالہ اس وقت میری نظر میں نہیں تھا، مولانا محمد سر فراز خاں صاحب صفدر کی کتاب  
احسن الکلام اس موضوع پر تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے مگر بہت طویل ہے،  
اسلئے میں نے اپنے درس صحیح بخاری کی تقریر کو سامنے رکھ کر اس پر بقدر ضرورت مزید تحقیق کا کام  
شروع کر دیا، اضافات میں احسن الکلام طبع دوم سے بھی مدد لی گئی ہے، اس میں جن کتابوں  
کے حوالے دیئے گئے ہیں انکی مراجعت سے ثابت ہوا کہ حوالجات کی تحریر میں کتابت کی غلطیاں  
بہت ہیں، جہاں بدوں کاوش غلطی کا علم ہو گیا اسکی اصلاح کر دی ہے ورنہ ویسے ہی نقل کر دیئے ہیں  
لہذا اہل علم کہیں حوالہ میں جلد یا صفحہ کی غلطی پائیں تو اسکو احسن الکلام میں کتابت کی غلطی پر محمول فرمایا  
مصنف پر اعتماد ہے کہ انھوں نے جس مضمون کی جس کتاب کی طرف نسبت کی ہے وہ صحیح ہوگی۔

نصوص قرآنیہ کی بحث قریب التکمیل تھی کہ اچانک حضرت مولانا طفر احمد صاحب قدس سرہ کا  
رسالہ فاتحۃ الکلام نظر سے گزرا جو بظاہر میرے مقصد کی مطابقت ہے لہذا میں اپنے رسالہ کو ہمیں ختم  
کرتا ہوں اور مسئلہ زیر بحث سے متعلق احادیث کی بحث، احناف کے دلائل اور فرقی مخالف کے  
دلائل کے جوابات کی تفصیل فاتحۃ الکلام پر محمول کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُمت  
مسلمہ کو فروعی مسائل میں الجھنے اور مجتہد فیہ امور میں دماغ و قلم کی صلاحیتیں اور طاقتیں صرف  
کرنے اور آپس میں دست و گریبان ہونے کی بجائے دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں اور الحاد  
و اباحت کے فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کے لئے متحدہ مساعی کی توفیق عطا فرمائیں اور  
اشد اء علی لکفلہم رحماء بینہم کا مصداق بنائیں، آمین فقط واللہ المستعان

رشید احمد

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۸ھ یوم الجمعہ



فائحة الكلام

في القراءة

خلف اللام

بجواب

تكميل السريان

في قراءة

أم القرآن

تأليف

حضرة مولانا ظفر حسن صاحب انوار الله تعالى



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مقتدی اور سورۃ فاتحہ کی قرارت حنفی مذہب کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں

تمہید :

بعد الحمد والصلوة میرے پاس ایک دوست نے رسالہ تکمیل البرہان فی قراءۃ ام القرآن ڈاک سے بھیجا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنف رسالہ نے امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض لازم قرار دیا ہے اور اپنے نزدیک اس کو اجماعی مسئلہ فرض کیا ہے۔ چونکہ اس سے مذہب حنفی کی تخفیف مترشح ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل بیان کر دیئے جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں بے دلیل کوئی بات نہیں کہتے بلکہ کتاب و سنت کی دلیل سے کہتے ہیں۔ دلائل حنفیہ بیان کرنے کے بعد ان الزامات کا جواب بھی انشاء اللہ دیا جائے گا جو اس رسالہ میں حنفیہ پر وارد کئے گئے ہیں واللہ المستعان وعلیہ التکلیف حسبن اللہ ونعم الوکیل۔

① قال اللہ تعالیٰ واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۵  
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو (اچھی طرح) سناؤ اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔  
ابوداؤد صاحب سنن نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ سب لوگ اسی پر ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، محمد بن کعب اور زہری سب یہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید بن اسلم اور ابو العالیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرارت لازم نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز بغیر قرارت کے صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک۔ اہل عراق میں سفیان ثوری۔ اہل شام میں اوزاعی۔ اہل مصر میں لیث بن سعد



ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب امام قرات کر رہا ہو اور مقتدی قرات نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۶)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن احادیث سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرات کو فرض بتایا جا رہا ہے وہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ منفرد اور امام کے حق میں ہیں مقتدی کے بارے میں نہیں ہیں جیسا آئندہ واضح ہو جائے گا۔

مفسر ابن جریر طبری نے مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہم نماز کے اندر ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ سلام علی فلان، سلام علی فلان، پھر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

(۲) (۳) ابن جریر نے ابو عیاض سے روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ لوگ نماز میں کلام کیا کرتے تھے تو جب یہ آیت نازل ہوئی و اذا قرئ القرآن اور دوسری آیت تو مواللہ قانتین تو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا۔ دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں۔

یسیر بن جابر سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرات کرتے ہوئے سنا تو نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تمہارے لئے اسکا وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو، کیا اسکا وقت نہیں آیا کہ جان لو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اس کو بھی امام طبری نے روایت کیا ہے اور اسکے سب راوی ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے۔

(۴) امام بیہقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرات کر رہے تھے تو آپ نے ایک انصاری نوجوان کی قرات سنی تو یہ آیت نازل ہوئی و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ بیہقی نے اسکی سند پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ مرسل ہے اور یہ مرسل ہمارے یہاں حجت ہے اور جب اسکی تائید دوسرے مراسیل وغیرہ سے ہو جائے تو سب کے نزدیک حجت ہے۔ مفسر طبری نے اسی کے موافق زہری سے بھی مرسل روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھتے تو ایک انصاری نوجوان بھی ساتھ ساتھ پڑھتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔

(۵) حافظ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن قرہ سے روایت کیا ہے کہ میں



نے بعض صحابہ سے دریافت کیا عبد الرحمن مسرونی (راوی) کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن مغفل ہیں۔ اُن سے میں نے کہا، کیا ہر شخص پر جو قرآن سُنے اسکا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے فرمایا کہ یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو سنو اور خاموش رہو۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صرف ابوالمقدام ضعیف ہے مگر اس سے وکیع اور زید بن الحباب و نصر بن شمیل و زید بن ہارون جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں (تو وہ ایسا ضعیف نہیں جسکی روایت رد کر دی جائے خصوصاً جبکہ اسکی تائید میں بہت سے آثار موجود ہیں) امام بیہقی نے ابو العالیہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرأت کرتے صحابہ بھی قرأت کرتے تھے تو آیت نازل ہوئی فاستمعوا له وانصتوا (حضور کی قرأت کو سنو اور خاموش رہو) پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے (جزء القراءة ص ۷۷) بیہقی نے اسکی راویوں پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ منقطع (یعنی مرسل) ہے اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔ (۶) امام بیہقی نے جزء القراءة میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومن قرآن کی طرف کان لگانے وسعت میں ہے (چاہے سُنے یا نہ سُنے) مگر نماز فرض میں اور جمعہ وعید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن یعنی (ان نمازوں میں) جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن کو سنو اور خاموش رہو ص ۷۳ (ف) ابن عباس کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ قرأت کا سننا واجب نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول حنفیہ کا بھی اسکی موافق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی قرأت قرآن کے لئے خاموش رہنا اور سننا واجب ہے اس میں احتیاط ہے کیوں کہ آیت قرآن کا شان نزول اگرچہ قرأت خلف الامام ہے مگر الفاظ مطلق ہیں۔

(۷) محمد بن کعب قرظی (امام تفسیر و حدیث) سے روایت ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۃ اعراف کی آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جزء القراءة ص ۷۷) بیہقی نے اس کی سند میں کوئی علت بیان نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے۔

(ف) مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق متعدد آثار بیان کر کے فرمایا ہے کہ سب اقوال میں صحت و صواب کے زیادہ قریب ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں عہ ان تمام آثار و احادیث کی جو اس مضمون میں مذکور ہیں سندوں کی مفصل تحقیق اعلاء السنن میں مذکور ہے جسکو شوق ہو ایسی دیکھ لے



مقتدیوں کو نماز میں قرآن سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب امام قرات کرے اور لوگ اس کے پیچھے اقتدار کر رہے ہوں اور خطبہ سننے کا امر کیا گیا ہے۔ ہم نے اس قول کو زیادہ صحیح اس لئے کہا ہے کہ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اذا قرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور سب (علماء) کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ امام سے سُنے اس پر سنتا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ اجماع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں بھی بتواتر اسکا امر وارد ہے اور ان دو حالتوں کے سوا اور کسی حالت میں قرآن کا سنتنا اور قرات کے لئے خاموش رہنا واجب نہیں اگرچہ ایک صورتیں اختلاف ہے، جبکہ مقتدی امام کے پیچھے ہو (بعض علماء اس پر خاموش رہنے کو واجب نہیں کرتے بلکہ قرات فاتحہ کو واجب کہتے ہیں) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح میں ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام قرات کرے خاموش رہو۔ پس امام کے پیچھے اس کی قرات کے لئے خاموش رہنا ان لوگوں پر واجب ہے جو اس کے مقتدی ہوں اور قرات سُن رہے ہوں۔ بوجہ ظاہر قرآن کے عموم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور کے ص ۲۹ ج ۹

اس تقریر سے یہ امر واضح ہے کہ امام ابن جریر طبری جن کو شافعی المذہب کہا جاتا ہے۔ نماز جہری میں مقتدی کے ذمہ قرآن سننے اور خاموش رہنے کو واجب سمجھتے ہیں اور نماز سری میں قرات مقتدی کو جائز سمجھتے ہیں اور زیادہ اختلاف نماز جہری میں ہے۔ نماز سری میں زیادہ اختلاف نہیں، جیسا آئندہ واضح ہو جائیگا اگرچہ حنفیہ کے پاس اس کے بھی دلائل موجود ہیں کہ سری نماز میں بھی مقتدی کو امام کے پیچھے قرات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن میں دو حکم ہیں ایک استمعوا (کہ امام کی قرات کو سنو) یہ تو جہری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا حکم ہے انصتوا (کہ قرات امام کے وقت خاموش رہو) یہ جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس اگر مقتدی سری نماز میں حکم استماع پر عمل نہیں کر سکتا تو حکم انصات پر تو عمل کر سکتا ہے اس کو کس لئے ترک کرتا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث و آثار بھی آئندہ بیان کئے جائیں گے جن سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے مطلقاً خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہے خواہ جہری ہو یا سری۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جن صحابہ یا تابعین نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ کے شان نزول میں خطبہ جمعہ کا ذکر کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں خطبہ جمعہ کو بھی اس آیت کے تحت داخل کر لیا گیا ہے کیونکہ جملہ مفسرین و قرار و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے



کہ سورۃ اعراف مکی ہے۔ بیضادی نے صرف آٹھ آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو اذنتنا الجبل سے شروع ہوتی ہیں جن میں یہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ داخل نہیں۔ یہ بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا نہ وہاں جمعہ کا خطبہ ہوا تو اس کو شان نزول میں کیسے بیان کیا جاسکتا ہے؟ پس صحیح یہی ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کا حکم بھی نماز کی طرح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے دنیوی بات کرنے یا جہر کے ساتھ قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا درست نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آیت کے الفاظ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ آیت میں انصات کا حکم ہے جس کے معنی بالکل خاموش رہنے کے ہیں جو فاتحہ سے بھی خاموش رہنے کو مقتضی ہے پھر ہم پوچھتے ہیں کیا امام بیہقی خطبہ کی حالت میں آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور تسبیح وغیرہ پڑھنے کی اجازت دیدیں گے؟ اگر نہیں تو وہاں اس آیت سے مطلقاً خاموشی واجب ہونے پر استدلال کیونکر صحیح ہو گیا اگر اجازت دیں گے تو ان کے مذہب کے بھی خلاف ہو گا اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔ خطبہ جمعہ میں کسی کے بھی نزدیک خطبہ سننے والے کو ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا جائز نہیں نہ آہستہ نہ زور سے پس حیرت ہے کہ خطبہ میں تو مطلقاً ذکر وتلاوت وغیرہ کو منع کیا جائے سرّاً بھی اور جہراً بھی اور نماز میں قرأت سرّیہ کو جائز کہا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ آیت اعراف و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کا نزول قرأت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خطبہ کے لئے احادیث میں انصات کی تاکید ہے تو ہم کہیں گے کہ نماز کے اندر مقتدی کو انصات کی تاکید قرآن میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

(۸) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا قرأ (ای الامام) فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا حدیث صحیح ہے امام احمد نے بھی اس کو صحیح کہا ہے جیسا حافظ ابن عبد البر نے تمہید میں بیان کیا اور امام ابو جعفر طبری کا قول گزر چکا، وقد صح الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں امام مسلم کی سند سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ



جب تم نماز کو کھڑے ہو تو ایک آدمی امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ صحیح ابو عوانہ میں اس حدیث کو عبد اللہ بن رشید سے ابو عبیدہ (مجاہد بن زبیر عتقی) سے قتادہ سے یونس ابن جابر سے حطان بن عبد اللہ رقاشی سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے تو آمین کہو۔ اس میں سلیمان تیمی کی متابعت ابو عبیدہ نے کی ہے وہ بھی قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذاقرا الامام فانصتوا روایت کر رہا ہے اور ابو عبیدہ ثقہ ہے انساب سمعانی میں عبد اللہ ابن رشید اور ابو عبیدہ دونوں کو مستقیم الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح واذاقرا فانصتوا روایت کیا ہے۔ عمر بن عامر امام مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد سالم بن نوح بھی رجال مسلم میں ہے۔ امام مسلم اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ پس بعض محدثین کا یہ کہنا کہ قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمی نے اس حدیث میں اذاقرا الامام فانصتوا زیادہ کیا ہے غلط ہے۔ قتادہ کے تین شاگردوں نے جو ثقہ ہیں سلیمان تیمی کی موافقت کی ہے۔ پھر امام مسلم سے جب ان کے شاگرد نے سوال کیا کہ اس حدیث میں اذاقرا فانصتوا صحیح ہے؟ امام مسلم نے جواب دیا تریدا حفظ من سلیمان کیا تم سلیمان سے بڑھ کر حدیث کا حافظ چاہتے ہو؟ یعنی وہ کامل الحفظ تام الحفظ تام الضبط ہے اس کا تفرد مضر نہیں (اگرچہ وہ منفرد بھی ہوتا حالانکہ وہ اس زیادت میں منفرد نہیں اس کی متابعت و موافقت کرنے والے دوسرے حفاظ ثقات بھی ہیں)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ سو جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمد کہے تو ربنا اللہ الحمد کہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسکو صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد ابن حنبل اور ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (جو ہر نقی)

(ف) پس امام ابو داؤد کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں واذاقرا فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں۔ ہمارے نزدیک ابو خالد نے وہم کیا ہے۔ صحیح نہیں کیونکہ ابو خالد احمر مسلم و بخاری کے رجال میں سے ہیں دونوں اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ پھر ابو خالد احمر کی متابعت بھی موجود ہے



محمد بن سعد انصاری نے بھی ابن عجلان سے اس حدیث کو ابو خالد احمر کی طرح اذاقراً فانصتوا کیساتھ روایت کیا ہے۔ سنن نسائی میں یہ متابعت موجود ہے اور امام نسائی نے محمد بن سعد کی توثیق کی ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پس انصاف یہ ہے کہ اس حدیث میں بجز ان لوگوں کے جو قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں کسی نے جرح نہیں کی اور اصول حدیث کے لحاظ سے انکی جرح صحیح نہیں کیونکہ اول تو اصولی طور پر زیادت ثقہ مقبول ہے دوسرے جس راوی کو زیادت میں منفرد کہا جا رہا ہے اسکی متابعت دوسرے ثقات نے بھی کی ہے۔ اب سمجھنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس کو سنا جائے۔ یہی سورۃ اعراف کی آیت اذ اقروا القرآن فاستمعوا له وانصتوا کامدلول ہے۔ یہی دوسری آیت واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروه قالوا انصتوا (سورۃ الجن) یہی تیسری آیت لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه (قال ابن عباس فی تفسیرہ فاستمع له وانصت كما فی البخاری) کامدلول ہے۔ اسی مفہوم کو ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جو احادیث نص قرآن کے موافق نہ ہوں ایسی احادیث میں تاویل لازم ہے اگر سند صحیح ہو ورنہ رد کر دیا جائے گا اگر سند ضعیف ہو۔

چنانچہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جتنا حصہ صحیح ہے یعنی لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب "اُس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے" اس میں مقتدی یا امام کا کوئی ذکر نہیں اور اس کو سفیان بن عیینہ اور زہری راوی حدیث اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے امام اور منفرد پر محمول کیا ہے کیونکہ امام مالک نے موطا میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے موقوفاً اور امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے من صلی رکعة لم یقرأ لے (ترجمہ) اور جب ہم نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا کہ قرآن سنیں جب وہ قرآن سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے خاموش رہو ۱۷ (نزد دل وحی کے وقت) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد کریں ہمارے ذمہ ہے اسکا (اچھے دل میں) جمادینا اور اسکا پڑھا دینا تو جب ہم (بزبان جبریل) قرآن پڑھیں تو اسکے پڑھنے کا اتباع کیجئے۔ عبد اللہ بن عباس نے اتباع کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سنیے اور خاموش رہیے (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ اسی طرف کان لگائے اور خاموش رہے۔



فیہا بام القرآن فلم یصل الا دراء الامام جس نے کوئی نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے ہو تو نماز ہو جائے گی۔ پہلی روایت کی سند صحیح اور دوسری کی حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دیکھو جابر بن عبد اللہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا صلوة لمن لم یقرأ بقاۃ الکتابے۔ جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو (ترمذی) مقتدی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے اور حدیث عبادہ کے جس حصہ سے امام کے پیچھے قرات ثابت کی جاتی ہے اس کی صحت میں محدثین کو کلام ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہو گا تو اس کو رد کیا جائے گا کیونکہ وہ نص قرآن اور حدیث کے خلاف ہے یا اس میں تاویل کی جائیگی۔

(۱۰) حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص آپ کے پیچھے سبھ اسم ربک الاعلیٰ پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے (قرارت کی) فرمایا میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرارت میں منازعت کر رہا ہے۔ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔

(فے) اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک یہی معلوم تھا کہ صحابہ آپ کے پیچھے قرات نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۃ اعراف میں قرات خلف الامام سے منع کر دیا تھا جب کسی نے قرات کی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ قرات کرنے والا کون تھا؟ اگر قرات خلف الامام جائز ہوتی تو اس سوال کی کوئی وجہ نہ تھی، رہا یہ کہ اس شخص نے سبھ اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تھی اس لئے تنبیہ کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہ سمجھتے تھے ورنہ یہ صحابی سورۃ فاتحہ کی جگہ دوسری سورت کیوں پڑھتا؟ ان کے نزدیک فاتحہ اور غیر فاتحہ سب برابر تھے۔ اگر فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر واجب ہوتا تو آپ صرف اتنی بات پر کفایت نہ فرماتے کہ میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرات میں منازعت کر رہا ہے بلکہ صاف فرما دیتے کہ سبھ اسم ربک الاعلیٰ نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔ اور امام بیہقی نے حضرت عمران کی جس روایت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے وہ موقوف ہے اور اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے جس کو اکثر محدثین نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے اس کی روایت سے حجت لانا انصاف سے بعید ہے۔



(۱۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کرتے تھے تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو مخلوط کر دیا (یعنی میری قرات میں خلط ملط کر دیا، اسکی سند بزار کے یہاں عمدہ ہے اور مسند احمد میں اسکی راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(ف) اس میں بھی مقتدیوں کی قرات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا صریح ہے، اور امام بیہقی کی یہ تاویل کہ لوگ زور سے قرات کرتے ہونگے کیونکہ امام کی قرات میں خلط اسی وقت ہو سکتا ہے صحیح نہیں کیونکہ اول تو صحابہ کا حضور کے پیچھے زور سے قرات کرنا بہت بعید ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلم نہیں کہ آہستہ قرات سے امام کو خلجان نہیں ہوتا۔ یقیناً اصحاب قلوب کو آہستہ قرات سے بھی خلجان ہوتا ہے پھر آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا سے مقتدی کے ذمہ سکوت کا واجب ہونا واضح ہے کہ اسکو نہ زور سے پڑھنے کی اجازت ہے نہ آہستہ۔ کیونکہ اسی آیت اور احادیث انصات للخطبہ سے تمام فقہاء نے خطبہ کے اندر مقتدیوں کو قرات اور ذکر سے مطلقاً منع کیا ہے کہ نہ آہستہ قرات کریں نہ زور سے پھر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ خطبہ میں تو مطلقاً سکوت کو واجب کہا جائے اور نماز میں زور سے قرات کو منع کیا جائے اور آہستہ قرات کی اجازت دیجائے حالانکہ بالاتفاق یہ آیت قراءۃ خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا اوپر گزر چکا۔

(۱۲) حسن بن صالح ابو الزبیر حضرت جابر بن عبد اللہ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل من کان له امام فقرأتہ له قراءۃ۔ جس کسی کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے۔ اس کو امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے (مصنف میں) روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوالحسن موسیٰ بن ابی عاکشہ سے عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سند صحیح ہے اور امام ابن الہمام نے اور محمد بن منیع نے کہا ہے کہ یہ سند شرط شیخین پر صحیح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد نے اسکو مفصلاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرات کی اسکی پنس والے نمازی نے اس کو دبا دیا۔ نماز کے بعد اس نے پوچھا تو نے مجھے کیوں دبایا؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے تھے تو میں نے اس کو مکروہ سمجھا کہ تو حضور کے پیچھے قرات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی تو فرمایا من کان له امام فان قراءتہ له قراءۃ۔ جس کے لئے کوئی امام ہو



تو اس کی قرأت یقیناً اس کے لئے قرأت ہے“ اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حافظ احمد ابن منیع نے بھی اپنی مسند میں امام سفیان ثوری اور شریک (عبداللہ بن نخعی) سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کیلئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔ اور بزار کی طرح عبد بن حمید نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کو حسن بن صالح کے واسطہ سے ابوالزبیر سے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے (فتح القدیر) اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر سے یہ حدیث مشہور ہے (التلخیص الجیر ص ۸) پس دارقطنی کا یہ کہنا کہ ”اس حدیث کو دیگر ثقات نے مرسل روایت کیا ہے۔ صرف (امام) ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ نے موصولاً روایت کیا ہے اور مرسل ہی صواب ہے“ غلط ہے۔ کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کو امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ نخعی نے بھی امام ابو حنیفہ کی طرح موصولاً روایت کیا ہے۔ امام سفیان ثوری بالاتفاق ثقہ اور حجت ہیں اور شریک بن عبداللہ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور حسن بن عمارہ محمد بن اسحاق سے کسی طرح کم نہیں۔ پس تین راویوں کی متابعت کے بعد یہ کہنا کہ یہ روایت موصولاً صحیح نہیں اصول کی خلاف ورزی ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ تنہا بھی کسی حدیث کو مرفوعاً روایت کریں تو حجت ہے۔ کیونکہ ان کا جو درجہ علماء امت میں ہے کسی پر غفنی نہیں۔ رہا بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے یہ تو معلوم نہ ہوا کہ مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرأت کرنا واجب نہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ممانعت کیلئے سورہ اعراف کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا اور پر گزر چکی جس میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث سے مقتدی کے لئے امام کی قرأت کی وجہ سے ایک قرأت شرعاً ثابت ہو گئی اگر وہ خود بھی قرأت کرے گا تو اس کی دو قرأتیں ایک نماز میں ہو جائیں گی اور یہ مشروع نہیں۔

(۱۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے فرمایا ہاں۔ تو جماعت میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میرے نزدیک جب امام قرأت کرے تو وہ (سب کے لئے) کافی ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند



حسن ہے (مجمع الزوائد) مطلب یہ کہ ہر شخص پر قرارت واجب نہیں بلکہ جس کا کوئی امام نہوا سپر واجب ہے کیونکہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی سند صحیح کے ساتھ سنن مجتبیٰ میں روایت کیا ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً درست نہیں بلکہ یہ ابوالدرداء کا قول ہے (یعنی حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں) دارقطنی نے کہا اس حدیث کو زید بن حباب اور ابوصالح کاتب اللیث نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ خطا ہے۔ صواب یہ ہے کہ ابوالدرداء کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ زید بن الحباب سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور احمد بن حنبل اور ابن المذنی وغلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابوصالح کاتب اللیث سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے اس کو ثقہ مأمون اور ابن القطان نے صدوق حسن الحدیث کہا ہے (بہت سچا ہے اس کی حدیث حسن ہے) تو جس حدیث کو ایسے راوی مرفوع کریں محققین کے نزدیک اسکو مرفوع ہی کہا جائے گا۔ پھر ہمارے نزدیک حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ کم از کم اس سے ان صحابہ کا عدد تو زیادہ ہو گیا جو قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۴) عطار بن یسار سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرارت (کرنے) کو دریافت کیا تو فرمایا امام کے ساتھ کسی حالت میں قرارت نہیں اسکو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سجود تلاوت کے باب میں روایت کیا اور طحاوی نے بھی صحیح سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرارت نہ کر و۔

(فے) حضرت زید بن ثابت صحابی کافتویٰ صراحۃ امام ابوحنیفہ کا مؤید ہے کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا چاہیے جو سورۃ فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو عام ہے۔

(۱۵) امام مالک نے موطا میں وہب بن کيسان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز ہو جاتی ہے) اس کی سند صحیح ہے ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور طحاوی نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ واجب نہیں اور اسمیں بیقی کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرارت سے مراد جہر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اسمیں سورۃ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام



کے پیچھے زور سے نہ پڑھے تو لازم آئے گا کہ تنہائی میں نماز پڑھنے والے پر سورہ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التعمید میں فرمایا، ثبت عن علی وسعد وزید بن ثابت انہ لا قراءۃ مع الامام لا فیما استر ولا فیما جہر۔

(المجوہر النقی ص ۱۵۶ و ۱۵۷)

حضرت علی اور سعد (بن ابی وقاص) اور زید بن ثابت سے ثابت ہو چکا ہے کہ (ان کے نزدیک) امام کے ساتھ قرات نہیں نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔

(۱۶) امام مالک نے نافع سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے جب پوچھا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرات کی جائے تو فرماتے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اسے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرات کرنا چاہیے۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے (موطا) اور اس کی سند صحیح الاسانید ہے۔ (یعنی بہت صحیح ہے)

(۱۷) ابوداؤد سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس حاضر ہوا اور کہا، میں امام کے پیچھے قرات کر لیا کروں؟ فرمایا، قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے ادا و نواہی اور وعد و وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قرات کے بارے میں) امام کافی ہے اس کو طبرانی نے کبیرہ اوسط میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور طحاوی نے بھی سند صحیح سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزر القراۃ میں علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا امام کے پیچھے قرات نہ کرو کیونکہ اسکی قرات تمہارے لئے بھی قرات ہے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ امام کے پیچھے کسی نماز میں خواہ وہ جہری ہو یا سری نہ سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور نہ اور کوئی سورت اور نہ عبداللہ بن مسعود کے دوسرے اصحاب۔ عبداللہ بن مسعود کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے یہی مذہب ان کے اصحاب علقمہ واسود وغیرہ کا ہے۔ اسی پر ابراہیم نخعی کا عمل تھا (حوالہ روایات کے لئے اعلیٰ السنن ملاحظہ ہو)

(۱۸) عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہم) سے (امام کے پیچھے قرات کرنے کو) دریافت کیا سب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرات نہیں کی جاتی۔ اسکو امام طحاوی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔



(۱۹) ابو جبرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے (قرأت کرتا) ہو تو کیا میں بھی قسرات کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

(۲۰) علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کاش اس شخص کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

(۲۱) عون (ابن عبد اللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم کو امام کی قرأت کافی ہے خواہ اخفا کرے یا جہر کرے اسکو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا (اسکی سند میں) عاصم قوی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے علی بن المدینی شیخ البخاری جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں اور معن بن عیسیٰ نے اسکو ثقہ کہا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے اور ایسے راوی کا روایت کو مرفوع کہنا اصول حدیث کے موافق مقبول ہے۔

(۲۲) امام شعبی نے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا پھر شعبی سے حادث سے حضرت علی سے (موصولاً) روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ حضور نے فرمایا بلکہ خاموش رہو۔ کیونکہ امام تم کو کافی ہو جائیگا۔ پھر موصول کو ضعیف بتا کر کہا کہ مرسل جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں مرسل خفیفہ کے یہاں حجت ہے خصوصاً شعبی کا مرسل کہ وہ تو محدثین کے نزدیک صحیح ہے اور جب مرسل کی تائید موصول سے ہو جائے تو پھر بالاتفاق حجت ہے اگرچہ موصول ضعیف بھی ہو جیسا کہ مقدمہ اعلام السنن میں بحوالہ شرح النخبۃ تدریب الراوی وغیرہ بیان کر دیا گیا ہے۔

(۲۳) عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ (امام المغازی سے) مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر (صدیق) اور حضرت عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (عمدۃ القاری) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے۔

(۲۴) عبد اللہ بن وہب نے یحییٰ بن عبد اللہ بن سالم عمری اور یرید بن عیاض سے مرسل



روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لئے کوئی امام ہو اور یہ اسکی اقتدار کر رہا ہو تو اس کے ساتھ قرات نہ کرے کیونکہ امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے۔ اس کو امام بیعتی نے جزر القراءۃ میں روایت کیا اور فرمایا یحییٰ بن عبد اللہ میں نظر ہے اور یزید بن عیاض پر جملہ محدثین نے جرح کی ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث کا مدار یزید بن عیاض پر نہیں اس کے ساتھ یحییٰ بن عبد اللہ بھی ہے اور وہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس یحییٰ کا مرسل صحیح ہے۔ یزید بن عیاض کے مجروح ہونے سے اس کو کوئی ضرر نہیں اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

(۲۵) امام مالک نے ابن شہاب (زہری) سے ابن اکیمہ لیثی سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ نے قرات جہر سے کی تھی فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قرات کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں! یا رسول اللہ میں نے قرات کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ یہ کون مجھ سے قرات کو چھین رہا ہے (یعنی قرات میں منازعت کر رہا ہے) جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اس نماز میں قرات کرنے سے رک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر سے قرات کرتے تھے اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعی نے مسند میں اور ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن کہا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ امام مالک کا اس کو سند موصول سے روایت کرنا صحت کے لئے کافی ہے۔ اس پر بعض محدثین کا یہ جرح کرنا کہ فانتہی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ الخ کہ ”لوگ جہری نماز میں قرات کرنے سے رک گئے الخ زہری کا قول ہے صحابی کا قول نہیں“ قابل تسلیم نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد میں اس حدیث کو معمر نے زہری سے روایت کیا ہے اور صاف کہا ہے قال ابو ہریرۃ فانتہی الناس عن القراءۃ الخ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ سب لوگ حضور کے پیچھے قرات کرنے سے رک گئے الخ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ اس سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثقات اثبات میں سے ہے۔ پس اصول حدیث کے موافق معمر کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر اگر زہری کا قول مان لیا جائے تو وہ سیر و منازی کا امام اور اخبار زمانہ رسالت کا خوب جاننے والا ہے۔ اس باب میں اس کا قول حجت ہے اس سے قطعاً معلوم ہو گیا کہ اس واقعہ کے بعد تمام صحابہ نے حضور کے پیچھے جہری نماز میں قرات کرنا ترک کر دیا تھا۔

(ف) اس حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔



(۱) جو لوگ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہ کرتے تھے اور نہ آپ کو اس کا علم تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کی ضرورت نہ ہوتی کہ کیا کسی نے اس وقت میرے پیچھے قرات کی ہے۔

(۲) سب صحابہ امام کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرات نہ کرتے تھے کیونکہ حضور کے دریافت کرنے پر صرف ایک شخص نے جواب دیا کہ میں نے قرات کی ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی قرات پر انکار فرمایا جس سے سب لوگ جہری نمازوں میں قرات سے باز آ گئے۔

(۴) ساری نمازوں میں اس کے بعد بھی کچھ لوگ قرات کرتے ہونگے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا جیسا عبد اللہ بن شداد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کی۔ ایک صحابی نے اسکو اشارہ سے روکا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے لئے امام ہو اس کے واسطے امام کی قرات کافی ہے۔

(۲۶) انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دریافت کیا کہ میں امام کے پیچھے قرات کیا کروں؟ فرمایا تو تو بڑے پیٹ کا معلوم ہوتا ہے (یعنی بیوقوف) تجھے امام کی قرات کافی ہے۔ اس کو عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۲۷) زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرات کرنے سے منع فرماتے تھے اس کو بھی عبد الرزاق نے روایت کیا ہے (جو ہر نقی) میں کہتا ہوں اس کی سند بھی صحیح ہے۔

(۲۸) موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت اپنے دادا (زید بن ثابت صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کی نماز درست نہیں۔ اس کو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح نسخہ میں جس طرح ہے امام بیہقی نے اسی طرح امام بخاری سے روایت کر کے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور موسیٰ بن سعد کا اپنے دادا زید بن ثابت سے روایت کرنا ابن حبان اور امام بخاری نے ذکر کیا ہے (تہذیب)

(۲۹) ان تمام آثار سے ثابت ہو گیا کہ اجلہ صحابہ کا اس باب میں وہی قول ہے جو امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ غرض امام ابو حنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرات نہ



کرنا چاہیے قرآن سے بھی ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی اور صحابہ کرام کے اقوال و عمل سے بھی تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بعض لوگ اب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ پر زبان درازی کرتے ہیں اب ہم بتلائیں گے کہ تابعین میں بھی بہت حضرات اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

(۲۹) فضل (ابن دکین) زہیر (ابن معاویہ) سے وہ ولید بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سوید بن غفلہ سے (جو تابعی کبیر ہیں اور بعض نے انکو صحابی بھی کہا ہے) دریافت کیا کہ میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرات کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں، اس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(۳۰) ہشیم ابوبشر (جعفر بن ایاس) سے وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قرات خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرات نہیں ہے۔ اسکو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور سعید بن جبیر تابعی جلیل ہیں۔

(۳۱) محمد بن سیرین سے (جو تابعی جلیل ہیں) روایت ہے انھوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرات کرنے کو سنت نہیں جانتا۔ اس کو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۲) ابراہیم نخعی اسود (تابعی کبیر) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے میں چاہتا ہوں کہ اسکا منہ مٹی سے بھر جائے۔ اسکو عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۳۳) اعمش ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جو اول بدعت ایجاد کی ہے وہ امام کے پیچھے قرات کرنا ہے۔ اس کو بھی عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ (جو ہر نقی)

(۳۴) منصور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قرات کی ہے وہ (دین میں) مہتمم تھا۔ اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

(ف) ابراہیم نخعی فقہار کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرات خلف الامام شروع کی وہ مہتمم تھا۔ ممکن ہے کوئی خارجی یا قدری ہو اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبد اللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرات



نہ کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرارت خلف الامام کرنیوالا مبتدع یا منہم تھا۔

(۳۵) امام ابو حنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کسی نماز میں قرارت نہیں کی نہ جہری میں نہ سری میں نہ سورہ فاتحہ پڑھتے نہ اور کوئی سورت اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔ جامع مسانید الامام میں بھی اسی سند سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور دلائل صحابہ عبد اللہ زیادہ کہا ہے۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود کے اور تمام اصحاب بھی امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے۔ اس کو مسند حافظ ابن خسر و اور آثار محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

(ف) یہ حضرات اجلہ تابعین ہیں۔ جن کی امامت پر علماء اُمت کا اتفاق ہے۔ ان آثار سے معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے، اور بعضے اس کو بدعت اور بعضے اس کو خلاف سنت تک کہتے تھے کیا اب بھی کسی کا یہ منہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ پر زبان درازی کرے۔ جب قرآن سے صحیح حدیثوں سے اقوال صحابہ و اقوال تابعین سے ان کے قول کی پوری تائید اور تقویت ہو رہی ہے۔ اور جن احادیث سے حضرات شافعیہ یا ظاہریہ نے استدلال کیا ہے ان سب کا جواب اعلا السنن میں مفصل دیدیا گیا ہے اور بتلادیا گیا ہے کہ جن احادیث میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید ہے وہ امام اور منفرد پر محمول ہیں۔ مقتدی پر محمول نہیں۔ چنانچہ خود راوی حدیث امام احمد اور سفیان بن عیینہ نے بھی اسی پر حدیث کو محمول کیا ہے اور امام و منفرد کے حق میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک بھی واجب ہے اور جن احادیث میں امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کا ذکر ہے وہ مرفوعاً صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ البتہ بعض صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت کرنا ثابت ہے مگر ان کے خلاف اجلہ صحابہ و اجلہ تابعین سے اس کی مانعت اور نفی بھی ثابت ہے جیسا ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ پس اختلاف صحابہ کی صورت میں ان صحابہ کا قول مقدم اور راجح ہو گا جو آیت قرآن اذ اقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذ اقرأ الامام فانصتوا کے موافق ہو۔ اور جن صحابہ کا قول نص قرآن اور حدیث صحیح کے خلاف ہو اس میں تاویل کی جاسیگی کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے سکتات میں قرارت کرتے ہونگے اور سکتات امام میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے گو واجب نہیں کیونکہ خود امام کے ذمہ سکتات



واجب نہیں۔ اور گو ہمارے نزدیک سری نمازوں میں قرارت نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر قرارت کرے تو جائز ہے کچھ مضائقہ نہیں۔ جن صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت ثابت ہے وہ سری نمازوں میں قرارت کرتے ہونگے۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کرنا امام شافعی کا بھی مذہب نہیں، وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے انکے نزدیک امام کو سورۃ فاتحہ کے بعد اتنا طویل سکتہ کرنا چاہیے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ ہمارے نزدیک ضروری تو نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے اس سکتہ کا وجوب ثابت نہیں۔ لیکن اگر امام سکتہ طویل کرے تو مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

### (۳۶) دلیل اجماعی

امام طحاوی اور موفق بن قدامہ حنبلی نے دلائل کتاب و سنت و اقوال و آثار صحابہ و تابعین بیان کر کے اجماع سے بھی اسکا ثبوت دیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر قرارت فاتحہ واجب نہیں کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پائے اور تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر رکوع میں شریک ہو جائے تو وہ رکعت اس نے پالی ہے حالانکہ اس نے قرارت نہیں کی ہے۔ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں ولا نھا لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ الخ (اور اجماعی دلیل یہ ہے کہ) مقتدی مسبوق پر قرارت فاتحہ واجب نہیں (وہ رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے) تو اس کے سوا اور کسی مقتدی پر بھی یہ قرارت واجب نہ ہوگی جیسے سورت کا پڑھنا واجب نہیں (حالانکہ دلائل حدیث سے ضم سورت کا وجوب بھی ثابت ہے) اگر مقتدی کے ذمہ قرارت واجب ہوتی تو بقیہ ارکان کی طرح مسبوق سے بھی ساقط نہ ہوتی ج ۱ ص ۶۹۔ حافظ ابن عبد البر نے شرح الاستذکار میں فرمایا ہے کہ تمام فقہاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے اور ہاتھ گھٹنوں پر جمادے اس سے پہلے کہ امام سر اٹھائے تو اس نے رکعت پالی ہے یہی مذہب ہے امام مالک کا اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب کا اور سفیان ثوری و اوزاعی و ابو ثور و احمد و اسحاق کا۔ یہی حضرت علی سے اور عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم نے کتاب التعمید میں سند کے ساتھ ان سب کے اقوال بیان کر دیے ہیں۔ غرض اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبد البر امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔



ابن الامیر یحییٰ نے بھی سبل السلام میں عامۃ فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے مگر ظاہریہ نے صرف اسلئے کہ اس صورت میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ اجماع کی خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ رکوع پانے سے مسبوق رکعت کو نہیں پاسکتا کیونکہ اس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی

تضعیف حدیث ابی ہریرۃ متعلق مسبوق

اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے سہارا لے لیا جو امام بخاری نے جزر القراءۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع میں پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کیا جائیگا۔ حالانکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ سے اسکے خلاف روایت موجود ہے جو جمہور ائمت کے موافق ہے حافظ ابن عبدالبر نے شرح موطا میں فرمایا ہے کہ فقہاء انصار میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے۔ اور اس کی سند میں نظر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول خلاف اجماع ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں۔ ہر زمانہ کے فقہاء نے بالاتفاق اس کو رد کر دیا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسکے خلاف ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کر لو اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی رکعت) پالی۔ ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اور منذری نے بھی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کی تائید کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه "جس نے نماز میں رکوع پالیا اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر سیدھی کرے اس نے رکعت کو پالیا"۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حجت قرار دیا ہے (تلخیص الجبیر) اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے (المرواة) پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی روایت کردہ حدیث مرفوعہ کے خلاف کوئی قول بیان کریں، پس ان کا وہی قول صحیح ہے جو موطا مالک میں حدیث مرفوعہ کے موافق ہے۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرات واجب ہوتی تو رکوع پانے سے وہ رکعت نہ پاسکتا کیونکہ خود اس نے توقیرات نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہو جاتی ہے اسی لئے وہ رکوع پالینے سے وہ رکعت پالیتا ہے۔



## المحدث کے دلائل کا جواب

### پہلی دلیل :

اب میں مؤلف تکمیل البرہان کے دلائل کی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے انہوں نے وہی حدیث عبادة بن الصامت بیان کی ہے۔ (لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب) (بخاری و مسلم) "اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔"

ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد اور سفیان بن عیینہ اور زہری جیسے ائمہ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے۔ مقتدی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا، کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے "من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل لہ" (موطا مالک، طحاوی، ترمذی) "جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہو تو نماز ہو جائے گی)" امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب) کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی دیکھو جابر بن عبد اللہ صحابی اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں دوسرے جب حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے من کان لہ امام فان قراءتہ لہ قراءۃ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اُس کی قراءت اس کے لئے بھی قراءت ہے۔ تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے۔ گو زبان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں قراءت امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔

### دوسری دلیل :

لا تفعلوا الا بام القرآن فات، لا صلوة لمن لم یقرأ بها (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) نہ معلوم مؤلف تکمیل البرہان نے اس حدیث کو پورا کیوں نہیں لکھا۔ پوری حدیث یہ ہے کہ محمود بن الربیع کہتے ہیں میں نے عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا تو میں نے کہا کہ میں آپ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نہ معلوم آپ نے قصداً ایسا کیا ہے یا سہو ہو گیا ہے۔ فرمایا میں نے سہو نہیں کیا بلکہ قصداً قراءت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ



علیہ وسلم نے سب کو ایک نماز پڑھائی جس میں جہر کیا جاتا ہے تو آپ کو قرارت میں الجھن ہوئی نماز کے بعد فرمایا کیا تم لوگ میرے ساتھ قرارت کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا لا تفعلوا الا بام القرآن فاتھا لا صلوة لمن لم یقرأ بها۔ ایسا مت کرو مگر ام القرآن (پڑھ سکتے ہو) جو اس کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر قرارت کرتے تھے جبھی تو آپ کو دریافت کرنا پڑا کہ تم میرے ساتھ قرارت کرتے ہو۔ اگر حضور نے امام کے پیچھے قرارت کا حکم دیا ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اسکے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کرتے ہیں تو فرمایا ایسا نہ کرو مگر فاتحہ (پڑھ سکتے ہو) اس سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا صرف اباحت مفہوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصول فقہ میں ثابت کر دیا گیا ہے ان الاستثناء بعد المحظر اباحتہ واطلاقہ کہ نہی کے بعد جو استثناء ثابت ہوتا ہے وہ اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا اور یہ ہم کو مضر نہیں کیونکہ سکتا امام کے وقت نماز جہری میں ہم مقتدی کی قرارت کو جائز کہتے ہیں اور خصم کو مضر ہے کیونکہ وہ اباحت کا قائل نہیں بلکہ وجوب کا مدعی ہے اور ہماری تاویل کی تائید طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے جو مجمع الزوائد میں حضرت عبادۃ بن الصامت ہی سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحة الكتاب اور اسکے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے ص ۱۸۶ ج ۱۔ جو کوئی امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہے وہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ اور مجمع الزوائد ہی میں امام احمد کے حوالہ سے ایک صحابی سے یہ روایت بھی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالھا ثلثا قالوا انا لنفعل ذلک قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسہ رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ص ۱۸۶ ج ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو تین بار دریت فرمایا۔ صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں اس سے واضح ہوا کہ سورہ فاتحہ بھی زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں صرف دل میں پڑھنے کی اجازت ہے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔ اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ دل کی قرارت کو قرارت نہیں کہا جاتا کیونکہ عرفاً اس کو بھی قرارت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں رید کا



خط نہیں پڑھوں گا اور پھر اسکے خط کو دیکھ لے اور مضمون سمجھ لے مگر زبان سے نہ پڑھے حائث ہو جائے گا اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ جہاں شریعت نے قرارت فرض کی ہے وہاں بغیر زبان سے پڑھے فرض ادا نہ ہوگا اور حدیث عبادہ سے مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا صرف اباحت ثابت ہوتی ہے اور وہ دل میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی دوسرے اس پوری حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود بن ربیع نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا صرف حضرت عبادہ کو دیکھا تھا تو شبہ ہوا یہ قصداً ایسا کر رہے ہیں یا سہواً اور محمود بن ربیع صحابی صغیر ہیں اجلہ صحابہ کے دیکھنے والے ہیں ان کا قرارت خلف الامام پر انکار اور تعجب کرنا خود اسکی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ لازم نہیں اور حضرت عبادہ کی حدیث سے بھی وہ قرارت فاتحہ کا وجوب نہیں سمجھے ورنہ اپنی گزشتہ نمازوں کا اعادہ کرتے مگر نہ انہوں نے اعادہ کیا نہ حضرت عبادہ نے اعادہ کرنے کا امر کیا پس یہ حدیث مقتدی کو امام کے پیچھے قرارت کی اجازت دے رہی ہے وجوب کو بیان نہیں کر رہی اور ہم بھی سکتات امام میں مقتدی کیلئے قرارت فاتحہ کی اجازت کے قائل ہیں اور سکتات امام کی شرط اپنی طرف سے ہم نہیں لگا رہے بلکہ بعض احادیث میں یہ قید صراحتہ موجود ہے جو گو ہمارے نزدیک سند کے لحاظ سے صحیح نہیں مگر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں بطور حجت کے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم امام کے ساتھ ہو تو اسکی (قرارت) سے پہلے یا جب وہ سکتہ کرے ام القرآن پڑھ لیا کرو۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ مرفوعاً صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے۔ یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ عبد اللہ بن عمرو صحابی کا قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کرتے تھے امام کے ساتھ قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں کرتے تھے۔ پھر یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ حدیث عبادہ میں الاجام القرآن فانہ لا صلوة لمن لم یقرأ بہا کی زیادت کو صحیح مان لیا جائے مگر محدثین کو اسی میں کلام چنانچہ موفق بن قدامہ کتاب المغنی میں فرماتے ہیں۔

فاما حدیث عبادۃ الصحیحہ فہو محمول علی غیر المأموم وقد روی ایضاً موقوفاً

لہ یہ خبابہ میں بہت بڑے امام محدث اور فقیہ ہیں۔ انکی کتاب المغنی کو کتب اسلام میں بے نظیر مانا گیا ہے۔



عن جابر وحديث عبادۃ الآخر فلم يروه غير ابن اسحق كذلك قاله الامام احمد وقد رواه ابو داود عن مكحول عن نافع بن محمود بن ربيع الانصاري وهو ادنى حالاً من ابن اسحق فانما غير معروف بين اهل الحديث ص ۶۱۱ یعنی حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے وہ تو مقتدی کے سوا دوسروں پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت جابر نے یہی فرمایا ہے اور ابو داود نے اس حدیث کو مکحول سے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک معروف نہیں (بلکہ مجہول ہے)

تائید حنفیہ از علامہ ابن تیمیہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے رسالہ تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ نماز میں (سکتہ کے متعلق) لوگوں کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں کوئی سکتہ نہیں ہے جیسے امام مالک کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک ثنار اور تعوذ نہیں ہے اور قرأت امام میں بھی سکتہ نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں صرف ایک سکتہ ثنار و تعوذ کے لئے ہے جیسے امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ حدیث (جس کو شیخین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ آپ جو تکبیر اور قرأت کے درمیان سکتہ کرتے ہیں اس میں آپ کیا کہا کرتے ہیں؟) اس سکتہ پر دلالت کرتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں دو سکتے ہیں جیسا سنن کی روایات میں ہے۔ مگر یہ سکتہ قرأت سے فارغ ہونیکے بعد (رکوع سے پہلے) ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ سورہ فاتحہ سے فارغ ہو کر سکتہ کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں بعض لوگوں کا قول (اس روایت کی بنا پر) یہ ہے کہ نماز میں تین سکتے مستحب ہیں۔ سورہ فاتحہ کے (بعد والے) سکتہ کو امام شافعی کے اصحاب اور بعض اصحاب احمد نے مقتدی کی قرأت فاتحہ کے لئے قرار دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں۔ حدیث (صحیح) میں اس کے سوا کچھ نہیں اور ایک روایت دو میں سے غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے۔ اور امام احمد سے یہی منصوص ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں اور دوسرا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد راحت کے لئے اور قرأت اور رکوع میں فصل کرنے کے لئے ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ کرنے کو امام احمد اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ مستحب نہیں سمجھتے اور جمہور بھی ان کو مستحب نہیں سمجھتے کہ امام اس غرض سے سکتہ (طریقہ) کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ جب امام جہر سے قرأت کرے اس وقت مقتدی کے ذمہ جمہور کے نزدیک قرأت واجب یا مستحب



نہیں بلکہ قرأت کرنا مقتدی کو منع ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ اس حالت میں مقتدی قرأت کرے تو اسکی نماز فاسد ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مذہب میں اسکے متعلق دو قول ہیں اور عامہ سلف صالحین جو امام کے پیچھے قرأت کو مکروہ کہتے ہیں یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ امام جہر سے قرأت کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۃ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہیں کرتے اور جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اس سے تو کتاب اللہ (قرآن) میں بھی منع کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اور جمہور سلف و خلف اسی پر ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت مکروہ ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جس وقت امام جہر سے قرأت کر رہا ہو مقتدی فاتحہ پڑھے اگر نہ پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ غرض نزاع طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے ساتھ قرأت کرنے سے مقتدی کو منع کرتے ہیں انکے ساتھ جمہور سلف و خلف بھی ہیں اور کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام قرأت کرے خاموش رہو امام احمد بن حنبل اور سہق (بن راہویہ) اور مسلم بن الحجاج وغیرہم کے نزدیک صحیح ہے ان سب نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بخلاف اس حدیث کے (جس سے مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت کو واجب کیا جاتا ہے) کیونکہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور بہت وجوہ سے اسکا ضعیف ہونا ثابت ہے اور حقیقت میں وہ عبادہ بن الصامت کا قول ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) ص ۸۵، ۸۶

### حدیث عبادہ کی سند میں اضطراب

علامہ ابن تیمیہ کا درجہ علم اسناد و حدیث میں جتنا بلند ہے ظاہر یہ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیا مؤلف تکمیل البرہان نے علامہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ نہیں کیا کہ حدیث عبادہ لے مؤلف تکمیل نے اس مقام پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے الدلیل القوی میں لکھا ہے کہ عبادہ بن الصامت کی روایت نسائی و ابو داؤد کی سند میں نافع بن عمرو واقع ہے اور اس کو تقریب میں مستور الحال لکھا ہے الخ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستور الحال کی روایت مقبول ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مستور کی روایت اس وقت مقبول ہے جب ثقات معروفین کے خلاف نہ ہو اور یہاں نافع نے جو زیادتی کی ہے وہ ثقات بخلاف دوسرے اسکی سند میں اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بالاتفاق ضعیف ہے۔ ظ



کو بروایت محمد بن اسحاق صحیح کہنے لگے حالانکہ اس کی سند میں اسقدر اضطراب ہے کہ اگر حنفیہ میں سے کوئی عالم بھی ایسی مضطرب حدیث کو اپنی حجت میں پیش کرتا تو ظاہر یہ آسمان سر پر اٹھالیتے کہ حنفیہ کو علم اسناد و علل سے مس نہیں۔ اسی لئے ایسی حدیثیں حجت میں لاتے ہیں جو ہر نفی میں ہے کہ حافظ عبدالحق (شبیلی) نے اپنی کتاب الاحکام میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو اوزاعی نے مکحول سے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور (حافظ ابن عبد البر کی کتاب التعمید میں ہے کہ اس حدیث کی سند) میں محمد بن اسحاق کی مخالفت کی گئی ہے اس کو اوزاعی نے مکحول سے رجا بن حیوہ سے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے پھر حدیث بیان کی (اور امام اوزاعی کا درجہ محمد بن اسحاق سے بہت زیادہ بلند ہے وہ حدیث وفقہ میں اہل شام کے امام ہیں) اور امام طحاوی نے اس حدیث کو رجا بن حیوہ کے واسطے سے محمود بن ربیع سے روایت کیا ہے اور حضرت عبادہ پر موقوف کر دیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا) اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اس کو مکحول سے عبادہ بن الصامت سے مرسل روایت کیا ہے (یعنی سند منقطع ہے مکحول اور حضرت عبادہ کے درمیان واسطہ حذف ہے) جز القراءۃ بیہقی ص ۴۲ میں بھی اسی طرح ہے پھر امام بیہقی نے دوبارہ اس کو مکحول سے نافع بن محمود سے عبادہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد میں بھی اسی طرح (نافع بن محمود کے واسطے سے) اس کو روایت کیا ہے (اور نافع بن محمود مجہول ہے) اور ایک طریق میں جس کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو مکحول نے محمود سے ابو نعیم سے حضرت عبادہ سے روایت کیا ہے اور یہ ابو نعیم معلوم نہیں کون ہے حاکم نے کہا وہ وہب بن کیسان ہے اور ابن صاعد نے کہا کہ وہ مؤذن (جامع دمشق ہے) دارقطنی نے اپنی سنن میں ایسا ہی کہا ہے اور حافظ نے اصابہ میں اس حدیث کو دوسرے طریق سے نقل کیا ہے اسمیں مکحول نے نافع سے محمود بن الربیع سے عبادہ بن الصامت سے روایت کیا ہے جس حدیث کی سند میں اختلافات ہوں اسکے اضطراب میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عبادہ کی صحیح حدیث وہی ہے جس کو صاحب تکمیل نے سب سے پہلے بیان کیا ہے اس میں مقتدی اور امام کا کوئی ذکر نہیں اور جس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ کے سوا قرأت نہ کرے وہ صحیح نہیں اس کو محمد بن اسحاق کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور ابن اسحاق کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا ہے ما انفرد بہ ففیہ



نکارۃ فان فی حفظہ شیئاً صک ج ۳ جس حدیث کو وہ تنہا روایت کرے ہمیں نکارت ہے۔  
(یعنی ضعیف ہے) کیونکہ اس کے حفظ میں کچھ (کسر) ہے اور حافظ ابن حجر نے درایہ کتاب الحج  
میں فرمایا ہے وابن سحوت لا یحتج بما انفرد بہ من الاحکام فضلاً عما اذا خالفہ من ہو  
اثبت منہ ۱۵ ابن سحوت احادیث احکام میں جس حدیث کو تنہا بیان کرے حجت نہیں چہ جائیکہ  
اپنے سے مضبوط راوی کی مخالفت کرے (تو اس صورت میں اصلاً حجت نہیں) اور ظاہر ہے کہ  
اس حدیث کا صحیح حصہ وہی ہے جو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ محمد بن سحوت نے جو زیادت  
اس میں کی ہے وہ ثقات کی روایت کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت عبادۃ بن  
الصامت کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے جیسا علامہ ابن تیمیہ نے  
اس کی تصریح کی ہے۔ پھر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار  
میں اس حدیث کو یوسف بن عدی سے عبید اللہ بن عمرو (رقی) سے ایوب سے ابو قلابہ سے حضرت  
نس سے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجه فقال اتقروا والامام  
یقرأ فسکتوا فسألہم ثلثا فقالوا انما لنفعل قال فلا تفعلوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کیا تم امام کی قرارت کے ساتھ قرارت کرتے ہو؟  
سب خاموش رہے آپ نے تین بار سوال کیا، صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا مت  
کرو۔ ہمیں یہ نہیں ہے کہ مگر سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس پر بیہقی کا یہ فرمانا کہ یوسف بن عدی نے ہم  
کیا ہے کہ (سورۃ فاتحہ کے) استثناء کو چھوڑ دیا قابل تسلیم نہیں کیونکہ یوسف بن عدی امام بخاری کے  
استاذ اور صحیح کے راویوں میں سے ہیں کسی نے بھی اسکو صاحب ہم نہیں کہا وہ محمد بن اسحاق سے  
زیادہ صاحب حفظ و اتقان ہے۔ علامہ ذہبی کا قول اور پرگزرجکا ہے کہ محمد بن اسحاق کے حافظہ میں  
کمی ہے۔ پس محمد بن اسحاق کی طرف وہم کی نسبت کرنا زیادہ مناسب ہے نہ کہ یوسف بن عدی کی طرف،  
امام الفن یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ (حدیث عبادہ) میں جملہ استثنائیہ (الابام القرآن) کی سند  
ایسی (قابل اعتبار) نہیں (الدلیل القوی) اور اسکو امام احمد اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے (زیلعی)  
حدیث عبادہ میں فصاعدہ کی زیادت اہل حدیث پر حجت ہے :

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الابام القرآن کی زیادت پر تو  
اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن سحوت کے سوا اسکا کوئی راوی نہیں۔ اور اس حدیث میں فصاعدا



کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، اور ابوداؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بام القرآن فصاعداً۔

عبادۃ بن الصامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائیگا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعداً کو صرف معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں۔ کیونکہ ابوداؤد کی سند میں سفیان بن عیینہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعداً بڑھاتے ہیں۔ پھر صالح بن کیسان اور امام اوزاعی اور عبد الرحمن بن اسحق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابوسعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

امریا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر و اسناداً صحیح عند ابی داؤد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۃ فاتحہ پڑھنے اور (اس کے ساتھ) جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کو ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی وابن ماجہ نے اسی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لا صلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور سورت نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ و اتقان میں محمد بن اسحق سے بہت بلند ہے۔ یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ یا ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اسکے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۃ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔ مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرأت واجب نہیں۔ اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابوداؤد



کے اس لفظ سے ہر شبہ دور ہو گیا اے کنتقلابد فاعلین فلا تفعلوا (ایام القرآن) (فیض ۲۴۳)  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضرور ہی امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ  
 فاتحہ کے سوانہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض  
 جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتہ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ  
 قرأت کرنا نص قرآن اور حدیث انصہات کی خلاف ہوگا۔

### تیسری دلیل :

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام  
 القرآن فیہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیلے لابی ہریرۃ انما نکون وراء الامام فقال اقرأ  
 بها فی نفسك (مسلم شریف) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے  
 جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابو ہریرہ کے شاگرد  
 نے کہا ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (ایسی حالتیں)  
 سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی  
 میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں  
 مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ  
 مقتدی کے ذمہ قرأت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرأت  
 خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی۔ پھر حضرت  
 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۃ  
 فاتحہ پڑھ لی جائے مگر اقرأ بها فی نفسك اس مفہوم میں صریح نہیں ہمارے نزدیک  
 مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرأت قلبی کو بھی قرأت  
 کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی رکعت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے  
 پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

### شاہ ولی اللہ کے قول کا جواب :

غنیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہریہ کو

۱۵ حجۃ البالیۃ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہہ  
 دیتے ہیں ملاحظہ ہو ص ۹۵ ج ۱۔ جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت (باقی آئندہ صفحہ پر)



زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونے چاہئیں جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں۔ بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے۔ اس سے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قرارت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں اور مقتدی کے لئے امام کی قرارت کافی ہے وہ امام کی قرارت کے ذریعہ سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے۔ حدیث مسلم و ابوداؤد میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذ اقرأ فانصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ پس جواب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ قرارت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکرات (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ شاہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ ص ۲ میں فرمایا ہے وان كان مأموماً وجب عليه الانصات والاستماع فان جهرا لا امام لم يقرأ الا عند اسكاته وان خافت فله الخيرة فان قرأ فليقرأ الفاتحة قراءة لا يشوش على الامام وهذا اول الاقوال عندى وبه يجمع بين الباب والسرفه مانص عليه من ان القراءة مع الامام تشوش عليه وتفوت التدبر وتخالف تعظيم القرآن ولم يعزم عليهم ان يقرؤا سرّاً الا العامة متى ارادوا ان يصححوا الحروف باجمعهم كانت لهم لجنة مشوشة اه ترجمہ: اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سُننا واجب ہے اگر امام (قرارت) جہر سے کر رہا ہے تو مقتدی قرارت نہ کرے مگر سکۃ کے وقت اور اگر قرارت سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قرارت کرنا چاہے تو سورہ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ اس کی قرارت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکۃ امام میں قرارت کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قرارت کرے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جاسکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ قرارت کرنا کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز میں بھی مقتدیوں پر قرارت لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب ملکر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک گونج پیدا ہوتی ہے اھ

یہ ہے شاہ دلی اللہ صاحب کا مسلک قرارت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو صاحب تکمیل کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں۔ ۱۲ ظ



میں تنہا پڑھ لو ساتھ ساتھ نہ پڑھو۔ اور فی نفسک کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث صحیح قدسی میں وارد ہے فان ذکر فی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی وان ذکر فی فی ملا ذکر تہ فی ملا خیر منہ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو اسکی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے۔ پس ابو ہریرہ کے جواب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اسکو کوئی منع نہیں کرتا اور اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القراءة ص ۵۴ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۲۳۸ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی صلوٰۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ اور جب کوئی نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھ لے۔

بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ امام کیساتھ قرات مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری پر اعتراض اور اسکا جواب

مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابو ہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ کے متعلق

۱۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغاً میں فی انفسہم کی تفسیر وحداناً سے بھی کی گئی ہے ۱۲ رشید احمد ۵۲ زیادہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ منفرداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھ لیا کرو جب قرات سے منع کیا گیا تو دل شکنی کا مظنہ تھا اسکے تدارک کی غرض سے فرمایا کہ یہ آرزو حالت افراد میں پوری کر لیا کرو اس کی نظر یہ ہو کہ امام کو نماز میں تخفیف کا حکم فرمایا اس سے یوں دل شکنی کا احتمال تھا کہ شاید کسی کو طویل نماز کی آرزو ہو اس کے تدارک کے لئے فرمایا کہ حالت افراد میں جتنی تطویل چاہو کرو۔ اسی طرح قرآن کریم میں جب واذا قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فرمایا تو ممکن تھا کہ تلاوت سے ممانعت کی وجہ سے لٹوٹ جائیں اسلئے یوں قسلی دی گئی واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین یعنی اوقات میں کوئی کی نہیں ہر وقت پڑھ سکتے ہیں صرف حالت اقتدار میں امام کی رعایت کی وجہ سے نہ پڑھیں، یہاں بھی ”فی نفسک“ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ”وحدک“ منقول ہے اور یہ تفسیر ذکر سرائی تفسیر سے اسلئے بہتر ہے کہ دون الجہر من القول سرائی کو شامل ہے ۱۲ رشید احمد



ایک بحث چھیڑ دی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے۔ حالانکہ مستور کی روایت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابو داؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اسکی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا بھی لازم آگیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کہا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ میں یہ زیادت کہ ”مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو“ صرف ابن اسحاق روایت کرتا ہے اور ابو داؤد نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحاق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اسکی حدیث کو معطل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق و تحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اسکو ضعیف کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسکی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنیکی وہی صورت ہے جو امام بخاری و مسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے جس میں امام اور مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحاق اور نافع بن محمود جیسے ہیں اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق میں سے ایک طریق رائج ہو جائے وہی مقبول ہوگا بقیہ طریق مردود ہونگے۔ پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

### چوتھی دلیل

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جسے ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ



ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرات کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے۔

جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے ساتھ قرات کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور کو گوارا نہ تھا اور صحابہ کا بحالت اقتدار قرات کرنا حضور کی اجازت سے نہ تھا جبھی تو سوال کی نوبت آئی اس پر بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ ”سوال قرات فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۃ فاتحہ سے زیادہ قرات کے متعلق تھا“ غلط ہے کیونکہ دارقطنی کے الفاظ ہیں: هل منكم من احل يقرأ شيئاً من القرآن وحسنه (فیض الباری ج ۲ ص ۲) کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اسکی سند کو حسن کہا ہے۔ اور اس لفظ کا فاتحہ وغیرہ فاتحہ کو عام ہونا ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان يقرأ احداكم بفاتحة الكتاب في نفسه بھی ہماری دلیل ہے کیونکہ اس میں فی نفسه کی قید موجود ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو۔ اس سے پہلے یا اسکے سکتے میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسه کا بمعنی منفرد آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کہ فی نفسه کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں۔ علماء مالکیہ میں سے بعض اجلہ علماء نے حدیث ابو ہریرہ اقروا بھافی نفسہ کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح المملک) پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ نبی کے بعد استثناء وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرات فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہو گا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کیلئے مضر ہے کیونکہ وہ تو فرضیت اور کنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں کنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

### پانچویں دلیل:

حضرت انس کی حدیث جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسه کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت

۱۔ گزشتہ حاشیہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسکے ظاہر معنی یہ ہیں کہ افراد نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھو ۱۲ رشید احمد



فرمانا بھی۔ کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو؟

ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطہ سے حضرت اس سے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأ اللہ الامام لہ قراءة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر تقریب میں اس کو ثقہ کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم (لباسے بہ (ص ۹۷) ابو حاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے۔ اگر نافع بن محمد کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جاسکتا ہے تو ابن سالم کو ابو حاتم کے قول سے بدرجہ اولیٰ ثقہ کہا جائیگا پس دونوں حدیثوں کو ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتہ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

### چھٹی دلیل :

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرارت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عمرون المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے۔ ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزر القراءة بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے۔ قال البیہقی و محمد بن عبد اللہ بن عمیر وان کان غیر محتج بہ و کذا لک بعض من تقدم فمن رواہ عن عمرو بن شعیب فلقراءة المأموم فاتحة الكتاب فی سکتۃ الامام شواہد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ خبراً عن فعلہم وعن ابی ہریرۃ وغیرہ من فتواہم (ص ۵۲) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبد اللہ بن عمیر سے حجت نہیں



قائم ہو سکتی (کیونکہ وہ ضعیف متروک ہے) بعض محدثین نے اسکو کاذب بھی کہا ہے (لسانۃ) اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی حجت قائم نہیں ہو سکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات فاتحہ کے لئے عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں انکے فعل اور فتویٰ کا بیان موجود ہے۔ ۱۵  
اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرمادیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتویٰ ثابت ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں جیسا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ پس یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

### ساتویں دلیل :

اس دلیل میں عبادۃ بن الصالت کی حدیث ہی کو پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اسکو چند احادیث قرار دینا صحیح نہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی طریق حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق رائج ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرات فاتحہ واجب ہے اور اس معنی پر اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث نے محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل قبول ہیں۔ پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق کی گئی ہے اس سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیونکہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ



کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب (ص ۱۸۶ ج ۱) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے وہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اسکو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

### آٹھویں دلیل :

آٹھویں حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ۳ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے جس کا ثبوت ہم احادیث صحیحہ سے دے چکے ہیں۔ مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصاف (خاموش رہنے کا) حکم ہے وہ امام کی قرأت کی وجہ سے حکماً قرأت کر رہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قرأت کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور اس کی قرأت کو سنے امام کے ساتھ مقتدی کا قرأت کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

### نویں اور دسویں دلیل :

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزر القراءۃ بہیقی سے نقل کی گئی ہیں۔

میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہو جائے وہی مقبول، باقی سب ناقابل قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل



نے اس حدیث کو جزر القراءۃ بیہقی سے نقل تو کر دیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا، قال قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام؟ قال خلف الامام ص کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں۔ اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قرات جائز نہیں تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قرات نہ کرے اگرچہ امام کی قرات نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قرات کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قرات جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ (ص ۱۱ ج ۱) اگر اس حدیث میں انہوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قرات کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابو الطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورہ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورہ فاتحہ کی قرات کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں متعل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلنا نکالہما بین یدایہما وما خلفہما ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنادیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے۔

(تفسیر طبری ص ۲۶۵ ج ۱)

رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تقرؤا الا بما فی القرآن) کی زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ حدیث



نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ سے بوجہ چند صحیح مشہور ہے۔ تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سوا اسکا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قرات خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہونگے یا سکتہ امام میں، اور ترجیح ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دسویں حدیث عبادہ میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ ”اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو“۔ کیونکہ اس کی سند میں احمد بن عمر دمشقی معروف بابن جو صا ہے جس کی بابت حانظ ابن مندہ نے حمزہ کتانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جو صا کی روایت کے دو سو جز رہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے۔ اور حاکم نے زبیر بن عبد الواحد اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو علی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ عبد اللہ ابن وہب دینوری اور ابن جو صا سے روایت کرتے ہیں۔ اھ۔ اس کی سند میں محمد بن ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا ہے اور منکرات روایت کرتا ہے۔ ذہبی نے میزان میں اسکی ایک حدیث منکر بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری کے متاکیر میں سے ہے یا ابن جو صا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے مقتدی مراد نہیں کیونکہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا، ”جب امام قرات کرے خاموش رہو“ میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ پھر اس پر یہ لڑائیاں کہ اپنے کو محقق و

۱۵ یہ شخص شتم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ظ



مبصر اور شریعت محمدیہ کا محکوم و فرمانبردار قرار دیکر حنفیہ کے عوام و خاص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں سہراتے۔ مسائل اختلافیہ میں جبکہ ہر فرقہ کے پاس دلائل موجود ہیں۔ یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو برا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلافی عشرۃ کاملۃ کا تاج سر پر رکھ کر بڑے فخر سے فرمایا ہے کہ ”الحمد للہ قرارت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہو گیا“ گو یا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے سہرمانا چاہیے کیا انکو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں۔ میں بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرارت خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار دیکھئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر :

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یرید بن شریک نے قرارت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اگرچہ آپ (امام) ہوں۔ فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، اور دوسری سند سے روایت کر کے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرارت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث

اسے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد اور نصب الراية زلعی

بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے، اگر نظر نہیں آئے؟ تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں۔ ۵۱۲



مرسلًا صحیح ہے اور امام محمد نے اپنی موطا میں داود بن قیس فرار سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیونکہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمرؓ سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ دو مرسل صحیح اگر ایک حدیث صحیح کے معارض ہوں تو دو مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ ۸۹۵، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں قلت روی اہل الکوفۃ عن اصحاب عمر الکوفیین انہ المأموم لا یقرأ شیئاً اھ "حضرت عمر کے جو اصحاب کوئی ہیں انکی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمر کے نزدیک) مقتدی کچھ قرات نہیں کریگا۔" اس صورتیں اصول ترجیح کے موافق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح المحرم علی المبیح اذا تعارضاً کیونکہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جائے گی" خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ مانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرات کرے اور قرات کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتے میں یا سری نماز میں قرات کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

اثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قرات خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا۔ خود اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے

فاتحۃ الکلام



تو حضرت علیؑ کے اثر کا جواب دیں کیونکہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبد الرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علیؑ سے یوں روایت کیا ہے قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے خلاف عمل کرتا ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ کہا ہے اس لئے روایت کو رد نہیں کیا جکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے۔ بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ ان کا زمانہ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گزرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ خصوصاً جبکہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبد اللہ بن یعقوب سند موثق نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبد اللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد (زید بن اسلم مولیٰ عمر بن الخطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین (عمدة القاری) عتبی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبد اللہ بن زید کو امام بخاری اور امام احمد نے ثقہ کہا ہے اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مبیح پر ترجیح دی جائے گی یا مانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزر القراءۃ بیہقی کے اس اثر سے ہوتی ہے۔

عن علی قال من السنة ان یقرأ الامام فی الركعتین الاولیین من صلوۃ الظهر بام الكتاب وسورة سراء فی نفسه ویضئون من خلفه ویقرؤن فی انفسهم



”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کی سنت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دل دل میں پڑھیں۔“ امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں، پھر اس سے سورۃ فاتحہ کے بعد سورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔

اثر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیسرا اثر، ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبد اللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں نمازیں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قرأت نہ کروں اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جزر القراءۃ میں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں قرأت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے کہ نماز میں قرأت ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابوالعالیہ نے ہی مرسل روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا نازل ہوئی فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ”پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے تھے۔“ اور مؤطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرأت کرنا چاہیے۔ اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور بیہقی نے بھی جزر القراءۃ میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابوالعالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے نزدیک قرأت کے لئے سورۃ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو مضر ہے۔ کیونکہ وہ تعین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اسکے بعد کنز العمال سے جو اثر عبد اللہ



ابن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو جزر القراءۃ للامام البیہقی ص ۲۵ اور اس کی سند میں مشنی بن صباح ضعیف ہے (تقریب ص ۲۱) پھر اس میں امام کے پیچھے قرات کا مطلقاً ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے 'من صلی مکتوبۃ او سبحة فلیقرأ بام القرآن وقراناً معہا' جو شخص فرض نماز پڑھے، یا نفل وہ سورہ فاتحہ بھی پڑھے اور اسکے ساتھ کچھ اور بھی قرآن سے پڑھے جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اسکے قائل نہیں۔ اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اسکا کوئی بھی قائل نہیں پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

اثرا بی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اسکے سکتات میں قرات کرتے تھے اور اسکو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے۔

اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے وہ قرات خلف الامام کرتے تھے۔ مگر صاحب تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کر دی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے ساتھ ہو تو سورہ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کر اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

اثر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

چھٹا اثر حضرت ابو ہریرہ کا ہے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے، (ناقص ہے) تو ابوالسائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قرات کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا ویلک یا فارسی اقرأ کھا فی نفسک الخ

اس کا ترجمہ صاحب تکمیل نے یوں کیا ہے کہ "سورہ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو" اور ہمارے



نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”دل دل میں پڑھ لیا کرو کیونکہ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابو ہریرہ ہی سے روایت ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور قرات قلبی کا قرات ہونا لغت و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں، پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ مقتدی کے لئے وجوب انصتاء کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل دل میں قرات کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

اثر عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

ساتواں اثر عبد اللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن مندہ نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن مغفل سے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) کیا ہر شخص پر جو قرآن سُننے اس کا سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذ قرع القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو) قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرات کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (ذیلی ص ۲۳ ج ۳) پس اگر جزر القراءۃ بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ عبد اللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرات نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیانی سکتہ میں قرات کرتے ہونگے۔ پھر اس روایت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اثر ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

آٹھواں اثر ابو نضرہ کا ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے قرات خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا سورہ فاتحہ (پڑھ لیا کرو)

میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابو داؤد نے ابو نضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صحابہ



تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر۔ ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو اور اہل حدیث سورۃ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی وابن ماجہ میں بھی حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں۔ ابن عثیم نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یحییٰ بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہل شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابو نصرہ سے ابوسعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا صلوة الا بام القرآن ومعها غيرها۔ نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو۔ اور کامل کے الفاظ یہ ہیں لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورۃ ہو۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں لا صلوة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد وسورة في فريضة وغيرها۔ نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل (اعلاء ص ۱۸۶) اب اگر اس کو قرأت خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت بھی پڑھنا واجب ہے حالانکہ وہ اسکے قائل نہیں پھر ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی الصلوۃ کو فاقر امانتیسر معك من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے جو کچھ آسان ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا) اس سے معلوم ہوا کہ فرض قرأت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت نہیں ایک دو آیت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا، اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ حافظ صاحب (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے اے بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابو داؤد میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثنا قرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبی الصلوۃ کو فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

۱۵ یعنی نماز کو بڑی طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ ظ



میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۃ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسنی الصلوۃ میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔ یہ مغالطہ ہرگز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں ایک ابو ہریرہ دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابو ہریرہ کی تمام روایتوں میں یہی ہے ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے۔ صرف ایک راوی محمد بن عمرو لے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله کہا ہے پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے پڑھو یہ ابو داود کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں ثم اقرأ بام القرآن وبما شئت پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو۔ خود حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص ۲۳ ج ۲) میں اس کی تصریح کی ہے قوله ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن لم تختلف الرواة في هذا عن ابي هريرة واما رفاعه ففي رواية اسحق المذكورة يقرأ ما تيسر من القرآن مما علمه الله وفي رواية يحيى بن علي فان كان معك قرآن فاقراء والا فاحمد الله وكبره وهله وفي رواية محمد بن عمرو وعنده ابي داود ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء ولا حمل وابن حبان من هذا الوجه ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحییٰ بن معین اور جوزجا اور یعقوب بن شبیبہ اور ابن سعد نے اسکی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توثیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت ضبط سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ط ۳۴، ۳۵) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں اور پھر یہ زیادت نص قرآن کی خلاف ہے۔ قرآن میں ذاقروا ما تيسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔



سورہ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہوگی وہی راجح ہے اور جو نص قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآن کے برابر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قراءت ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور حدیث پر بھی اور قراءت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے۔ اب صاحب تکمیل البرکات اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ مغالطہ دینے والا اور خبر واحد کی بنا پر نص قرآن کو باطل کرنا والا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعویٰ کہ قرآن اور حدیث میں مانعیت (جو آسان ہو) سے مراد فاتحہ ہے زبردستی ہے۔ سورۃ العصر اور انا اعطیناک الکوثر اور قل ھو اللہ احد سے زیادہ آسان سورہ فاتحہ کیونکر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ لفظ ضاد ہے۔ جس کا صحیح پڑھنا عوام و خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ رہا ہے کہ ضاد مشابہ ظاہر ہے یا مشابہ دال۔

### فرض و واجب کا فرق

علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں رحمہ اللہ اباحنیفۃ حیث غیریہین  
فظ الفرض والواجب و بین معناہما فجعل ما فرضہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ مما فرضہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لا ینطق عن الھوی ادباً مع اللہ تعالیٰ و  
فسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمد اباحنیفۃ لانه یحب رفع رتبۃ تشریع  
یہ علی تشریع ہو ولو کان ذلک باذنتہ تعالیٰ ولم ینظر الی ذلک من جعل الفرض  
الواجب مترادفین وقال الخلف لفظی والحق انہما عند الامام ابی حنیفۃ متفاضلان  
الخلف معنوی کما هو لفظی ھ (فتح الملہم ص ۱۹ ج ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے فرض و واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کر دیے کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے۔ امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام



ابو حنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیونکہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریح کو آپ کی تشریح سے بلند رتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریح بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہنچی جو فرض و واجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے۔ دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ

صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اسکو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اسے واجب کہنا چاہیے۔  
اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :

نواں اثر حضرت عائشہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کا امر کرتی تھیں۔ اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرات کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکنا میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرات خلف الامام سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے۔ ان صحابہ کا قول نص قرآن و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا، کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قرات کرے تم خاموش رہو۔ پس ترجیح اسی کو ہوگی۔ حضرت عائشہ کے قول مجمل سے قرآن و حدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز میں یا جہری کے سکنا میں قرات کا امر کرتی ہونگی۔

اثر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دسواں اثر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ۔

تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود ان پر حجت ہے جس



پردہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطہ سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزر القراۃ میں یزید فقیر ہی کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قرات کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ۔ پھر اعمش کے واسطہ سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا اقرأ فی الاولین بالحمد وسورۃ وفی الاخرین بالحمد کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو۔ پس ایسی مضطرب روایت سے اس حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جس نے کسی نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (تو اس کی نماز بغیر قرات کے درست ہے) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرتے تھے اور اسکو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرات کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

اثر عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

گیا رہواں اثر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابو داؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابو نعیم نے نماز پڑھائی اتنے میں عبادہ آگئے اور میں انکے ساتھ تھا ہم ابو نعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے ابو نعیم اس وقت جہر سے قرات کر رہے تھے عبادہ نے سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابو نعیم جہر سے قرات کر رہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی لہذا پھر اسکو تمہید ابن عبد البر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ریح کی طرف اس سوال و جواب کو منسوب کیا گیا ہے۔



میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ اس میں صروت اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال و جواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ محمود بن ربیع صحابی ضعیف ہے اور نافع تابعی متوسط ہے (کما فی التقریب مستور من الثالثۃ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قرارت خلف الامام پر انکار کرنا کیا بتلاتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرارت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ان دونوں کے نزدیک مقتدی کو قرارت خلف الامام جائز تھی اور نہ وہ اب تک قرارت خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قرارت پر انکار کیا تو اگر ایک صحابی سے قرارت خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعی کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جبکہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما :

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حرث کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کی سند میں ابو بکر بہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے حرج کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السخسی نے کذاب کہا ہے۔ ابو الحسن بن الفرات نے اس کو مخطوٹ کہا ہے یعنی روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی ہم ابو جبرہ کے واسطے سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرارت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرارت کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو نص قرآن اذ قرئ القرآن فاستمعوا و انصتوا اور



حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبد اللہ ابن عباس مقتدی کے حق میں قرارت کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتے کے وقت قرارت کو مستحب جانتے تھے۔ اسی طرح نماز سری میں بھی اور اس سے خفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیرھواں اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔

صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نہ سورہ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورت کا۔ ممکن ہے وہ ثنار یعنی سبحانک اللہم وبحمدک الخ اور انی وجہت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرارت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرارت کیساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرارت خلف الامام سے بہت سختی سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام الحان (غلط خواں جاہل) ہو تو اسکے پیچھے مقتدی کو قرارت کی اجازت دیتے تھے اور اسکے بعض فقہاء خفیہ بھی قائل ہیں۔ روی الطبرانی فی الکبیر بسند رجالہ ثقات عن ابن مسعود انه قال یا فلاں لا تقر خلف الامام الا ان یکون اماما (لا یقر) (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحینئذ یجوز للمقتدی ان یتقر خلفه وهذا وجه ذهب الیه بعض اصحابنا (عمدة القاری)

”طبرانی نے بروایت ثقات عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو (امتی ہو تو قرارت کر لیا کرو) (مجمع الزوائد) یعنی اگر امام غلط خواں جاہل ہو تو مقتدی کے لئے جائز ہے کہ اسکے پیچھے قرارت کرے۔ ہمارے بعض اصحاب اسکے قائل ہیں۔“

اسکے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق و جابر بن عبد اللہ و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم جمیعین ہیں ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز کام ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں

۱۔ (لا تجزئ صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔ ۱۲ ط



کئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب۔ ”اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔“ تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے یا نہیں۔ حدیث عبادہ میں اسکا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے وہاں محمد بن اسحق کے واسطہ سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القرآن آیا ہے ”امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ“ یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب وهذا اصح۔ اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے“ جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحق کا الا بام القرآن زیادہ کرنا صحیح نہیں پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اسکا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا امام ترمذی نے باب ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرمایا ہے واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واحتج بحديث جابر بن عبد الله حيث قال من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصح الا ان يكون وراء الامام قال احمد فهذا الرجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم تأول قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده اه (ص ۲۲)

”لیکن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی



نماز بغیر قرارت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔

مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمد کا قول حجت نہ ہو۔

اثر عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزء القراءۃ بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں بجز ورار الامام وغیر الامام کہ جس سے امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزء کی صحت کو ثابت کرتے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے جس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابو زرہ اور ابو حاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاة سے قتادہ سے زرارۃ بن اوفیٰ سے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرارت کر رہا تھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورت میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرارت کرنے سے منع کر دیا۔

امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ نہی عن القراءۃ خلف الامام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرارت خلف الامام سے منع فرما دیا۔ تنہا حجاج بن ارطاة نے اس حدیث میں زیادہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن ارطاة محمد بن اسحاق سے زیادہ قوی ہے جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاة سے امام مسلم نے مفرداً روایت کی ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے۔ شعبہ اسکی بہت تعریف کرتے تھے۔ اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اسکی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن فضل بھی ثقہ ہے



یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداؤد اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاة کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں۔ گواہل ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

اثر سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ :

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیونکہ وہ مؤلف کے خلاف تھا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرات کروں؟ فرمایا۔ ہاں اگر چہ اس کی قرات کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا تو وہ تکبیر (تحریمہ) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قرات کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قرات نہ کرتے تھے بلکہ سکتہ امام میں قرات کرتے تھے اور امام کی قرات کے وقت خاموش رہتے تھے اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکتہ امام میں قرات کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام پر سکتہ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ سے قرات خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرات نہیں ہے اور سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتویٰ نص قرآن حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا۔

فتویٰ حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اس کو کہتے ہیں



قرارت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپ کا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قرارت کرو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے۔ اسی کو حماد نے پسند کیا۔ اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے، گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قرارت واجب ہے۔

فتویٰ مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے بعد مکحول شامی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتویٰ کی محمد بن سیرین کے فتویٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا جیسا بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

رہا امام بخاری کا جزر القراءۃ میں یہ فرمانا کہ ”تابعین میں سے فلاں فلاں (گیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل و عامل تھے۔“ اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے۔ امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابوسلمہ اور حسن بصری کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتہ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ ”آہستہ پڑھ لیا کرو“ ہم پر حجت نہیں۔ پھر جزر القراءۃ امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری و سعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے۔ حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتہ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے۔

اثر عطار رحمہ اللہ تعالیٰ : عطار بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے



موافق نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطار بن ابی رباح کے نزدیک آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قرارت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔

اثر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ :

رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا ہے۔ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ قرارت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجّت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرارت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین اور اہل حجاز میں ہاں مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) انہیں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرارت نہ کی ہو اور امام نے قرارت کی ہو تو نماز باطل ہے۔ اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبد اللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔

فتویٰ امام اوزاعی ولیث بن سعد :

اسی طرح صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبد البر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرارت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے۔ معانی الآثار طحاوی میں باب قرارت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبد اللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ



قرآن اوتے۔ جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا) ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے۔  
لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے  
ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں ان کو اس حالت میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کئے  
ہوئے تھے اور (مسائل شرعیہ میں) فتویٰ طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے  
اپنی کسی خاص حاجت میں فتویٰ پوچھا تو مجھے ان کے فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا۔  
(فیض الباری ص ۱۷۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ امام  
ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرأت خلف الامام کے قائل ہوں جب  
یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے  
اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ اس کے بعد قرأت خلف الامام کے قائل نہیں رہے۔  
فتویٰ عبداللہ بن مبارک :

ترمذی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ ”میں امام کے پیچھے قرأت کرتا  
ہوں اور لوگ بھی قرأت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم“۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک  
کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہو گا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔  
مؤرخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے۔ بعض لوگوں نے صرف  
اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر انکی فقہی کتابیں  
اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں۔ امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی بیان کرتے ہیں۔  
ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا  
کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قرأت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے  
تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب  
علی کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرأت خلف الامام مشہور و معروف ہے۔  
علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق :

صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہیے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ”جو  
لوگ امام کے ساتھ قرأت سے (مقتدی کو) منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و  
خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام  
کے ساتھ قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے۔



اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واذا قرأ فانصتوا (جب امام) قرات کرے تو خاموش رہو۔ امام احمد و اسحاق (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بخلاف اسکے کہ (جس سے فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے) اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادة بن الصامت کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرات فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول وجوب قرات فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرات فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرات کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرات خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے ایسا ہی نقل کیا ہوگا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے۔ اس لئے جب تک ان کے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شائع کر دیا ہے۔ حالانکہ ہم موطا مالک اور جزء القراۃ بیہقی کے حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قرات خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے۔ امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں اذا قرأ الامام فانصتوا کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ و ابی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قرات خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس کے خلاف جب تک ان کے صحیح صاف الفاظ نہ ہوں اس وقت تک ان کو قرات خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ :

امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس میں قرات خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرات فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ : شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجتہ اللہ البالغہ سے



ہم نقل کر چکے ہیں کہ نماز جہری میں انکے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے سکتات میں قرات خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اسمیں کسی کو احتلا نہیں۔ اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اسمیں بھی قرات خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرات فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اسمیں گفتگو نہیں محل نزاع قرات فاتحہ خلف الامام ہے۔ غرض امام نووی ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۃ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اسمیں ہے کہ امام کی قرات سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قرات نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قرات فاتحہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ :

امام رازی کا حدیث قسمت الصلوۃ بینی بین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جز نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کی خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعامل خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم :

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین نے نماز میں قرات فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قرات فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ قرات فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیونکر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے۔ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قرات خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلادیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قرات خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں۔



مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام و صوفیہ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قرارت سورہ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اُس سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قرارت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرارت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یحوز القراءة بالفاتحة خلف الامام فی الصلوٰۃ وکان یقرأها فی نفسه۔ ”وہ حنفی تھے لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قرارت کرتے تھے۔“ صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قرارت سے پہلے یا اسکے سکتہ میں تنہا قرارت فرماتے تھے ساتھ ساتھ قرارت نہ کرتے تھے۔ اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قرارت کرتے تھے تو اس کا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیے اور یہ بھی بتلانا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت امام ابو حنیفہ اور علماء احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے۔ سب سے پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت، یہ اُن کا پرانا قول ہے اور یہی مشہور ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ برسبیل احتیاط سری نماز میں قرارت فاتحہ مستحسن ہے مگر وہ نہیں۔ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ ”یار لوگوں نے اس رجوع کو (یعنی دوسرے قول کو) مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی

۱۵ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ صاحب تذکرہ کا ثقاہت میں کیا مقام ہے ؟ اور

ان سے لیکر نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ تک سند کا کیا حال ہے ؟ رشید احمد



دھڑا بندی قائم ہو گئی۔ سراسر لغو ہے کیونکہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں۔ پچھلے قول میں وجوب اور سنیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ انہیں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرارت فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟ تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ ہو دیا۔ پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملک قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قرارت فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرارت کرنا مقتدی کو منع ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ ”جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر انکے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کھانتک دیانت و انصاف ہے الہ“ سراسر لغو ہے۔ امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا نہ رجوع کی ضرورت تھی۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرارت کر رہا ہو مقتدی کے ذمہ قرارت واجب ہے۔ اور اگر وہ قرارت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے۔ جماعت اہل حدیث فرقہ وارانہ فساد کی بانی ہے :

امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قرارت فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے۔ رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے کرنا، تو اس کی ابتداء جماعت اہل حدیث کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد، باطل، بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا۔ اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافیہ میں اس قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ و مباحثہ کی اصلاً ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرارت فاتحہ



خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل اور فاسد نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے پاس بھی قرآن و حدیث اور عمل سلف و خلف سے دلائل موجود ہیں۔ اسلئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے۔ اسلئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ و مباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اسکی نوبت جماعت اہلحدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی۔ والبادی اظلم۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ :

غیث الغمام کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذلك على سبيل الاحتياط في جميع الصلوات ومنهم استحسنوها في غير الجهرية ومنهم من رأى ذلك اذا كان الامام لحانا (ص ۱۲۱) ”پھر ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے اس (قرارت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے امام لحان (غلط خواں) کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے“ مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے ساتھ مقتدی کو قرارت کی اجازت نہیں دی بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصاف نہ ہو کیونکہ مقتدی کے ذمہ قرارت امام کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (کہ فقہاء حجاز و شام بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی طرف نسبت صحیح نہیں۔ اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء حجاز و شام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وقال الثوري والاوزاعي في رواية ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد واحمد في رواية عبد الله بن وهب والاشهب لا يقرأ الموتر شيئا من القرآن ولا بفاحة الكتاب في شيء من الصلوة وهو قول ابن المسيب وجماعة من التابعين وفقهاء الحجاز والشام على ان لا يقرأ معه فيما يجهر به وان لم يسمعه ويقرأ فيما يسمع الامام اه (ص ۱۲ ج ۲)

”امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا اور امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف



اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبداللہ بن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قرأت نہ کرے سورۃ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور فقہار حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرأت نہ کرے اگرچہ اسکی قرأت کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قرأت کرے۔  
مولانا عبدالحی، شیخ التسلیم اور ملا جیون :

اسکے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی اور شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبدالحی اور ملا جیون استاد عالمگیر کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحتہً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتہً مذکور ہے اور اس میں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرأت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔ البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن و حدیث میں تاکید ہے۔

امام رازی کا یہ قول کہ ”امام ابو حنیفہ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی“ اہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں کیونکہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے قرأت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے رد کیا ہے۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبدالحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحب تکمیل کا خوش ہونا و علماء حنفیہ کو الزام دینا بجز الغریقہ تثبت بالحشیش کے اور کیا ہے؟  
صاحب تکمیل کی دریدہ دہنی :

اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ ”زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے جو احادیث صحاح ستہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ و مکذوبہ و آثار مختلفہ و باطلہ کو اپنی تصنیفات و تحریرات و حواشی میں درج کر کے اپنے عوام و جہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں“ اہ یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ فسروی



مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع کرنے والے ہیں۔ کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت واذ اقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں۔ اور ہم تبلا چکے ہیں کہ بالا جماع اور بالاتفاق یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذ اقرأ فانصتوا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ اور جب قرارت کرے خاموش رہو۔“ جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابوداؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور دلیل میں لاتے ہیں، تو کیا مسلم اور ابوداؤد صحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان له امام فقرأت له قراءۃ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے اپنی موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ و تابعین کے آثار بیان کر کے سلف و خلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیث موضوع و مکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم و حیا کا پاس کر کے بات کرنا چاہیے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس برتہ پر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے دلائل میں جزر القراءۃ سیقی سے بہت سی احادیث و آثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گزشتہ اوراق میں مفصّل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ قول نقل کر کے کہ ”بعض فقہاء نے جو یہ کہتا ہے کہ قرارت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرارت فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے“ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحی اور امام محمد مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مولانا عبدالحی کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکنات امام کی بھی قید مذکور ہے تاکہ استماع و انصات میں خلل واقع نہ ہو۔

۱۵ تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی و گستاخی انہی کو مبارک ہو۔ لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ ظ



اس کے بعد جن علماء احناف سے قرارت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سب سب سب نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکنا امام کے ساتھ مقید ہے۔ علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصاف کو ترک کر کے جواز قرارت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صاحب تکمیل کی دلائل حنفیہ پر تنقید :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرارت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی ترض کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو کو پیش کر کے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضرور ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جواب صحیح ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ کلمات واہمیہ سے یاد کرنا اور ان کے دلائل کو رد دینا موضوعہ و مکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت و انصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسکی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح و حسن نقل کر دیئے ہیں۔

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قرارت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ ”برادران احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے“ بالکل غلط ہے بلکہ ہم ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تارک قرارت نہیں مانتے کیونکہ مسلم اور ابوداؤد کی صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا صاف موجود ہے کہ جب امام قرارت کرے تم خاموش رہو۔ اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن حنبل میں صحیح حدیث موجود ہے۔ من کان له امام فقراء له قراءۃ جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔ حنفیہ حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور من کان له امام فقراء له قراءۃ سب کو



جمع کر کے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرأت کے ساتھ قرأت کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتے امام میں اور سری نمازوں میں قرأت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت ہی تارک قرآن و حدیث ہے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرأت کو واجب کہتے اور حدیث صحیحہ اذا قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

### حنفیہ کی دلیل قرآنی پر تنقید :

حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قرأت فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ مخصوص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنة جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے تواتر الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوة الا بقراءة ام القرآن رسول الله صلى الله عليه وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۃ فاتحہ کی قرأت کے ساتھ۔ سوال از آسمان جواب از رسیان اسی کا نام ہے۔ گفتگو قرأت فاتحہ خلف الامام میں ہے اور تواتر قرأت فاتحہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرأت سورۃ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ قرأت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں تارک قرأت نہیں بلکہ بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے۔ پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرأت فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قرأت فاتحہ کا تواتر بیان کر کے عوام کو قرأت فاتحہ خلف الامام کا مغالطہ دینا محض دھوکہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جاسکتا۔ علاء عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت هذا الحديث مشهور فتجوز الزيادة بمثله قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ما تلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسألة ولئن



سلمنا ان مشہور فالزیادة بالخير المشهور انما تجوز اذا كان محكما اما اذا كان محتملا فلا وهذا الحديث محتمل كان مثله يستعمل نفی لجواز ويستعمل نفی لفصيلة كقوله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجوار المسجد الا في المسجد - ولا صلوة بحضرة طعام - رواه مسلم (م ۱ ج ۶)

(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم اسکا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اسوقت جائز ہے کہ وہ (اپنے مدلول و مفہوم میں) محکم ہو۔ اور اگر محتمل ہو تو (اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز) نہیں۔ اور یہ حدیث (لا صلوة الا بقراءة ام القرآن) محتمل ہے کیونکہ اس قسم کا لفظ بھی نفی جواز (و عدم صحت) کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اسکا مطلب بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہوگی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہوگی) اور نیز آپ کا ارشاد ہے کہ کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اھ اس کا بھی بالا جماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے کھانا آجائے اسوقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہوگی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث کو قرارت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب نہیں کہتے۔ کیونکہ آیت قرآن اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو ٹھانوس رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اس تقریر سے صحت تکمیل کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا کہ یہ آیت مکئی ہے اور قرارت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے۔ پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الاقران کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے؟ ان سے کوئی پوچھے کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کا حکم دیا ہے؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کر سکتا ہے جس کو اصول اور قواعد عربیہ سے واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نبی کے بعد استثنائے (باحث مستفاد) ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اسی حدیث کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح پر ہیں۔ انکم لا بد فاعلمین فلا تفعلوا الا بام الکتاب۔ اگر تم امام کے پیچھے ضروری قرارت



کرنا چاہتے ہو تو سورۃ فاتحہ کے سوانہ کیا کرو۔ اس سے ہر عامی بھی اباحت ہی سمجھتا ہے و جوہ نہیں سمجھ سکتا۔

پھر تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ ”صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے“ الخ

بڑی جرأت ہے۔ بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قرارت خلف الامام کا حکم نہیں ہے۔ صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا خوف کر کے بات کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہیے۔ بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے۔ اذ اقرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرارت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور منسیر طبری اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں لا تفعلوا الا بام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قرارت خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرما دیا ہے قال هذا اذا كان وحداً۔ ”یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو“

اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور آیت فاقروا ما تيسر من القرآن میں تعارض ثابت کر کے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ بالاتفاق قرارت خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقروا ما تيسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے۔ طلباء کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کر دیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ظاہر میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقت تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آ رہے ہیں ملاحظہ ہو عینی شرح البخاری ص ۱ ج ۱۔

پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ ”اس آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا



لہ وانصتوا سے حنفیہ نے خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے تو فاتحہ خلف الامام کے آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرارت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ خطبہ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کر لیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع و انصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اسلئے بعض فقہار نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دیدی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اس وقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کو کہا گیا تھا اور حضرت عمر کے واقعہ سے کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر سے آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا (بخاری) ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں۔ اور بعض فقہار حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ فلا اشکال ایک الزام یہ دیا ہے کہ ”نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرارت کے وقت صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرأ القرآن سے اسکو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے؟

جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مغفل کی روایت اور پرگزرجی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرارت خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقع پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں۔ بعض فقہار حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ان کے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سنت فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہار نے عموم لفظ کی بنا پر ایسی جگہ سنت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرارت سننے میں آتی ہو۔ وہ



فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔  
 رہا مقتدی کا **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھنا سو اس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں  
 امام کی قرات کے وقت مقتدی کو **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھنا جائز نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ کر خاموش ہے  
 اور موقع ملے تو سکتا امام میں **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھ لے اور سکتا امام میں سورہ فاتحہ بھی  
 پڑھ سکتا ہے جیسا بار بار گزر چکا ہے۔

رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیے۔ اسکا  
 جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں  
 تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور اسی وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے  
 پہلے نہیں۔ دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی قرات سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز  
 میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحب تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا چاہیے۔

اور امام بخاری کی جزر القراءۃ سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک  
 بچے کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی قرات کرتے ہیں وہاں آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ**  
 وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا الخ

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی  
 کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرآن  
 پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت  
 مع الاستماع کے ہیں تو اس سے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے نماز جہری  
 میں صرف امام کی قرات کے وقت ممانعت ہوگی۔ سکتا امام میں قرات کرنے کی ممانعت  
 آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتا امام کے  
 وقت بھی قرات ناجائز و حرام ہے الخ

یہ حنفیہ پر افتراء ہے۔ جو لوگ سکتا امام کی رعایت کر کے سورہ فاتحہ خلف الامام پڑھ  
 سکیں۔ اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا۔ اسی طرح سری نمازوں میں بھی قرات فاتحہ خلف  
 الامام آہستہ آہستہ جائز ہے جبکہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو۔ جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے  
 اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قرات کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ



کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا جاتا ہے الخ  
یہ محض دعویٰ ہے جو قابل قبول نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت  
اپنے لبوں کو حرکت دیکر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی  
منع فرمایا اور ارشاد ہوا، (لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ۔ فاذا  
قرأناہ فاتبع قرآنہ۔) قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے۔  
ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے دل میں) جمادینا اور پڑھو ادینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے)  
اس کو پڑھیں تو اسکی قرأت کا اتباع کیجئے۔ اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں  
فاستمع لہ وانصت کہ جب وحی نازل ہو تو اس کو سنتے رہیے اور خاموش رہیے۔

اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف ص ۳  
معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع  
کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتہ بہ کہ امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے  
اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قرأت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت  
نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ البتہ اگر انصت لہ بولا جائے  
تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سُننا اور جب انصات مطلق  
ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو قاموس ص ۹ ج ۱۔ پس امام کے ساتھ ساتھ  
قرأت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔

اس کے بعد یہ الزام دیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کہی سکتے  
ثابت ہیں۔ اگر مقتدی سکات مذکورہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو آیت اذا قرئ القرآن  
کا مخالف نہ ہوگا۔

جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سکات  
امام پر واجب نہیں کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر امام سکات نہ کرے تو مقتدی قرأت  
فاتحہ نہیں کر سکے گا۔ نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی مانعت میں  
نازل ہوئی ہے۔ اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے  
اصحاب کا ہے۔



جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا کر شور کریں گے۔ کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع و خضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی۔

اہل حدیث جو اس قسم کی لغو باتیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویل کرتے رہیں تو وہ عامل بالمحدیث ہوں، اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخوان فروش قرار پائیں، سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرات جائز ہے تو خطبہ جمعہ میں بھی چلا کر بولنا، ہی منع ہوگا۔ کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح و تکبیر و تہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمام علماء نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبہ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر و تسبیح و تہلیل کرنا جائز، اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہذا سے استدلال کرنا تمام محدثین و مفسرین کے خلاف ہے۔ یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے۔ حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قرات خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اسمیں جمہور سلف و خلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حدیث اعرابی سے انکے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل



ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بار میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے الخ

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ شانِ نزول فقط خطبہ جمعہ ہے کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرات کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا۔ جب سورہ بقرہ کی آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرات خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ نہ کرتے تھے۔ کسی ایک یا دو ناواقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے کس نے قرات کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قرات کی ہے۔ اس کو آپ نے منع کر دیا۔

پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفارہ کو خطاب ہے۔ اور اگر آیت کو قرات خلف الامام پر محمول کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ۔

میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گزر چکا ہے کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قرات خلف الامام سے منع کرنے میں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ہذا بصائر للناس وھدای ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ ”یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔“ جس میں اہل ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے۔ اس کے بعد واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ہے۔ اس کے بعد واذکر



ربك في نفسك تضاعفاً وخيفة ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تكن من الغافلين ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت و اذا قرئ القرآن سے پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قرأت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے قرآن کا سیاق و سباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر و ہدایت و رحمت ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اسکو سنو اور خاموش رہو تاکہ اچھی طرح بصیرت و ہدایت و رحمت سے حصہ حاصل کر سکو، اس کے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیا کرو صبح اور شام اور غفلوں میں شمانو۔ بتلایے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور و غل اور چلانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا وہاں ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغو فيه لعلكم تغلبون فلنذيقن

الذين كفروا عذاباً شديداً ولنجزينهم اسوأ الذي كانوا يعملون ۝

یعنی کافروں کو سخت عذاب دیا جائے گا اور ان کو اس سے بھی برا عذاب دیا جائے گا۔ ہم ان کو سخت عذاب (کامزہ) چکھائیں گے اور انکی اس بُری حرکت کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحموا کا عنوان ہی بتلایا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے وہی قرآن کو سننے اور خاموش رہنے پر رحمت کے اُمیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس پر رحمت کے اُمیدوار کیونکر ہو سکتے ہیں جب تک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں کہ اس آیت میں صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو خطاب ماننے سے قرآن کی آیات میں ارتباط نہ رہے گا۔ بلکہ سیاق و سباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قرأت خلف الامام سے نہایت پر محمول کیا ہے جیسا علامہ طبری کے حوالہ سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھ دیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف و خلف نے قرأت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رد کرنا



چاہتے ہیں الغریق یتثبت بالحشیش اسی کو کہتے ہیں کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔  
دلائل حدیثیہ پر تنقید :

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو ٹوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قراءت فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہو گئی تو حالت قیام میں بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر ہو جائے گی الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قراءت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولاھا قراءۃ لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ۔ ”پھر قراءت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اھ۔“

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قراءت کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔

میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلتا جائے تعجب ہے کیونکہ یہ تو سرسری قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس بالبیس کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ انکو کسی حدیث سے اسکا ثبوت دینا چاہیے کہ قراءت کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت عبادہ کی حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ ابفاختہ الکتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر اور کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کر سکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ دوسری حدیث من کان لہ امام فقرا اتلہ

لہ کہ سب پہلے ابیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ انکی بلا جانے کہ قیاس ابیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں۔ ۱۲ ط



قراءۃ سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اول اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابو بکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی۔ اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی۔ پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزر القراءۃ بیہقی ص ۶۸ عن حسان بن عطیہ عن ابی الدرداء قال لا تترك الفاتحة خلف الامام زاد ابن ابی الحواری ولوان تقرأ وانت راكع وفي رواية اخرى عن ابی الدرداء قال لو ادركت الامام وهو راكع لاحببت ان اقرأ بفاتحة الكتاب۔ "حسان بن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھڑو۔ چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۃ فاتحہ (رکوع ہی میں) پڑھ لوں۔ اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے۔ پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ "جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے" حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرأت کافی ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ حالت رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا انکی جس بدحواسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں،



ان کو یا تو ظاہر یہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہئے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابوالدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پائے تو رکوع ہی میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر وہ جمہور کی طرح اسکے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرات فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابو بکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے انکی وہ رکعت ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا۔ ان سے صاحب تکمیل کی بدحواسی ظاہر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابو بکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اسکا ذکر کہاں ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علاوہ شواکافی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری امت کے خلاف ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔

### دوسری دلیل پر تنقید :

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ابوداؤد کے حوالہ سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فالغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرات کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے قرات کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھین رہا ہے؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قرات کرنے سے رک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر کے ساتھ قرات کرتے تھے۔ اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعیؒ نے مسند میں ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے دیا ہے کہ صحابہ قرات کرنے سے رک گئے، یہ لفظ مدح ہے

۱۵ یعنی راوی نے بڑھادیا ہے۔ صحابی کا قول نہیں۔ ۱۲ ظ



مرفوع نہیں ہے۔ یہ زہری تابعی کا قول ہے۔

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابو داؤد نے اس کو معمر کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، ”لوگ جہری نماز میں قرات سے رک گئے۔“ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے۔ پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتویٰ تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی و سیر و اخبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امام وقت ہے۔ زمانہ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ اس سے نماز سری میں قرات کی مانعت نہیں پائی جاتی۔ تو سری نمازوں میں قرات سے ہم بھی منع نہیں کرتے مگر جہری میں تو قرات کی مانعت ثابت ہو گئی اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سنے الخ

مگر وہ یہ تو بتائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتہی الناس عن القراءة فی ما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءة۔ پس لوگ قرات کرنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرات جہر سے کرتے تھے ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قرات سے رک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرأ بھائی نفسک کہ سورہ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا کہ جو وہ حدیث عبادہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب میں دوسری احادیث کی وجہ سے ہذا اذا کان وحده کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی قرات کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تمنا نماز پڑھ رہا ہو اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر کی روایت سے اسکی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا بھی اسکی مؤید ہے۔ فہا ہو جوابکہ فہو جوابنا، صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا



ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

### تیسری دلیل پر تنقید :

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا۔ ایک تو حضرت جابر کی حدیث من صلی رکعة لم یقرأ فیہا یام القرآن فلم یصل الا ان یتکون وراء الامام جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اُس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ اسکا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اسکی بلا فاتحہ درست ہے۔ بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابر سے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہنچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا، ترمذی نے اس حدیث سے امام احمد کا عدم وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا نقل کیا ہے تو کیا امام احمد حدیث کا مطلب غلط سمجھے صاحب تکمیل ہی صحیح مطلب سمجھے سبحان اللہ! لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پالی گئی ہے۔ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" اسی کو کہتے ہیں۔ اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جاسکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعی ثابت نہ کر سکیں گے۔ یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابر کو موقوف قرار دیکر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الخنفیہ مقبول نہیں۔ مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابر کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیونکر ہے۔ حدیث اذا قرأ فالصمتوا کے وہ خلاف نہیں۔ اور حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ کے بھی موافق ہے۔ رہی حدیث عبادہ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابر کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پر محمول کرتے ہیں کیونکہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔

پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ گل کھلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالہ سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اسکی پُر زور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذلک یحییٰ بن السلام عن شعبۃ فہو منکر الخ۔ "منجملہ انکے حدیث یحییٰ بن



سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے۔ جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہوگا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحییٰ بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلیٰ سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیونکہ یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیء ولکن ذکرک ما یقول اهل الروایۃ فی ذلک ۱۵ ص ۳۶ ج ۱ یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔

### صاحب تکمیل کی خیانت :

اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص ۱۱ ج ۱ پر امام مالک کے واسطے سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر سے قرارت خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحییٰ بن سلام و ابن ابی لیلیٰ کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پُر زور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہہ دیا تھا کہ میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا تھا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف یا مطعون نہیں ہیں۔ اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحییٰ بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اسکی زیادت مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص ۱۱ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت



پر محمول کیا جاسکے کیونکہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فتویٰ اپنی طرف سے استعمال کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحییٰ بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص ۲۶ ج ۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کر جاتا ہے۔ ابو زرہ رازی نے کہا لا باس بہ ربہما وھم ”اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کر جاتا ہے“ ابو حاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابوالعرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ ”حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا“ اھ صرف دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے اس کی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اس وقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحییٰ بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اس کی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہہ دیا تو کیا جرم کیا؟

رہا یہ کہ طحاوی نے اس کے بعد اسماعیل بن موسیٰ سُدی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کر دوں؟ امام مالک نے فرمایا خذہ ابرجلہ۔ اس میں سب سے پہلے تو اسماعیل سُدی کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس درجہ کا ہے؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور نہاد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس کے پاس جانے پر انکار کیا اور کہا یہ شخص فاسق ہے۔ سلف کو برا کہتا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کر دیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے (کوئی اسکے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اسکے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے، یعنی غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے۔ (تہذیب ص ۳۳ ج ۱) ایسے غالی شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجرد قرار دینا صاف تکمیل ہی کی جرات ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریک درس ہونے پر ان کے الفاظ یہ ہیں کہ ”اس کے پیر پکڑ لو“ جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ



اس کو قید کر لو تاکہ حدیث بیان نہ کرنے پائے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ پیر پکڑ کے یہاں سے نکال دو۔ یہ شیعہ غالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو اسکا رفع صحیح نہ ہوگا، مگر حسن تو ہو سکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔  
چوتھی دلیل پر تنقید :

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے واذا قرأ فانصتوا وارد ہے (صاحب تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ ”امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب وہ قرات کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو“ اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرات کے وقت خاموش رہنا چاہیے۔ ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اسکا نسخہ ہرگز نہیں کہا، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابو موسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اسکو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے۔ اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں واذا قرأ فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث واذا قرأ فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جارہی؟ حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جارہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے واذا قرأ فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اب صاحب تکمیل اسکی وجہ



بتلائیں کہ جو وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کو جو منکر تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے بدل دیں اور اگر ان کو بیہقی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل و سفیان بن عیینہ و زہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے۔

رہا یہ کہ اس حدیث اذا قرأ فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابو ہریرہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرأ کھا فی نفسک یا فارسی، کہ حالت اقتدار میں سورۃ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو، اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھو کیونکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے۔ فانصتوا لک عن القراءة فیما جہرفیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گزر چکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قولہ اقرأ کھا المراد من القراءة فی النفس والاحظار بالبال من دون ان يتلفظ بها ای احضر معانیہا فی نفسک وقد ر فیہا حین یقرأها الامام کذا نقلہ الزرقانی فی معناه عن عیسیٰ وابن نافع اھ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے، اور سوچتے رہو جبکہ امام سورۃ فاتحہ پڑھے۔ زرقانی نے اسی طرح اس کا مطلب عیسیٰ اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں، وقال الطحاوی رحمہ اللہ وكان من الحجة عليهم في ذلك ان حديث ابی ہریرہ وعائشة الذین رووہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوة لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خدا جہ لیس فی ذلك دلیل علی انہ اذ بذلک الصلوة التي تكون وراء الامام قد یجوز ان یکون عنی بذلک الصلوة التي لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذلك المأموم بقوله من كان له امام فقرأه الامام له قراءة فجعل المأموم في حكم من یقرأ بقرائة



امامہ فكان المأموم بذلك خارجاً من قوله كل من صلى صلاة لم يقرأ فيها بآحدة  
الكتاب فصلوته خذ اج اھ ملا ج ۱

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہو جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اسکی قرأت مقتدی کے لئے قرأت ہے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قرأت کی وجہ حکم قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ جو نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔ اب صاحب تکمیل انصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرأت کرے مقتدی خاموش رہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فانصتوا۔ کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۃ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرمنا چاہیے یہ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں بیان کیا ہے اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين۔ ”جب امام غير المغضوب عليهم ولا الضالين کہے تم آمین کہو“ کسی محدث نے فقولوا آمین کو مختصر الفاظ میں فامنوا کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا کہہ دیا ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو ولا الضالين کے بعد جہر سے آمین کہنا بھی ممنوع ہوگا کیونکہ حدیث میں ولا الضالين کے بعد خاموش رہنے کا امر ہے فاما ہو جوابکم فہو جوابنا۔ اور اگر کوئی مقتدی نماز میں ایسے وقت شریک ہو کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہے اس کو بحالت قیام سورۃ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس حدیث میں امام کے ولا الضالين پڑھنے کے بعد مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اس



کے متعلق صاحب تکمیل کا کیا فتویٰ ہے؟

پانچویں دلیل پر تنقید:

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان لہ امام فقراء تہ لہ قراءۃ جس کا کوئی امام ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے، صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (حدیث عبادہ) کے خلاف ہے، اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا اللعجب! اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو۔ اب سنئے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبد اللہ و عبد اللہ بن عمر و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم جمعین، حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے موطا میں امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلفہ الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ ”اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابو الاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابو خالد الدانی، سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف کر دیا) اور وہی درست ہے۔ ہم پر حجت نہیں کیونکہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصولاً روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابو حنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں۔ ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بناء پر واجب القبول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا درجہ علم حدیث میں:

یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق



قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیونکہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عقیدۃ معتزلی اور فروغاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنہ قال ثقة مأمون ما سمعت احدا ضعف هذا شعبۃ بن الحجّاج یکتب الیہ ان یحدث وشعبۃ شعبۃ ”جب یحییٰ بن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مأمون ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبۃ بن الحجّاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبۃ شعبہ ہی ہیں۔“

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبد اللہ بن المبارک، اور انکا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن نید، عبد الرزاق، وکیع بن الجراح۔ اور یہ تو امام صاحب کی فقہ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح و ثنا کی ہے (یعنی شرح بخاری ص ۱۱ ج ۶)

تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف و تنقیص منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیونکہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجروحین، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں۔ خطیب نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کو تفصیل کا شوق ہو میرا مستقل مضمون خطیب بغدادی اور منکرین حدیث“ مطبوعہ ماہنامہ الصّدیق ملتان بابت سنہ ۱۹۵۷ء، ۶۵۸ء مطالعہ کریں۔

۱۔ ہے دوسرے طرق جو حضرت عبد اللہ بن عمرو ابو سعید خدریؓ ابو ہریرہؓ و ابن عباسؓ انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان کے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں۔ اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح



سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔ پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلًا صحیح کہا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیونکہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۃ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پھر دوسری حدیث میں الا المقبرۃ والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج۔ ”جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج (ناقص) ہے“ عام ہے جس میں سے حدیث من کان له امام فقراءۃ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آپ زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض زبردستی اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قرارت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے۔ پھر ہم بتلاچکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائیں الا بام القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان له امام الخ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان له امام صحیح حدیث ہے۔ نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ اور حدیث ابو ہریرہ کے لئے مخصوص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی نے) حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا



عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سَبَّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، یہ کون میرے پیچھے قرات کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا۔ ایک شخص نے کہا میں نے قرات کی تھی۔ فرمایا، میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کو امام کی قرات کافی ہے الخ

تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قرات کی تھی اگرچہ اس سے قرات کی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قرات کی تھی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرات نہ کرنا چاہیے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ سورہ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قرات گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ ایک دونا واقف ایسا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرات سے روک دیتے تھے۔ اگر سب صحابہ قرات کرتے ہوتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورہ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے پھر قرات کرنے والے نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے سورہ فاتحہ اور سَبَّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پڑھی تھی۔ اس نے بھی صرف سَبَّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی کی قرات کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قرات فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا۔ پھر اگر قرات فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قرات سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قرات فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائے کا حال اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

چھٹی دلیل پر تنقید :

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی



گئی ہے اذاعلیٰ احدکم خلف الامام فلیصمت فان قراءتہ لہ صلوٰۃ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیونکہ اس کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے اور اسکی نماز اس کی نماز ہے۔ اس حدیث کو اول تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہیں پھر اسمیں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قرارت عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ۔ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے۔

پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءتہ لہ قراءۃ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتدار کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع وسجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۃ فاتحہ کا ہے۔ جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی کی تفسیر میں ص ۵ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۃ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے اور اسکی سورۃ فاتحہ مقتدی کی سورۃ فاتحہ ہے اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرارت کے بعد خاص سورۃ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرارت سے مراد ما سوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو رفع کر دیا گیا، یہ تو الزامی جواب تھا دیکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحۃ و فساداً متضمن صلوٰۃ مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز



صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی، اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قال وحدّ ثنائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبني ان تكون صلوة المسلمين او المؤمنين ولحدّ حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نمازیں قرار نہیں دیں اور عرفاً و عادتاً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے۔ سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے۔ ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرأت اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرأت کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرأت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ امام کی قرأت کے لئے تواستماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذارکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا۔ جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔ اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اسکے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے۔

منصفین اہل حدیث سے اپیل

اگر اہل حدیث الصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبركم فكبروا و اذاركع فاركعوا و اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد و اذا سجد فاسجد والحمد لله امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے رکوع کرو۔ جب سمع



اللہ من حمدہ کہے اللہم ربنا لک الحمد کہو، جب سجدہ کرے سجدہ کرو۔ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے واذ اقرأ فاقروا کہ جب امام قرات کرے تم بھی قرات کرو۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرات کے ساتھ قرات فرض یا واجب ہوتی تو اسکا بیان اس حدیث میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس حدیث میں اگر ہے تو اذ اقرأ فانصتوا ہے کہ جب امام قرات کرے تم خاموش رہو۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور ابوداؤد۔ پس جس کو قرات فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذ اقرأ فاقروا دکھلائے کیونکہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے۔ حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا، ساتویں دلیل پر تنقید :

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قراءۃ مع الامام فی شئ من الصلوات کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں بھی قرات نہیں ہو (امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقرأ مع الامام فی شئ من الصلوات ورجاله ثقات امام کے ساتھ کسی نماز میں قرات نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی بے تکی تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوا فاتحہ پر محمول ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں تو شپہرہ چشم کھلائیں؟ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ماننے پر ایسا زور دیتے ہیں گویا آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اثر زید بن ثابت ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت و حمایت میں کچھ لکھ دیا ہے میں پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکے گی ہر شخص کو اختیار ہوگا



کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فالصوتوا اور نص قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کر دے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تاویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول توجہ ہو اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر ادھر سے اس میں قیدیں نہ بڑھائیے اس راستہ سے آپ چلیں گے تو انشاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی توثیہ کھلی آنکھوں نظر آجائے گی۔

آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قرارت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض و واجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لیکر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جسکا آپ کو کوئی حق نہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے۔

امام احمد اور علامہ ابن تیمیہ کے قول کا اعادہ :

اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں۔ امام احمد فرماتے ہیں ”ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اہل عراق میں امام سفیان ثوری، اہل شام میں امام اوزاعی اہل مصر میں امام لیث بن سعد۔ انہیں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اسکا امام قرارت کر رہا ہو وہ قرارت نہ کرتا ہو تو اسکی نماز باطل ہے اھ“

موفق بن قدامہ نے امام احمد کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے ص ۶ ج ۱، علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قرارت خلف الامام کی مانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی اور عبادہ ثلثہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس) بھی ہیں محدثین کو ان صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قرارت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے اکثر کے اتفاق کو اجماع کہہ دیا گیا کیونکہ ہمارے نزدیک اسکو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ ابن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے



اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام کے بارے میں بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جنکے نام یہ ہیں) ابو بکر صدیق عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن طالب، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بجاوہ کتب و اسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "تنوع العبادات" میں فرمایا ہے کہ سلف نے عام طور پر قرأت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جبکہ امام قرأت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورہ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرأت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور جمہور سلف و خلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قرأت خلف الامام کی صورتیں نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء جہری نماز میں بھی مقتدی پر قرأت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قرأت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنت صحیحہ بھی۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کرتے ہیں انکی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرأت کرے خاموش رہو) امام احمد اور اسحاق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے (لا تفعلوا الا باہم القرآن) کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورہ فاتحہ۔ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اسکا ضعیف ہونا چند وجوہ سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

حنفیہ کا اہل حدیث پر احسان :

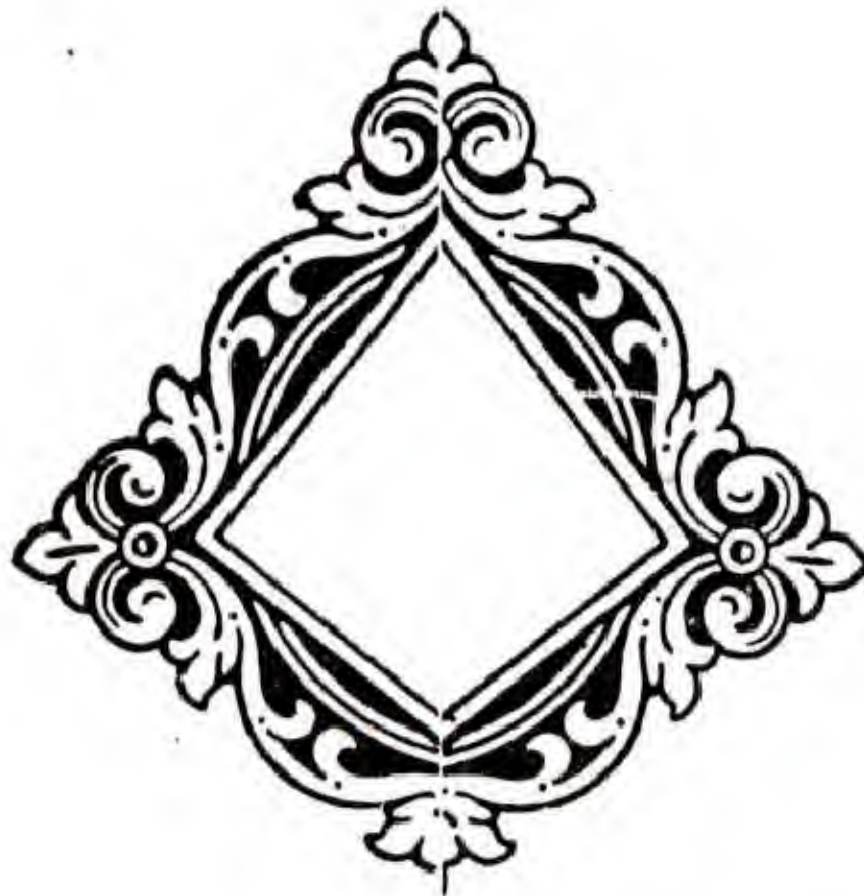
الحمد للہ کہ آج بروز چار شنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۴۸۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جواہر تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں امام ابو حنیفہ



کا مسلک کتاب اللہ اور سنت صحیحہ اور اجماع جمہور سلف و خلف سے مؤید ہے اور جو اہل بیت مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قرات فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں انکے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قرات کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ کیونکہ قرآن میں اور سنت صحیحہ میں مقتدی کو قرات قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم قرات سے منع کیا گیا ہے اور اہلحدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا۔ پس ان کو امام ابو حنیفہ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ قرات خلف الامام کی وجہ سے انکی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہلحدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالا جماع قرات خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیحہ اذا قرأ فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قرات کرے خاموش رہو اہلحدیث کی نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسا صوم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے۔

امید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت و ادب کا پاس کر نیکی توفیق دے اور اس سالہ کو مقبول عام و خاص بنائے۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین والحمد لله الذی بنعمتہ و بعزّتہ و جلّالہ تتم الصلوات ۛ

۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ





## باب الامامة والجماعة

جماعت فجر کے وقت سنتیں پڑھنا؛

سوال :- فجر کی جماعت قائم ہو تو سنت فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھیں تو طلوع شمس سے قبل پڑھیں یا کہ بعد؟ بینوا تو جروا،

### الجواب منه الصدق والصواب

اگر تشہد میں جماعت سے شرکت کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، مگر مسجد سے باہر پڑھ یا حائل سے پڑھ، مثلاً ستون وغیرہ کے پیچھے، صفت سے اختلاط کر کے یا صفت کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ ہے، لہذا اگر خارج المسجد یا ساریہ وغیرہ کے حائل سے پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو ترک کر دے، ایسے ہی اگر تشہد میں شرکت کی امید نہ ہو تو ترک کر دے، اور طلوع شمس کے بعد پڑھ، بعد الطلوع پڑھ لینا افضل ہے، ضروری نہیں، بہت سے فقہاء کا قول ہے کہ اگر رکعت ثانیہ میں شرکت کی امید نہ ہو تو سنت نہ پڑھے، مگر شامیہ سے قول اول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶، ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ

نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو جانا؛

سوال :- کوئی شخص نفل یا سنت پڑھ رہا ہو اس حالت میں جماعت قائم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب منه الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل یا سنن میں شروع ہونا اس شرط سے جائز ہے کہ رکعت اولیٰ فوت ہونے کا خوف نہ ہو، الا سنن الفجر، اگر قیام جماعت سے پہلے

۱۵ یعنی ایسی حالت میں سنت شروع نہ کرے، اگر شروع کر دیں تو قطع کرنا جائز نہیں ۱۲ منہ

۱۷ باب الوتر والنوافل میں بتفصیل دلائل آ رہے ہیں، ۱۲ منہ



توافل یا سنن شروع کر چکا ہے تو ایک قول پر تفسیر بسجدہ سے قبل یہ نماز قطع کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، مگر صحیح یہ ہے کہ تفسیر بسجدہ کی ہو یا نہیں بہر حال دو گانہ پورا کر کے شامل ہو، اگر ظہر کی چار سُنن پڑھ رہا ہو تو ایک قول پر چار رکعتیں کامل کرے، مگر صحیح یہ ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، البتہ اگر رکعتِ ثالثہ میں کھڑا ہو گیا ہے تو ایک قول پر تفسیر بسجدہ سے قبل تشہد کی طرف رجوع کر کے سلام پھیرے، مگر رائج یہ ہے کہ چار رکعات پوری کر لے، ثالثہ کو خواہ مقید بسجدہ کیا ہو، سنن جمعہ کا بھی یہی حکم ہے، یعنی سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہو جائے تو دو رکعت پر سلام پھیرے اگر خطبہ سے قبل تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو چار پوری کرے، مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت شروع کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراك الفريضة،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ

فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو گئی:

سوال :- ایک شخص فرض پڑھ رہا تھا اس حالت میں جماعت قائم ہو گئی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اگر رکعتِ اولیٰ کے سجدہ سے قبل امام نے تکبیر تحریم کہہ دی تو نماز قطع کر کے امام کی اقتدار کرے۔

رکعتِ اولیٰ کا سجدہ کر لیا ہو تو فجر و مغرب میں قطع کر کے اقتدار کرے اور بقیہ نمازوں میں شفع پورا کر کے اقتدار کرے۔

ثانیہ کا سجدہ کر لیا ہو تو قطع نہ کرے بلکہ فجر و مغرب میں پوری نماز پڑھ لے اور اقتدار نہ کرے۔ بقیہ نمازوں میں شفع پورا کر کے اقتدار کرے۔

ثالثہ کا سجدہ کر لیا ہو تو نماز پوری کر کے متنعلاً اقتدار کرے، الا فی العصر۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: حاصل هذه المسألة شرعاً فی فرض فاقیم قبل ان یسجد للاولی قطع واقتدی فان سجد لها فان فی رباعی اتم شفعاً واقتدی، ما لم یسجد للثالثة فان سجد اتم واقتدی متنعلاً الا فی العصر وان فی غیر رباعی قطع واقتدی ما لم یسجد للثانية فان سجد لها اتم ولم یقتد اھـ وقال ایضاً تحت (قوله لا اقامة المؤذن)



فكأنه قال المراد بالاقامة الشرع في الفريضة في مصلاة لا اقامة المؤذن (شامية ج ۱)  
فقط والله تعالى اعلم

۱۶ رزی قعدہ ۱۲۸۵ھ

قضا نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو گئی:

سوال :- قضا نماز پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قضا نماز شروع کرنے سے قبل ہی جماعت قائم ہو جائے تو بھی صاحب ترتیب پہلے قضا نماز پڑھے  
اس کے بعد ہو سکے تو جماعت میں شامل ہو جائے، اور غیر صاحب ترتیب قضا نہ پڑھے بلکہ جماعت  
میں شامل ہو، اور اگر قضا نماز شروع کرنے کے بعد جماعت قائم ہو تو قطع نہ کرے (سواء کان صاحب  
الترتیب اولاً) ہذا فی الشامیۃ باب ادراك الفريضة، فقط والله تعالى اعلم،

۱۶ رزی قعدہ ۱۲۸۵ھ

لنگر اچلنے پر قادر ہو تو اس پر جماعت واجب ہے:

سوال :- ایک مولوی صاحب کا گھر دو مسجدوں کے درمیان ہے، امام کی قرارت اس کے  
گھر میں سنائی دیتی ہے۔ یہ مولوی صاحب دونوں پاؤں سے لنگرے ہیں، البتہ تجارت وغیرہ  
معاملات بخوبی کرتے ہیں اور چلتے پھرتے رہتے ہیں، کراچی وغیرہ تک بھی جاتے رہتے ہیں، مگر مسجد  
میں جماعت سے شامل نہیں ہوتے، کیا ان کے لئے یہ عذر ترک جماعت کے لئے کافی ہے، اگر کافی  
نہیں تو ترک جماعت کس قدر مجرم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

جبکہ مولوی صاحب بخوبی چلتے پھرتے رہتے ہیں تو ان کے لئے ترک جماعت جائز نہیں،  
جماعت ایسے لنگرے سے معاف ہو جو چلنے پر قادر نہ ہو، الا عرج الذی لا یستطیع المشی،  
(شامیۃ) تارک جماعت کے لئے سخت وعید ہے، تارکھا بلا عذر یعزرو وترد شہادۃ (شامیۃ)  
فقط والله تعالى اعلم

۲۷ شوال ۱۲۸۵ھ

نابینا کی امامت:

سوال :- نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،



## الجواب منه الصدق والصواب

نابینا کی اقتدار مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر یہ نابینا سب سے افضل ہے اور مسائل سے زیادہ واقف ہے تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اس کو امام بنانا افضل ہے، قید کراہۃ امامۃ الاعلیٰ فی المعیط وغیرہ بان لا یكون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولیٰ (شامیہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۶ رزی قعدہ ۱۴۲۸ھ

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت :

سوال :- ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

## الجواب منه الصدق والصواب

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا اظہار و اعلان ہے، اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فیصلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں علانیہ کھائے پیئے وہ واجب لقتل ہے، کیونکہ وہ کھلے طور پر شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل امتی معافی الا المجاہدین "میری پوری امت لائق عفو ہے مگر علانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں"۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، سو رہا ہو تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتیٰ کہ نماز وغیرہ عبادت میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلی ہے، قوم لوط کے اسباب عذاب میں ڈاڑھی کٹانا بھی ہے، (درمنثور)

غرضیکہ ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظم نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اس کا وبال و عذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا، صلی خلف فاسق اور مبتدع مال فضل للجماعة (درمختار) وفي الشامية افاد ان الصلوة خلفها اولیٰ من الا نفل ولكن لا ینال کمایناں خلف تقی ورج (شامیہ ج ۱) وقال لینی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل سبر و فاجر فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۶ رزی قعدہ ۱۴۲۸ھ



## سوال مثل بالا:

سوال: زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانے اور منڈانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، لہذا ایسے شخص کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے رہنا چاہیے، حوالہ شامیہ اور فتح القدیر کا دیتا ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟ بیاد توجروا!

## الجواب منہ الصدق والصواب

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہی نہیں ہوتی، احناف کے ہاں نماز صحیح تو ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہے، کراہت تنزیہیہ و تحریمیہ کے بارے میں اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کچھ اختلاف کیا ہے، مگر راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط لازم ہے، محرم اور مباح میں تعارض کے وقت اصولاً محرم کی ترجیح متعین ہے، خصوصاً جبکہ بعض ائمہ کے ہاں نماز درست ہی نہیں ہوتی، اور فرض ہی ادا نہیں ہوتا تو اختلاف سے احتراز اور اہم ترین فرض کی ادار علی وجہ الکمال بلکہ فرض سے یقینی طور پر برائی الذمہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فاسق کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اسی لئے موجودہ وقت کے محققین علماء حنفیہ کراہت تحریمیہ پر متفق ہیں، قال فی الشامیۃ واما الفاسق فقد علوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لا یهتم لامردینہ و بان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ولا یخفی انہ اذا کان اعلم لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارۃ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذہ المرتجز الصلوۃ خلفہ اصلاً عند مالک فلذا حاول الشارح فی عبارة المصنف حمل الاستثناء علی غیر الفاسق، واللہ اعلم (رحم المختار ج ۱) فتح القدیر اور شامیہ میں کراہت تنزیہیہ کا قول ہرگز نہیں، زید کا قول محض افتراء اور بہتان ہے، یا زید در مختار کے متن اور شرح میں امتیاز نہیں کر سکتا، جہالت کی وجہ سے متن اور شرح کو خلط کر کے غلط نتیجہ نکال رہا ہے، متن میں صرف یکوہ کا لفظ ہے، تنزیہ کا لفظ شارح نے زیادہ کیا ہے، مگر متن کی عبارت الا ان یکون الشارح کا فاسق کو مستثنیٰ کرنا باین دلیل ہے، کہ شارح کی طرف سے تنزیہ کا لفظ بھی غیر فاسق سے متعلق ہے، شامیہ کی مذکورہ عبارت یعنی فلذا حاول الشارح الخ اس کی وضاحت کر رہی ہے، غرضیکہ تنویر الابصار میں یکوہ کا لفظ مطلق ہے جس سے متبادر کراہت تحریمیہ ہی، کما صرح



فہ الفقہاء، اور درمختار کی عبارت سے کراہت تحریمیہ مفہوم ہے، اور رد المحتار میں کراہت تحریمیہ کی تصریح ہے، فتح القدیر اور عالمگیری وغیرہ میں بھی یکوہ کا لفظ مطلق ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح کہ کراہت کے اطلاق کے وقت کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے،

البتہ فاسق اگر امام بن گیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جدا نماز پڑھنے سے افضل ہے، قال التبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر و فی شرح التنویر عن النہر عن المحیط سلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة و فی الشامیة اذا دان الصلوۃ خلفہما اولی من الانفل و لکن لا ینال کما ینال خلف تقی و رع الخ، علماء امت حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے، مگر اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنانا جائز نہیں، اگر مسجد کی منتظمہ نے فاسق کو امام بنادیا اور دوسری جگہ کوئی صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ فاسق ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ لے، اس کو امام بنانے کا عذاب منتظمہ پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۵۳ھ

ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کر لی تو بھی ڈاڑھی پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے:

سوال :- ایک آدمی ڈاڑھی منڈواتا ہے، اب اس نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے، اور اس نے ڈاڑھی چھوڑنے کا عزم کر لیا ہے، کیا اس حالت میں جبکہ وہ توبہ کر چکا ہے مگر ڈاڑھی نہیں ہے اور اور نہ جلدی ڈاڑھی اگنا اس کے بس کی بات ہے، آیا اس کے امام بننے میں کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

توبہ کے باوجود ایسے شخص کی امامت دودھ سے مکروہ ہے، ایک یہ کہ اس پر تا حال اثر صلاح نمایاں نہیں ہوا، یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ اس کبیرہ سے احتراز کا اہتمام کرے گا یا نہیں؟ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں اُن کو مغالطہ ہوگا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ فاسق نماز پڑھا رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں:

سوال :- کیا صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ ہے؟ شامیہ میں ہے: کل صلوۃ

ادیات مع الکماہۃ تجب اعادتها،

اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب ہے، بینوا توجروا،



## الجواب منه الصدق والصواب

اس سیرت میں اعادہ نہیں، مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بقاء کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، کسی سے اعادہ ثابت نہیں، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "صلوا خلف کل بر وفاجر" میں بھی اعادہ کا ذکر نہیں، نہ ہی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس میں اعادہ کا حکم دیا ہے، باقی رہا کلیہ "کل صلوۃ ادیت مع الکراہۃ تجب اعادتها" سے تعارض ہو اس کے مندرجہ ذیل جوابات ہو سکتے ہیں:-

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک واجب جماعت کے باوجود صلوۃ المنفرد کے عدم وجوب اعادہ کی توجیہ یوں فرمائی ہے: الا ان یدعی تخصیصہا بان مرادہم بالواجب والستۃ التي تعاد بترکہ ماکان من ماہیۃ الصلوۃ واجزاہما رشامیۃ باب اجبا الصلوۃ، مذکورہ اعتراض کے جواب میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ صلوۃ خلف الفاسق میں ماہیت صلوۃ اور اجزاء صلوۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں، اس لئے واجب الاعادہ نہیں، مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ صلوۃ بحالت مدافعة الاخبثین یا بحالت حل صورت واجب الاعادہ ہے، حالانکہ اس میں ماہیت صلوۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں پایا گیا، چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے آخر بحث میں یہی اشکال ظاہر فرمایا ہے،

② اعادہ اس صورت میں لازم ہے جب کہ اعادہ میں کوئی کراہت نہ ہو، صلوۃ خلف الفاسق کے اعادہ میں جماعت کی اولویت سے افراد کی غیر اولویت کی طرف رجوع کی کراہت ہے، اس لئے صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں، اس جواب میں یہ اشکال ہے کہ اگر اعادہ بالجماعۃ ممکن ہو تو وہ واجب ہونا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں،

③ یہ جزئیہ حدیث "صلوا خلف کل بر وفاجر" اور اجماع امت کی بنا پر مستثنیٰ ہے، اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاسق کی اقتدار نہ کرنے میں انتشار و فتنہ کا خطرہ ہے، اور اقتدار کے بعد اعادہ میں اگرچہ خطرہ نسبت کم ہے مگر جرح ہے، کیونکہ یہ امر کثیر الوقوع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۳ ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ

امام مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہوگی؛

سوال ۱۔ امام مسافر اگر چار رکعتیں کامل کرے تو مقتدی جو مسافر نہیں ان کی نماز اس کے

پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جبروا،



## الجواب منه الصدق والصواب

امام کی آخری دو رکعتیں نفل ہیں اور مقتدی کی فرض، اقتدار المفترض خلف المتفضل کے لزوم کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی، البتہ اگر مقتدی آخری دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں، امام کی اقتدار ملحوظ نہ رکھیں تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی، لما فی شرح التنویر ولو توفی الاقامة لا لتحقيقها بل ليدتم صلوة المقيمين لم يصير مقيماً وفي الشامية ر قوله لم يصير مقيماً، فلواتم المقيمون صلواتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتفضل ظهيرية ای اذا قصدوا متابعتهم اما لو توفوا مفارقتهم ووافقوه صورة فلا فساد افاده الخیر الرملی (شامیہ، جلد ۱)، فقط والله تعالى اعلم،

۲، رذی الحجہ ۱۲۸۴ھ

امام راتب الحق بالامامت ہے:

سوال :- مسجد میں ایک امام مقرر رہو، اتفاقاً اگر اس سے زیادہ اعلم کوئی شخص آجائے تو امامت کا حقدار کون ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب منه الصدق والصواب

امام راتب الحق ہے لما فی شرح التنویر واعلم ان صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب اولى بالامامة من غيره مطلقاً وفي الشامية (قوله مطلقاً) ای وان كان غيره من الحاضرين من هو اعلم واقراء منه (رحم المختار ج ۱)، فقط والله تعالى اعلم، ۲۰، رذی الحجہ ۱۲۸۴ھ

غیر معذور کی اقتدار معذور سے جائز نہیں:

سوال :- غیر معذور کی نماز معذور کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موافق الاقتداء ولا طاهر بمعذور (رحم المختار ج ۱ ص ۵۲۲) فقط والله تعالى اعلم ۱۱، رذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

رکوع وسجود پر قادر کی اقتدار عاجز سے جائز نہیں:

سوال :- رکوع اور سجدے پر قادر کی نماز اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،



## الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التذویر فی موانع الاقتداء وقادر علی رکوع وسجود بعاجز  
عنہما (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

متوضی کی اقتدار یتیم سے جائز ہے ؟

سوال :- متوضی اقتدار یتیم کی کر سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

## الجواب منه الصدق والصواب

کر سکتا ہے، قال فی التذویر وضح اقتداء متوضی لاماء معہ بمتیتم رد المحتار

ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

مسح کرنے والے کی امامت جائز ہے :

سوال :- عذر کی وجہ سے کسی عضو پر مسح کرنے والے کے پیچھے اعضاء کو دھونے والا نماز پڑھ سکتا

ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

## الجواب منه الصدق والصواب

پڑھ سکتا ہے، قال فی التذویر وضح اقتداء متوضی لاماء معہ بمتیتم وغاسل بماء

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے :

سوال :- قائم کی اقتدار باقاعدہ عند الخفیہ درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

## الجواب ومنه الصدق والصواب

درست ہے، قال فی التذویر وضح الاقتداء (الی قولہ) وقتائتم بقاعد

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم کو بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے :

سوال :- امام اگر تکبیرات انتقال و تکبیر تحریم بہت آہستہ کہے تو نماز میں کچھ خلل ہے یا نہیں ؟



اور جہر کی کیا حد ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب منه الصدق والصواب

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنون ہے، اس لئے اس کے ترک سے سجدہ سہر تو نہیں البتہ ترک سنت کا گناہ ہوگا، اور جہر کی حد یہ ہے کہ پوری صف اول تک آواز پہنچے قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوٰۃ وجہر الامام بالتکبیر بقدر حاجتہ للاعلام بال دخول والانتقال وکن بالتسمیع والسلام وفي الشامية و اشار بقوله والانتقال الى ان المراد بالتكبير هنا ما يشمل تكبير الاحرام وغيره وبه صرح في الضياء رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳ وايضاً في فصل القراءة من الشامية قال في الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير ان الامام اذا قرأ في صلوٰۃ المخافتة بحيث سمع رجل او رجلان لا يكون جهرًا و الجهر ان يسمح الكل ام اى كل الصف الاول لاكل المصلين بدليل ما في القهستاني عن المسعودية ان جهر الامام اسماع الصف الاول ام رالى قوله فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافتة اسماع نفسه او من يقرب به من رجل او رجلين مثلاً واعلاها مجرّد تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي ولا تعتبر هنا في الاصح وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس يقرب به كاهل الصف الاول واعلاه لاحد له فافهم و غلّتهم، هذا تحريم هذا المقام فقد اضطرب فيه كثير من الافهام رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۹ فقط والله تعالى اعلم  
۲۰ صفر ۱۳۷۶ھ

تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم:

سوال:- ظہر کی نماز میں مقتدیوں نے اختلاف کیا، بعض کہتے ہیں چار ہوتیں، اور بعض کہتے ہیں کہ تین، امام کس قول پر عمل کرے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب منه الصدق والصواب

قال في المندية في آخر الفصل السابع من الباب الخامس من كتاب الصلوٰۃ:-

① لو وقع الاختلاف بين الامام والقوم فقال القوم صليت اربعاً ان كان الامام على اليقين لا يعيد الصلوٰۃ بقولهم وان لم يكن على يقين يعيد الصلوٰۃ بقولهم،



- ② ولو اختلف القوم فقال بعضهم صلى ثلاثا وقال بعضهم صلى اربعا والامام مع احد الفريقين يؤخذ بقول الامام وان كان معه واحد كذا في الخلاصة،
- ③ واذا لم يكن مع الامام واحد واعاد الامام الصلوة واعاد القوم معه مقتدین به صح اقتدائهم به كذا في المحيط،
- ④ ولو استيقن واحد من القوم انه صلى ثلاثا واستيقن واحد انه صلى اربعا والامام والقوم في شك ليس على الامام والقوم شيء كذا في الخلاصة ولا يستحب للامام الاعادة وعلى المتيقن بالنقصان الاعادة،
- ⑤ ولو كان الامام استيقن انه صلى ثلاثا وواحد استيقن بالتمام كان عليه ان يعيد بالقوم ولا اعادة على الذي يتيقن بالتمام كذا في المحيط،
- ⑥ ولو استيقن واحد من القوم بالنقصان وشك الامام والقوم فان كانت ذلك في الوقت اعادها احتياطاً وان لم يعيد وافلا شيء عليهم الا اذا استيقن عدلان بالنقصان واخبر ابن لك كذا في الخلاصة (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۸)
- ⑦ وايضا فيها في آخر الباب الثاني عشر عن الظهيرية قال محمد بن الحسن رحمه الله تعالى فاعيد بقول واحد عدل بكل حال كذا في التارخانية،
- (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۸)
- والروایات المذکورہ کلاهما مسطورة ایضاً فی رد المحتار قبیل بأصلوة المریض ج ۱ ص ۱، ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:-

- ① بہتر یہ ہے کہ بہر کیف قول واحد عدل سے اعادہ کیا جائے (للمروایة السابعة)
- ② اگر بعض کو اتمام یا نقصان کا یقین ہو اور بعض کو شک ہو تو متیقن بہر حال اپنے یقین پر عمل کرے، اگرچہ متفرد ہو، (للمروایة الخامسة والرابعة والشق الاول من الاولی) اور مترددین پر عدلین کے قول سے اعادہ ہے، (للمروایة السادسة والشق الآخر من الاولی) متیقن واحد کے قول سے اعادہ نہیں (للمروایة السادسة) البتہ اگر امام متیقن بالنقصان ہو تو اس کے قول سے مترددین پر اعادہ ہے، اگرچہ عدل واحد اس کے خلاف کا جازم ہو (للمروایة الخامسة) عدلین کے مقابلہ میں صرف امام کا قول حجت نہیں (کما هو مفهوم الروایة الثانية)
- ③ اگر متعدد اشخاص جازم بالنقصان ہیں اور متعدد جازم بالاتمام اور باقی متردد، تو مترددین



پر امام کا قول واجب العمل ہوگا، اگرچہ امام کے ساتھ محض سررد واحد ہو اور دوسری جانب جماعت کثیرہ،  
 (للدروایۃ الثانیۃ) اگر امام خود متردد ہے تو اذا تعارضتا تساقطا کے تحت متردین پر اعادہ نہ ہوگا، ظہن  
 میں تعدد کے بعد قلت و کثرت کا اعتبار نہیں لانه لا اعتبار لکثرة الحجة بل لقوتها،

④ اگر امام کو اتمام کا یقین تھا معہذا اس نے احتیاطاً اعادہ کیا تو مترددین اور جازمین نقصان  
 کی اقتداء صحیح ہے، (للدروایۃ الثالثۃ) وجہ یہ ہے کہ امام کے خیال میں اگرچہ یہ اعادہ واجب نہیں  
 مگر مقتدیوں کے خیال میں واجب ہے، پس جازمین نقصان امام کی صلوٰۃ کو بھی فرض سمجھ رہے ہیں،  
 لہذا اقتداء درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
 ۲۲ صفر ۱۳۸۵ھ  
 بل تجب الاعادة علی من سہا خلف الامام:

سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ فیما اذا سہا المقتدی خلف الامام هل  
 یعيد الصلوة بطریق جبر النقصان ام لا؟ بینوا بالدلائل الشافیة والعبارة  
 الواضحة،

### الجواب منه الصدق والصواب

قال فی الفتح (قوله سجد وحده كان مخالفاً) ای فی نفس مایؤدیه مع الامام  
 حکماً وان کان سجودہ بعد فراغ الامام الخ رفتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۲) وقال فی الشامیۃ  
 تحت (قوله لا بسهوة اصلاً) لا قبل السلام للزوم مخالفة الامام ولا بعد لخروجه  
 من الصلوة سلام الامام (الی قوله) بل الاولى التمسك بما روی ابن عمر  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علی من خلف الامام سہواہ  
 (رتبیہ) قال فی النہر ثم مقتضى كلا مهم انه یعيد هالثبت الکراهة مع  
 تعذر الجابر (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۹)

اقول مفاد عبارة الشامیۃ ان مدار وجوب الاعادة علی ثبوت الکراهة  
 مع تعذر الجابر وما ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تعلیل التعذر اولاً  
 اورد علیہ اشکالاً من النہر ثانیاً و لذلک اقال بل الاولى التمسك بما روی الخ فکأنہ  
 ما رضی بالتعلیل المذكور و اما تعلیل ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فاعترض علیہ  
 ایضاً الفاضل الجلی فی حاشیئہ علی العنایۃ فلما لم یثبت تعذر الجابر و آل  
 الامر الی التمسك بالنص الناقض للقیاس فہدم بناء وجوب الاعادة والحدیث



ایشاید علی عدم الاعادة لانه لما ارتفع السهو عن المأموم وعفاه الشرع فلا وجه لایجاد الاعادة علیه علی ان صاحب النهر ما اتی بروایة من ائمة المذہب وما ذکر نصاً من المشایخ بل اخذ شیخاً من فحوی کلامهم وهو کما تری، لان سکوتهم عن وجوب الاعادة يدل علی عدمه، فان السکوت فی معرض بیان بیان، ولذا ذکره ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معنیاً الی النہر بحثاً فقط ولجہ یافت بہ کما ہود آب المحققین فانہم قد ینکرون شیخاً علی طریق البعث المحض ولا یفتون بہ، والحاصل ان الاعادة لیست بواجبة ومعہذا ان احتیاط واعاد فقد احسن فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربيع الاول ۱۲۸۸ھ

### لُنجے کی امامت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بایاں ہاتھ بازو سے کاٹا ہوا ہے، قرآن مجید کا قاری ہے، سنت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی بھی ہے، اور شادی شدہ ہے اور علم فقہ میں بھی ان کو واقفیت ہے، کیا اُن کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟ ضرورت کا وقت ہو یا نہ ہو نماز پڑھا سکتا ہے؟ بیوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ اس قسم کے معذور سے طبعاً نفرت ہوتی ہے، نیز اس کے لئے طہارت کاملہ ممکن نہیں، اس لئے دوسرے صحیح امام کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ تہزیہی ہے، اگر اس سے زیادہ مستحق امامت کوئی شخص موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، قال فی شرح التنبیہ تکرہ خلف امرہ وسفیہ ومفلوج وابصر شاع برصہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وکن اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاعتداء بغیرہ اولی تاثر خانیتہ وکن اجذم بیرجنہ ومجبوب وحاقن ومن له مد واحدة فتاوی الصوفیة عن التعفة والظاہر ان العلة النفرة ولذا قید الابصر بالشیوع لیکون ظاہراً ولعدم امکان امال الطہارة ایضاً فی المفلوج والاقطع والمجبوب، وفي العلائیة هذا ان وجد غیرہم والا فلا کراہة بحر بحثاً وفي الثامیة رقلہ ان وجد غیرہم، ای من ہوا حق بالامامة منهم (رقلہ بحر بحثاً) قد علمت انه موافق للمنقول عن الاختیار وغیرہ



(رد المحتار، ص ۱۷۵۲۵) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ النظر وجہ عدم امکان اکمال الطہارة فی المجرّب ولعلہ عدم تأتی الاستبراء فی الاستنجاء فریبا کا انت طہارة ناقصة (التحریر المختار، ص ۱۷۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۔ صفر ۸۶ھ

امام کے سلام اول کے بعد اقتدار صحیح نہیں:

سوال :- کیا سہراتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے امام کے ایک طرف سلام پھرنے کے بعد تکبیر تحریم کہہ کر اقتدار کی تو اس کی اقتدار تو صحیح نہیں ہوگی، لیکن اپنی نماز کیسے پڑھے؟ کیا پہلی تکبیر تحریم کافی ہے یا از سر نو کہی جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ السلام کہہ لیا اگرچہ ابھی علیکم نہ کہا ہو تو اقتدار صحیح نہیں ہوتی، تکبیر تحریم دوبارہ کہہ کر نماز پڑھے، اگر دوبارہ تکبیر نہ کہے گا تو نماز نہ ہوگی، قال فی العلائیة وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ النافعیة، وفي الشامیة رقلہ وتنقضی قدوة بالاول، ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الاما اذا فرغ من صلوٰتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر دخیلا فی صلوٰتہ لان هذا سلام (رد المحتار، ص ۲۳۶) وفي التتویر اذا فسد الاقتداء لا یصح شرعہ فی صلوٰة نفسه علی المذہب (رد المحتار، ص ۲۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ ربیع الاول ۸۶ھ

مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال :- ایک شخص تکبیر تحریم کہہ کر امام کے ساتھ اس حالت میں شریک ہوا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے، مقتدی بیٹھنے نہیں پایا کہ امام نے سلام پھیر لیا، کیا اس کی اقتدار صحیح ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتدار صحیح ہوگئی، قال فی شرح التتویر وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافیة (رد المحتار، ص ۲۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے زیادہ واضح دلیل تتمہ میں ہے)

۲۔ جب ۸۶ھ



## غیر مسجد میں بدن عذرا قامت جماعت بدعت ہے:

سوال :- مولانا محترم دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، نماز باجماعت وحاضری مسجد کے متعلق ایک عرصہ سے میری صحبت کمزور ہو چکی ہے، اکثر و بیشتر کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا رہتا ہوں جس کی وجہ سے ضعف و پستی بہت ہی پیدا ہو گئی ہے، گرمی و سردی کا بھی تحمل نہیں، اور اکثر در تک چلنے سے تکان بھی ہو جاتا ہے، مسجد میرے مکان سے تقریباً دو یا ڈیڑھ فرلانگ ضرور ہے، جب تک قوت تھی مسجد چلا جاتا تھا، اب مذکور بالا عذر سے قاصر رہتا ہوں، اور گھر ہی پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اگر ایک شخص بھی مل جاتا ہے تو جماعت کر لیتا ہوں یا ان لوگوں کو (اگر مل گئے تو) شریک کر لیتا ہوں جو مسجد کے عادی نہیں اور اوقات نماز کے بھی پابند نہیں، یا محلہ کے لوگ از خود آجاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو پابندی سے نہیں آتے، بلکہ محض اتفاق سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے آجاتے ہیں، اگر ان کو میرے ساتھ جماعت نہیں ملتی، تو از خود نماز فرداً فرداً پڑھ کر چلے جاتے ہیں،

یا بس اسٹاپ نزدیک ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر نماز کے وقت آکر شریک ہو جاتا ہے، یہ بات اکثر عصر، مغرب و عشاء میں ہوتی ہے،

معمولاً روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ دین کی باتوں کے لئے چند احباب مجتمع ہو جاتے ہیں عصر کی نماز اور مغرب کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں،

جمعہ کے روز اسی عصر و مغرب کے درمیان کچھ اجتماع کثیر ہو جاتا ہے، عصر و مغرب کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، یہ لوگ جو جمع ہوتے ہیں اکثر دفاتر میں کام کرنے والے یا تاجر ہوتے ہیں، اور در کے محلوں سے آتے ہیں، جو خود نہ تو اوقات نماز کے پابند ہوتے ہیں اور نہ مسجد جانے کے عادی ہیں، اور ہمارے محلہ کے بھی نہیں ہوتے، الا ماشاء اللہ،

میں نے بار بار اعلان کر دیا کہ یہاں آنے والے اصحاب عصر کی نماز مسجد میں پڑھ کر آیا کریں اور مغرب کی نماز کے لئے پانچ منٹ پہلے اٹھ کر چلے جایا کریں، چنانچہ اہل محلہ اور چند ایسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، باقی جو رہ جاتے ہیں ان کی جماعت ہو جاتی ہے، باقی رہ جانے والوں میں بھی چند احباب یہی صنعت اور کسی دوسرے عذر کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں،

امور مذکورہ بالا میں ہر جز کے متعلق شرعی جواز و عدم جواز سے مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائیں،



## الجواب باسم ملهم الصواب

عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال لقد رأينا وما يختلف عن الصلوة الا منافق قد علم نفاقه او مريض ان كان المريض لم يشي بين رجلين حتى يأتي الصلوة وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه الحديث روى له مسلم وفي الشامية ان من هلال ما انحلت في ان الله بذلك ريان يجمع باهله في بيته لا ينال ثواب الجماعة وانه يكون بدعة ومكرها بل بعد (الى قوله) وسيأتي في الامامة ان الاصح لو اجمع باهله لا يكثر وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد افضل (در المختار ج ۳) ثم نقل في باب الامامة عن القنية اخلف العلماء في اقامتها في البيت والاهل اقامتها في المسجد الا في الفضلية (در المختار ج ۱) وفيها ايضا قوله ولو فاتته ندب طلبها ولا يجب عليه الطلب المساجد بلا خلا بين اصحابنا بل ان الى مسجد الجماعة اخر فحسن ان صلى في مسجد حريمه منفذ الحسن وذكر القدرى يجمع باهله ويصلي بهم يعني ينال ثواب الجماعة كذا في الفتح واعتراض الشربلاني بان هذا ينافي وجوب الجماعة واجاب بان الوجوب عند عدم الحرج وفي تتبعها في الاماكن القاصية حرج لا يخفى (در المختار ج ۵) روايا بالا معلوم هو ان غير معذور في جماعت مسجد حريم ضروري في محله من مسجد هو بل اعذر گھر میں جماعت کرے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ یہ فعل بدعت اور مکروہ تحریمی ہے بالخصوص اس کی عادت بنالینے میں کراہت شدید ہے البتہ مسجد محلہ کی جماعت کسی عذر فوت ہو گئی تو گھر میں ادا کرنے سے بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی

بظاہر شامیہ کی عبارت و سیاتی فی الامامة ان الاصح الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا عذر گھر پر جماعت کرنے کا جواز مختلف ہے اور علی الاصح جائز ہے مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ شامیہ بالامامة میں بوالہ فتح منقول جزئیہ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا جواز اس وقت جبکہ مسجد محلہ میں جماعت کسی عذر کی وجہ فوت ہو گئی ہو لہذا قنیہ کا جزئیہ اختلاف العلماء فی اقامتها فی البيت الخ بھی اسی پر محمول ہوگا نیز قنیہ کے جزئیہ کا سیاق بتاتا ہے کہ یہاں اقامت جماعت کی شرائط کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ علی الاصح اقامت جماعت کے لئے مسجد بدعت شرط نہیں پس اس سے بلا عذر غیر مسجد میں جماعت کا جواز کراہت ثابت نہ ہوا اگر غیر ضروری کے لئے مسجد جماعت کا جواز تسلیم کر لیا جائے تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعذار ترک جماعت کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ سب بیکار ہو جاتی ہے بالفرض اس جزئیہ کی دلالت علی الجواز بلا عذر تسلیم بھی کر لی جائے تو اس سے دوام اور عادت بنالینے کا جواز ہرگز نہیں نکلتا غیر مسجد میں اقامت جماعت کی کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مساجد کی ویران کا باعث ہے قرون مشہود لہذا بالخير بلکہ اس کے بعد بھی اسلاف امت میں غیر مساجد میں بدعت عذر اقامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادة کی کوئی نظیر نہیں ملتی صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت مذکورہ میں گذرا صحیح بخاری میں روایت



ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، اور ان کو ان کے گھروں میں بند کر کے گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیر مسجد میں اقامت جماعت معروف ہوتی تو کیا ان متخلفین کے لئے یہ عذر قبول نہ ہوتا کہ انہوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے،

غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلاف امت کے تعامل و عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں، یہ تو عام کلیتہ تھا، آگے خصوصیت سوال سے متعلق چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:-

① مجلس میں شریک ہونے والے لوگوں کو صلوٰۃ فی المسجد کی صرف ترغیب دینا یا اس کی فضیلت بنادینا کافی نہیں، بلکہ مسئلہ کی پوری حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے، کہ غیر معذور کے لئے مسجد میں جانا ضروری اور غیر مسجد میں نماز پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، بلکہ اپنے خاص لوگوں کو جن پر جبر کرنے کا شریعت نے نہ صرف اختیار دیا ہے بلکہ امر فرمایا ہے، جماعت مسجد میں شمول کا حکم دیا جائے،

② معذورین کی جماعت کھلے مقام پر ہونے کی بجائے کہیں مخفی جگہ پر ہونا چاہئے، کھلے مقام پر معذورین کی جماعت سے مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوتی ہیں:-

① اس میں بہت سے غیر معذور بھی سستی یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے شریک ہو جاتے ہیں، جو ان کے لئے جائز نہیں، ان کے اس گناہ کا سبب یہ معذورین کی جماعت بن ہی ہو

② لوگ اس فعل عادی کو جواز جماعت فی غیر المسجد بلا عذر پر دلیل اور سند بنائیں گے، خصوصاً جب کہ ایک مقتدی کا فعل ہے، عوام کو سند اور حجت چاہئے، اس تفصیل کو کوئی نہیں سوچتا کہ یہ فعل عذر سے ہو رہا ہے یا کہ بلا عذر، پس اس عادی اور دائمی فعل کی وجہ سے جتنے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ناجائز کام کریں گے ان کے گناہ کا سبب یہ فعل بنا، اور عوام کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب پیدا کرنا خود گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجب ۱۴۲۸ھ

جواب دارالعلوم، ٹنڈوالہار:-

حامد اور مصلیٰ و مسلمًا، حسب تصریح فقہاء بعض عذر مسقط وجوب حضور جماعت

۱۸ ہیں، جن میں سے مرض اور سخت سردی اور سخت گرمی یعنی جس سے حضرت کے لحوق کا اندیشہ ہو



اور شیخوخۃ ای اذا صار شیخاً کبیراً لا یتطیع المشی یعنی ایسا بڑھا پا کہ چل نہ سکتا ہو، اس کے علاوہ اور بھی مختلف قسم کے اعذار ہیں، جو بین تک پہنچ جاتے ہیں، جن کی تفصیل علامہ شامی نے ج ۱ ص ۲۱۰ پر ذکر کی ہے، اور مراقی الفلاح میں ص ۱ پر موجود ہے، تمام اعذار کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اعذار مذکورہ میں سے بعض عذر تو ایسے ہیں جو عامۃ دائم ہو جاتے ہیں، جیسے شیخوخۃ اس درجہ کی ہو جانا کہ چلنا دشوار ہو جائے، تو اس کے لئے یہی حکم ہے کہ گھر پر نماز پڑھتا رہے، اور جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو جماعت میں شریک کر لیا کرے جو جماعت میں نہیں جلتے، تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے، اور دوسرے اعذار مثل سردی گرمی اور مرض کے اُن کی حالت یکساں نہیں، ان میں کمی زیادتی اور وجود عدم کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے، لہذا جب یہ اعذار نہ رہیں یا اتنے کم ہو جائیں کہ مسجد جانے سے لحوق ضرر نہ ہو تب مسجد جانا واجب ہوگا، لہذا صورت مسئلہ میں جس زمانہ یا جن اوقات میں لحوق ضرر ہو حضور مسجد کے ترک میں مضائقہ نہیں، مگر طبیعت میں بشاشت ہونے اور ضرر کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد جانے کا حکم ہے، نیز کسی وقت بغیر کاوش کے سواری کا انتظام ہو تو مسجد ہی جانا چاہئے، حضور مسجد کے ترک کو کلیۃ اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ بعض اوقات طبیعت کی بشاشت یا سواری کے انتظام کی وجہ سے جلنے میں دشواری نہیں ہوتی، نیز دوسرے لوگ عملاً اس چیز کو سمجھ لیں کہ اصل حکم حضور مسجد ہی کا ہے، اور مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے،

نیز لوگوں کو غلط فہمی سے نکلنے کے لئے بعض امور اختیار کئے جائیں، ایک یہ کہ اس جگہ پر جو نماز کے لئے بنا رکھی ہے یہ اعلان لگا دیا جائے کہ جو لوگ مسجد جاسکتے ہیں ان پر مسجد جانا لازم ہے، زائد ثواب مسجد ہی میں ہے، معذورین مستثنیٰ ہیں،

دوسرے یہ کہ جس دن جمع زیادہ ہوا کرے زبانی اعلان بھی کر دیا جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے سب مسجد نماز کے لئے چلیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے جس کو پہلے اعلان کا پتہ نہیں ہوتا نیز جو اپنے زیر اثر ہوں اُن کو مسجد جانے کا حکم فرمایا جائے، اور اتنے وقت پہلے اعلان کیا جائے کہ مسجد میں وقت پر پہنچ جائیں تکبیر اولیٰ مل جائے،

اور گھر پر بحالت عذر جو جماعت کی جائے اس میں صاحب عذر کے شریک ہونے میں مضائقہ نہیں اور غیر معذورین کو مسجد جانے کی تلقین کی جائے، لیکن کسی حناص مجبوری یا سستی کی وجہ سے پھر بھی شریک ہوں اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، اور محلہ والے اور غیر محلہ والے حکم میں برابر ہیں کہ



معذورین کے لئے رخصت ہے، اور غیر معذورین سے حضور مطلوب ہی اور اہل دفاتر کا پابند جماعت نہ ہونا مسقط حضور جماعت نہیں، اور اس کے جواب دہ وہ خود ہوں گے اور تنہا نماز پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ اسی جماعت میں شریک ہو جائیں، اس میں مسئلہ صورتوں کے جواب ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب

کنہ محمد وجیبہ غفرلہ

دارالعلوم ٹنڈوالہار ضلع حیدرآباد

ظفر احمد عثمانی عفا عنہ ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ

امام کی نماز میں کراہت کے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی:

سوال :- امام کی نماز مکروہ ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے، اس لئے امام کی نماز میں کراہت واقع ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

امام کو جس حالت میں پائے شریک ہو جائے:

سوال :- زید ایسے وقت آیا کہ جماعت نظر ہو رہی تھی، زید وضو کر کے فارغ ہوا تو امام سجدہ میں

تھا، تو کیا زید کو بجائے تحریم کہہ کر سجدہ میں ہی ملنا واجب ہے، یا قیام کا انتظار کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا چاہئے، یہ صرف سجدہ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ امام جس حالت میں بھی ہو اسی میں شامل ہو جائے، بلا وجہ تاخیر گناہ ہے، عن علی ومعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الصلوة والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام، رواہ الترمذی، وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اجئتم الی الصلوة ونحن سجد فاسجدوا ولا تعدوا شیئاً الحدیث (رواہ ابی داؤد) وفي العلانیۃ ولو ادرکہ رکعاً او ساجداً ان اکبر رأیہ انه یدرکہ اتی بہ ای بالتشاء، وفي الشامیۃ (قوله او ساجداً) ای السجدة الاولى کما فی المنیۃ و اشار بالتقید رکعاً او ساجداً الی انه لو ادرکہ فی احدی القعدتین فالاولی ان لا یتثنی لتحصیل فضیلة زیادة المشاركة فی القعود وکن الوادرکہ فی السجدة الثانية وتمامہ فی شرح المنیۃ (رحم المختار جلد ۱ صفحہ ۲۵۶)۔

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

فقط واللہ تعالیٰ اعلم



## خنثی کی امامت صحیح نہیں:

سوال :- بھڑے کی امامت درست ہے یا نہیں، اور نماز مقتدیوں کی ہرگی یا نہیں جبکہ یہ بھڑا متبع شریعت ہو اور نمازی و دیندار ہو اور ڈاڑھی بھی شریعت کے موافق ہو، بینوا تو جبراً

## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس خنثی میں مرد کی علامات زیادہ ہیں تو اس کی امامت صحیح ہے، اور اگر زمانہ علامات زیادہ ہوں یا دونوں علامات برابر ہوں تو اس کی امامت صحیح نہیں، بلکہ اپنے بجنس کا بھی امام نہیں بن سکتا، البتہ اس سے عورتوں کی اقتدار درست ہے، قال فی الدرر ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثی وضبی مطلقاً ولو فی جنازة ونقل علی الاصح وفي الشامية ردولہ ولا یصح اقتداء الخ والخنثی البالغ تصح امامتہ للانثی مطلقاً فقط لا للرجل ولا لثله لاحتمال انوثتہ وذكورة المقتدی ویصح اقتداؤه بالرجل لا بثله ولا بانثی مطلقاً لاحتمال ذکورتہ الخ (رد المحتار، ص ۱۳۵۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رزی الحجہ ۱۲۸۶ھ

## خنثی کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے:

سوال :- بھڑے کی امامت جائز نہیں تو اس کا صف اول میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بینوا تو جبراً

## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خنثی میں مردانہ علامات زیادہ ہوں تو صف اول میں کھڑا ہو سکتا ہے، اور اگر زمانہ علامات زیادہ ہوں تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہوگا، اگر دونوں علامات برابر ہوں تو اس کا مقام بچوں اور عورتوں کی صف کے درمیان ہے، یعنی بچوں کے پیچھے اور عورتوں سے آگے، قال فی التبیہ فیقت بین صف الرجال والنساء وفي الشامية اذ لو وقف مع الرجال احتمل انه انثی او مع النساء احتمل انه رجل (رد المحتار، ص ۵۳۵) وفي التبیہ ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثی ثم النساء، (رد المحتار، ص ۵۳۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رزی الحجہ ۱۲۸۶ھ

## رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم:

سوال :- اگر مقتدی نماز کی کسی حرکت میں امام سے سبقت کر جائے یعنی رکوع یا سجود وغیرہما

کسی ایک حرکت میں امام سے پہل کر جائے تو نماز جاتی رہے گی یا کہ نہیں؟ بینوا تو جبراً،



## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام رکوع یا سجدہ میں مقتدی کو پہنچ گیا تو نماز ہو جائے گی، لیکن امام سے سبقت کرنا مکروہ ہے۔  
 اور اگر لوٹ کر امام کو قیام میں پاسکتا ہو تو قیام کی طرف عود واجب ہے، قال فی الشامیۃ الخامس  
 ان یأتی بہما قبلہ ویدرکہ الامام فیہما وھو جائز لکنہ یکرہ (رح المحتار ج ۱ ص ۲۵۶)  
 وفی العلائیۃ لو رفع الامام رأسہ من الركوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسلیحات  
 الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ  
 وکذا عکسہ) وھو ان یرفع المأموم رأسہ من الركوع او السجود قبل ان یتم الامام  
 التسلیحات (رقلہ فیعود) ای المقتدی لوجوب متابعتہ لامامہ فی اکمال الركوع  
 وکراہۃ مسابقتہ لہ فلو لم یجد ارتکب کراہۃ التحریم (رح المحتار ص ۲۶۲ ج ۱)  
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
 ۱۲ صفر ۱۳۸۵ھ

## سوال مثل بالا:

سوال :- شامیہ میں تحریر ہے کہ اگر کسی نے رکوع اور سجدہ دونوں امام سے پہلے کر لئے تو وہ  
 ایک رکعت قضا کرے، اور اگر صرف رکوع امام سے پہلے کیا تو چاروں رکعتیں قضا کرے، حالانکہ  
 پہلی صورت میں جو وجہ تحریر کی گئی ہے اس صورت میں بھی بعینہ وہی وجہ موجود ہے، اس لئے اس  
 میں بھی ایک ہی رکعت کی قضا لازم ہونا چاہئے، شامیہ میں یہ مقام ملاحظہ فرما کر دونوں میں  
 ماہ الفرق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں دو رکعتیں قضا کرے، قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ  
 فیما ذکرہ من توجیہ الزامہ بركعة نظر وذلک انہ فی الاولیٰ لم یعتبر رکوعہا  
 ولا سجودہا لکنہما قبل الامام و یعتبر قیامہما لکنہما معہ، فکأنہ لم یأت بہما  
 فیلتحققان من الثانیۃ بہا ویلغو قیام الثانیۃ لکونہ حصل قبل اتمام الاولیٰ فبقی  
 علیہ الثانیۃ ثم قیامہ فی الثالثۃ معتبر لانہ مع الامام والركوع والسجود لا یعتبران  
 لانہما قبلہ فینتقلان من الرابعۃ الیہا ویلغو قیام الرابعۃ لحصولہ قبل تمام الثانیۃ



فبقی علیہ الاربعة ايضا فيلزمه ركعتان نظير ما قيل في الوجه الثالث، ايضا اذا لزمه ركعتان لو سجد قبله فقط لزمته فيما لو سجد وركع قبله بالاولى وما ذكره من التوجيه هو المذکور فی الخانية ثم توجيه الوجه الرابع محل نظر وتأمل وذلك انه حيث لغا ركوع وسجود الاولی ينبغي ان يلتحقا من الثانية بها ويبطل قيام الثانية لوقوعه عقب قيام الاولی فتلزمه الثانية ثم اذا قام الى الثالثة مع الامام كان قيامه معتبرا ويلغو ركوعها وسجودها ثم اذا اتى بالاربعة التحق ركوعها وسجودها بالثالثة ويبطل قيامها وحينئذ يلزمه الثانية والاربعة حسبما قيل في الوجه الثالث (التحرير المختار، ص ۱۷۷)

یہ حکم اس حالت میں ہے کہ چار دن رکعات میں امام سے تقدم کیا ہو، اگر صرف پہلی رکعت میں تقدم کیا تو دونوں صورتوں میں ایک رکعت قضا کرے گا، نیز فراغ امام کے بعد قضا کا حکم جب ہو کہ بروقت غلطی پر تنبہ نہ ہو، ورنہ حکم یہ ہو کہ رکن متروک پہلے ادا کر کے پھر باقی نماز میں امام کا اتباع کرے، اگر عمداً اس کے خلاف کیا تو بھی نماز ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، رزی قعدہ ۹۸ھ

مقتدی قعدہ اولیٰ میں کھڑا ہو گیا؛

سوال :- اگر امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھ جائے اور مقتدی اچانک کھڑا ہو جائے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی پر قعدہ کی طرت لوٹنا واجب ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفتح والبحر وغیرہما من باب سجود السہوان المؤتم لوقام ساہیاً فی القعدۃ الاولیٰ یعود ویقع لان القعود فرض علیہ بحکم المتابعة (الی قولہ) اقول الذی ینظر انہم ارادوا بالفرض الواجب (رح المختار ص ۲۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۱۲ صفر ۸۷ھ

عصہ دراز تک امامت کے بعد اصرار کفر؛

سوال :- ایک شخص مدت مدید تک امامت کرتا رہا، اب وہ خود اپنے کفر کا اصرار کرتا ہو اور کہتا ہے کہ وہ حالت کفر میں نماز پڑھاتا رہا ہے، کیا مقتدیوں پر اس مدت مدیدہ کی نمازوں کا اعادہ



واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب، باسم ملہم الصواب،

اگر اس کے کفر پر سوائے اقرار کے اور کوئی دلیل نہیں تو اس کو وقت اقرار سے مرتد قرار دیا جائیگا، گزشتہ زمانہ میں اس کی اقتدار میں پڑھی گئی نمازیں درست ہیں، قال فی شرح التتویر ولو زعم انه کافر لم یقبل منه لان الصلوة دلیل الاسلام واجبر علیہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رقولہ لان الصلوة دلیل الاسلام) ای لیل علیٰ انہ کان مسلماً وانہ کذب بقولہ انہ صلیٰ بہم وهو کافر وکان ذلک الکلام منہ ردة فیجبر علی الاسلام (رد المحتار ص ۱۷۵۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غرة جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ

عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے:

سوال :- ایک شخص عرصہ دراز تک امامت کرتا رہا، اب قرائن سے پتہ چلا کہ وہ کافر ہے، مگر خود وہ شخص کافر ہونے کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، مگر لوگوں کو اس کے قول پر اعتماد نہیں، بلکہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو جو مسلمان ظاہر کرتا ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے، تو کیا جتنی نمازیں اس کی اقتدار میں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شواہد و قرائن سے اس کے کفر کا ظن غالب ہو جائے تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ فرض ہے، قال فی شرح التتویر واذ اظهرت حدیث امامہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتدی بطلت فیلزم اعادتها فی الشامیة (رقولہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتدی) اشار الی ان الحدیث لیس بقید فلو قال المصنف کما فی النہر ولو ظہر ان امامہ ما یمنع صحۃ الصلوة لکان اولیٰ لیشمل ما لو اخل بشرط او رکن والی ان العبرة برأی المقتدی حتی لو علم من امامہ ما یعتقد انہ مانع والا ما خلا فہ اعاد، (رقولہ بطلت) ای تبیین انہا لم تنعقد ان کان الحدیث سابقاً الخ (رقولہ فیلزم اعادتها) المراد بالاعادة الاتیان بالفرض بقربینة قوله بطلت لا المصطلح علیہا وہی الاتیان بمثل المؤدی لخلل غیر الفساد (رد المحتار ص ۱۷۵۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ



بچوں کو بالغین کی صف میں کھڑا کرنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: نابالغ لڑکے بالغین کے ساتھ نماز میں ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں اور کیا وہ نابالغ لڑکے جو سمجھدار ہوں یعنی اوقات نماز، تعداد رکعات، کیفیات اداء نماز وغیرہ جانتے ہوں تو ان کا الگ حکم ہے یا یہ کہ سب کے لئے ایک حکم ہے، نیز یہ کہ صف اول، ثانی اور ثالث میں بھی کوئی فرق ہے یا سب صفوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہی واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا چاہئے، کیونکہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں، قال العلامة الرافی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ذکرہ فی البحر بحثا) قال الرحمتی ربما یتعین فی زماننا ادخال الصبیان فی صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبیان فاکثر تبطل صلوٰۃ بعضهم ببعض وربما تعدی ضررهم الی افساد صلوٰۃ الرجال انتہی (التحریر المختار ص ۳۶۶)۔ چونکہ یہ قول مطلق ہے، لہذا صف اول، ثانی اور ثالث میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم ان بچوں کے متعلق ہے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہوں، زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

مقتدی کے لقمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد پڑھنے قدر ماتجوز بہ الصلوٰۃ کے قرات میں بھول جائے اور رکوع بھی نہیں کرتا اور انتقال الی آیتہ اخری بھی نہیں کرتا، بلکہ بار بار اسی کو دہراتا ہی رہا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بھی نہیں آیا، اس لئے مقتدی نے بھی بار بار لقمہ دیا، کیا نماز فاسد تو نہیں ہوتی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ امام کو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مقتدی کو بھی لقمہ دینا



میں جلدی کرنا مکروہ ہے، کما فی الدرب بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً الفاتحہ  
واخذ بكل حال اھو فی الحاشیة ای سواء قرأ الامام قد رما تجوز به الصلوة ام لا،  
انتقل الی آیة اخرى ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح، نعم، وبعد اسطور رتمة) یکوہ  
ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینقل الی آیة اخرى لا یلزم من  
وصلہا ما یفسد الصلوة او الی سورة اخرى او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم بہ النبی  
وغیرہ فی روایة قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاہر من الدلیل واقرة فی  
البحر والنہر ونازعہ فی شرح المنیة ورجح قدر الواجب لشدة تاکدہ (رد المحتار ص ۵۸۲)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱، ذیقعدہ ۹۳ھ

مقتدی کے تشہد یاد رُود سے فراغت سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال: امام نے سلام پھیر دیا، اور مقتدی کا تشہد پورا نہیں ہوا، تو کیا مقتدی تشہد  
پورا کر کے سلام پھیرے یا امام کے ساتھ؟ اور اگر مقتدی نے تشہد درود پڑھ کے سلام پھیرا تو اس  
مقتدی کی نماز میں کراہت تو نہیں آئے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدی پر تشہد پورا کرنا اور درود چھوڑ کر امام کا اتباع کرنا واجب ہے،  
تشہد سے فارغ ہو کر سلام پھیر دے درود نہ پڑھے، تشہد کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح درود  
میں مشغول ہو کر سلام میں تاخیر کرنا یا رکوع وسجود کی تسبیحات پوری کرنے کے لئے امام سے پیچھے رہنا مکروہ تحریمی  
ہے، قال فی شرح التئیر واعلم انہ مسایبتنی علی لزوم المتابعة فی الارکان انہ لورفع الامام رأسہ  
من الركوع أو السجود قبل ان یتتم المأمور التبیحاً الثلاث فجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود ولا یصیر  
ذلك رکوعین بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثہ قبل اتساع المؤتم التشہد فانہ لا یتابعہ بل  
یتمہ لوجوبہ ولولم یتتم جازو لو سلموا المؤتم فی ادعیة التشہد تابعہ لانہا سنة والناس  
عنه غافلون، وفی الشامیة (قولہ ولولم یتتم جاز) ای صح مع کراہة التعریم کما افادہ  
(قولہ فی ادعیة التشہد) یشمل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبہ صرح فی  
شرح المنیة، (رد المحتار ص ۱۳۰۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲، ذیقعدہ ۹۳ھ



## شافعی اور اہلحدیث کی امامت:

سوال: جنفی مسلک کے لئے نماز اہل حدیث یا شافعی امام کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان و شرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء بلا کر اہت جائز ہے، اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کی اقتداء مکروہ ہی، آجکل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی، بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، مگر بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، قال فی العلائقۃ عن البحران یتقن المراعاة لمیکوۃ اوعدها لم یصح وان شک کمرہ (در المختار، ص ۵۲۶ ج ۱)۔ یہ تفصیل اس وقت ہی کہ یہ امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے، اور سب سلف کرتا ہے تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ

## ملازم کے لئے ترک جماعت جائز نہیں:

سوال:- زید مزدور ہے، باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتا ہے تو افسر لوگ کہتے ہیں کہ کام کے وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس سے مالک کو نقصان ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

افسر کے کہنے سے جماعت چھوڑنا جائز نہیں، ایسا افسر سخت گنہگار ہے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اس ملازمت کو چھوڑنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر ۱۴۰۲ھ

## مریض ریح کے لئے ترک جماعت جائز ہے:

سوال:- ایک شخص ریح کی تکلیف کا مریض ہے، اس کا یہ غالب گمان ہے کہ اگر جماعت سے نماز ادا کرنے گیا تو جماعت ہی میں ریح خارج ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں جماعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر وہ گھر پر نماز ادا کر لے تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اکیلا پڑھنے سے بھی جماعت کا ثواب ملے گا، قال فی الشامیۃ معنی یا الی نور الایضاح واذا انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها وكانت نیتہ حضورہا لولا العذر یحصل بہ ثوابہا والظاهر ان المراد بہ العذر المانع کالمرض والشیخوخة والفلیج بخلاف نحو المطر والطين والبرد والعی تأمل (نرد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ

جماعت مسجد میں عورتوں کی شرکت مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- عورتوں کو جمعہ یا عیدین باجماعت یا پنجوقتی نماز باجماعت مسجد کے اندر مرد امام کے پیچھے مسجد کے اوپر یا کہیں پردے کے اندر یا مدرسہ میں جو مسجد سے ملحق ہو اس میں اگر ناجائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، قال فی شرح التنویر ویکرہ حضورہن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیل علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان، (رد المحتار ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجب ۱۲۹۲ھ

پیشاب، پاخانہ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے ترک جماعت:

سوال :- نماز کی جماعت کھڑی ہو اور بھوک کی بھی شدت ہو، کھانا بھی بالکل تیار ہو، یا پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو کسے مقدم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

صورتِ مسئلہ میں کھانا اور پیشاب و پاخانہ کی حاجت کو مقدم کیا جائے قال فی الدر فلا تعجب علی مریض (الی قولہ) او مدافعة احد الاخبتین واردة سفر قیامہ بمریض و حضور طعام تنوقہ نفسہ ذکرہ الحدادی الخ (رد المحتار ص ۵۲۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ربيعہ ۱۲۹۲ھ



صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے؛

سوال:- زید صرف عورتوں کی امامت کرتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن پھر بھی فسادِ زمانہ کی وجہ سے احتیاط ضروری ہے، قال فی الدرر یکرہ حضورہن العمامۃ ولو جمعة و عید و وعظ مطلقاً ولو عجز الیلا علی المذنب المفق بہ لفساد الزمان رالی، کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم عنہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد من ذکرا و امہن فی المسجد لا یکرہ، بحررہ المختار ج ۱ ص ۵۲۹ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم ۱۳۸۸ھ

اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھ کر چلے جانا؛

سوال:- کسی کام کی جلدی مثلاً سفر یا اور کسی ضروری کام کی وجہ سے اذان کے بعد مسجد کے اندر اپنی نماز پڑھ کر چلے آنا اور جماعت ترک کرنا جبکہ جماعت میں دیر ہو، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے، قال فی التنبیہ فتن او تعجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج (بحر المختار، ص ۵۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترک جماعت؛

سوال:- زید کا گھر مسجد سے دور ہے، تیز چلنے والے کے لئے پندرہ منٹ کا سفر ہی، پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے سے بہت سے ضروری کام رہ جاتے ہیں، اور سردی بھی بہت سخت ہے، تو اس صورت میں زید پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے میں کوتاہی کرے تو گنہگار تو نہ ہوگا باعذر یا بلاعذر؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ پندرہ منٹ میں تیز چلنے والا شخص ایک میل طے کرتا ہے اور پانی ایک میل دور ہو تو وضو کے لئے وہاں تک جانا ضروری نہیں، تیمم کرنا درست ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک میل کے طے کرنے میں حرج ہے، اور حرج مسقط جماعت ہے، قال فی التنویر فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج، (رد المحتار ص ۱۷۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رذیقہ ۸۷ھ

## سوال مثل بالا:

سوال:- گھر سے مسجد کتنے فاصلہ پر ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہوگا، اگر سواری ہے تو کیا اس سے فرق پڑے گا؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو وہاں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں، سواری کا وجود و عدم برابر ہے، قال فی العلائق فتسن او تجب ثمرته تظهر فی الاثم بتوکلہا مرة علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولو فاتته ندب طلبها) فلا يجب علیہ الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجدا للجماعة اخر فحسن وان صلی فی مسجد حیث منفردا فحسن، وذكر القندوری یجمع اہلہ ویصلی بہم یعنی وینال ثواب الجماعة کذا فی الفتح، واعترض الشرنبلالی بان ہذا ینافی وجوب الجماعة واجاب بان الوجوب عند عدم الحرج وفي تتبعہما فی الاماکن القاصیة حرج لا ینفی (رد المحتار ص ۱۷۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ

## خصتی کی امامت:

سوال:- جس شخص کو جبراً خصتی کیا گیا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

خفی سے طبعاً قدرے القیاض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اس سے زیادہ مستحق امامت موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، کما قالوا فی المجبوب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ

امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے :

سوال :- ظہر کی جماعت کا وقت ہو گیا، گھنٹہ کے اعتبار سے تو امام کو پہلے سنت ظہر ادا کرنا چاہئے یا جماعت کرائے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

امام پر وقت متعین کی رعایت رکھنا لازم ہے، اس لئے وقت جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے، اگر کبھی کسی عذر سے تاخیر ہو گئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں، اگر ایسا نہیں کیا گیا اور بدون سنتیں ادا کئے نماز پڑھادی تو درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۱۵ رذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا :

سوال :- ایک مسجد تین منزلہ ہے، بیچ کی منزل میں امام کھڑا ہوتا ہے، تو نیچے کی منزل میں اور اوپر کی منزل میں مقتدی رہتے ہیں تو کیا نیچے کی منزل کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ طریقہ مذکورہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

اقتدار صحیح ہو جائے گی، مگر امام کو نچلی منزل میں کھڑا ہونا چاہئے، بالائی منزل پر بلا ضرورت کھڑا نہ ہو، مسجد کی اصل وضع اور امامت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا :

سوال :- ایک مسجد دو منزلہ ہے، نچلی منزل میں جس ہوتا ہے، اس لئے گرمیوں میں اگر بالائی منزل میں جماعت کر لی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا،



## الجواب سلام ملهم الصواب

اگر مسجد کے اوپر مستقل مسقف منزل نہ ہو تو ایسی حالتیں ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور جس وغیرہ کی وجہ سے چھت پر منفرد نماز پڑھنا یا جماعت کرنا مکروہ ہے، البتہ مسجد کے اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ مقتدیوں کا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں، قال فی الھذنیۃ فی الباب الخامس من کتاب الکراہیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحر بکیرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲۲ ج ۵)

صورت مسئلہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس لئے کہ اس میں مسجد کی بالائی منزل مسقف ہے، اور نماز کی نیت سے بنائی گئی ہے، لہذا اس میں ویسی کراہت تو نہیں، مگر نفس کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ بچلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متواتر تعامل کے خلاف ہے، نیز بچلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے، البتہ بعد از جس وغیرہ بلا کراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

## رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ :

سوال :- ایک شخص ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہوتا ہے کہ جب امام رکوع کی حالت میں ہے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ دل ہی دل میں نماز کی نیت کر لے کیونکہ زبان سے کہنا تو صرف مستحب ہے، تکبیر تحریم کہہ لے، دوسری مرتبہ تکبیر کہہ کر فوراً رکوع میں چلا جائے، ذرا بھی توقف اور قیام نہ کرے، اور اس وقت امام رکوع میں ہی ہو، لیکن مقتدی کی شرکت کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ رکعت مقتدی کو مل گئی، تکبیر تحریم کے بعد ہاتھ باندھنا تو ضروری نہیں؟ تکبیر تحریم کے بعد بقدر ایک یا تین مرتبہ تسبیح کے قیام کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ رکوع میں امام کے ساتھ مطلق شریک ہو جانا کافی ہے یا اتنی دیر تک امام کے ساتھ رکوع میں رہنا ضروری ہے جس میں ایک یا تین مرتبہ رکوع کی تسبیح پڑھی جاسکے؟ غرض یہ تحریر فرمایا جائے کہ ایسی حالت میں مقتدی کو کن امور کے انجام دینے سے وہ رکعت مل جائے گی اور کن امور کے بغیر رکعت نہیں ملے گی، اور کن امور کا انجام دینا ضروری نہیں ہے؟ اس مسئلہ کے نہ جاننے سے اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں، اس لئے استفسار کی ضرورت پیش آتی، بینوا توجروا،



## الجواب سیام ملہم الصواب

صورت مذکورہ میں رکعت مل جائے گی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالت قیام میں تکبیر تحریم کہو، پھر فوراً دوسری تکبیر کہے بغیر رکوع میں جائے، تکبیر تحریم کے بعد ہاتھ نہ باندرھے، رکوع میں امام کے ساتھ ذرا سی شرکت بھی کافی ہے، حتیٰ کہ اگر مقتدی اس حالت میں رکوع کے لئے جھکا کہ امام رکوع سے اٹھ رہا ہے مگر امام ابھی اتنا سیدھا نہیں ہوا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں، اس حال میں مقتدی اتنا جھک گیا کہ اُس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکے ہوں تو اس کو یہ رکعت مل گئی اس کے لئے بقدر تسبیح واحدہ رکوع میں ٹھیرنا واجب ہے، اس کے بعد بقیہ تسبیحات چھوڑ کر اتباع امام واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، (مزید تحقیق تتمہ میں) ۱۳ ذی قعدہ ۸۸ھ

رشوت خور کی امامت:

سوال:- ایک شخص سرکاری افسر ہے، رشوت بھی لیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب سیام ملہم الصواب

رشوت لینے والا فاسق ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۸۹ھ

ٹیلیوژن دیکھنے والے کی امامت:

سوال:- ایسے امام کی اقتدار کرنا جو کہ ٹیلیوژن دیکھتا ہو جائز ہے؟ نیز ٹیلیوژن دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب سیام ملہم الصواب

ٹیلیوژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتدار مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز ہو جائے گی تو نا ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ صفر ۸۹ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو:

سوال:- اگر امام صاحب کی بیوی پردہ نہ کرے تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

## الجواب سیام ملہم الصواب

جس شخص کے ہاں شرعی پردہ کا اہتمام نہ ہو وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، اس کی



امامت مکروہ تحریمی ہے، البتہ جسے بیوی کو پردہ کروانے پر قدرت نہ ہو اس کی امامت ہلاکراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اٹھ گیا،

سوال :- مقتدی اپنا تشہد پورا کر کے اٹھے یا امام کی اطاعت کرے؟ جبکہ امام تشہد پڑھنے سے قبل کھڑا ہو جائے، مقتدی شروع نماز میں شریک ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی تشہد پورا کر کے اٹھے، قال فی الشامیۃ تحت (رقولہ ومتابعۃ الامام)، والحال ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة فان عارضها واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتتم المقتدی للتشہد فانتہ یتتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعۃ بالکلیۃ وانما یؤخرها والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فكان تأخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولی من ترک احدہما بالکلیۃ الخ، (رد المحتار ص ۱۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ رجب ۱۳۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- زید مقتدی نے تعدۃ اولیٰ کا تشہد پورا نہ کیا کہ امام کھڑا ہو گیا، اتنے میں مقتدی نے تشہد پورا کیا، امام رکوع کر کے کھڑا ہو گیا، تو زید کو امام کا رکوع نہ ملا، تو زید نماز کس طرح پوری کرے اور نماز زید کی صحیح کیسے ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی صورت میں مقتدی تشہد اور دوسرے واجبات و فرائض امام کے پیچھے ادا کرتا جائے نماز درست ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ فان عارضها واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتتم المقتدی للتشہد فانتہ یتتمہ، ثم یقوم، (رد المحتار ص ۱۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

بدعتی کی امامت:

سوال :- بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسا شخص امامت کے قابل ہے؟ بینوا توجروا۔



## الجواب باسم ملهم الصواب

آجکل کے فرقہ مبتدعہ کے عقائد حدیث شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی بدعتی شریک عقائد نہ رکھتا ہو بلکہ موحد ہو، صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ جیسی بدعات میں مبتلا ہو، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، قال فی الشامیۃ فہو الفاسق، کالمبتدع، تکرہ امامتہ بكل حال رتہ المختار، ص ۵۲۳، وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى بعد ما حرر من ان کراهة تقديم الفاسق کراهة تحریم ویکرہ تقديم المبتدع، ایضاً لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ان یتغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعقد شیئاً علی خلاف ما یعقد اہل السنۃ والجماعۃ وانما يجوز الاقتداء به مع الکراهۃ اذ الم یکن ما یعقدہ یؤدی الی الکفر عند اہل السنۃ اما لو کان مؤدیاً الی الکفر فلا يجوز اصلاً الخ (رغیۃ ص ۲۸۰)۔

کوئی صحیح العقیدہ امام مل جائے تو بدعتی کی اقتدار میں نماز نہ پڑھے ورنہ اسی کے پیچھے پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، بدعتی کی اقتدار میں پڑھی ہوئی نماز اگرچہ مکروہ تحریمی ہے مگر واجب الاعادہ نہیں، یہ ایسے بدعتی کا حکم ہے جو مشرک نہ ہو، شریک عقائد رکھنے والے کا حکم اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ رجب الآخر ۱۴۰۹ھ

اصفرار سے قبل جماعت قائم نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لے:

سوال:- عصر کی نماز یہاں ایک مسجد میں دیر سے ہوتی ہے، مغرب اور عصر کے درمیان کبھی گھنٹہ رہتا ہے، کبھی آدھا گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی کم تو اگر کوئی شخص اس وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ بیّنوا تو جرداً،

## الجواب باسم ملهم الصواب

اصفرار شمس تک تاخیر جائز ہے، اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے، لہذا اصفرار شمس سے پہلے اگر جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لی جائے، مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ کراچی میں اصفرار شمس غروب سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہوتا ہے، وقت مکروہ کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد دوم میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ



مقتدی نے قصد التہتہ نہ پڑھا:

سوال :- قصد امام کے پیچھے التحیات و درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، منفرد یا امام عمدتاً ترک واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے، اور سہواً ترک ہو تو سجدہ سہو واجب ہے، مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدہ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترک واجب کا کوئی جابہ نہیں، لہذا عمدتاً ترک واجب موجب اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترک واجب متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمد موجب اعادہ نہیں، معہذا اعادہ میں حسیط ہے، سہو مقتدی کے موجب اعادہ نہ ہوگی، بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ بحث ہوگی، لہذا اعادہ بہتر ہوگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ارجمادی الآخرہ ۹۱ھ

مودودی عقائد رکھنے والے کی امامت:

سوال :- جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے قرآن سننا جائز

ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر فرائض میں صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو اس کے پیچھے پڑھ لے، مگر تراویح بہر کیف اس کی اقتدار میں نہ پڑھیں، صحیح امام نہ ملے تو تنہا پڑھ لیں مودودی عقائد کی تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ ”مودودی صاحب اور تخریب اسلام“ مندرجہ حسن الفتاویٰ جلد اول ملاحظہ فرمائیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ اررمضان ۹۱ھ

قضا پڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا:

سوال :- ایک شخص صاحب ترتیب ہے، اس نے سہواً جماعت کے ساتھ نماز

شروع کر دی، نماز کے درمیان میں اُس شخص کو یاد آیا کہ وہ صاحب ترتیب ہی، اب اُس کے لئے



کیا حکم ہے؟ اس شخص کی نماز اس جماعت کے ساتھ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے ساتھ شرکت سے قبل قضا نماز یاد ہو تو جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ پہلے قضا پڑھے، مگر مسجد میں ہو تو قضا کے گناہ کو مخفی رکھنے کے لئے لازم ہے کہ فجر و مغرب کے سوا دوسرے اوقات کی جماعت میں بنیت نفل شریک ہو جائے، بعد میں پہلے قضا اور پھر ادا پڑھے، اور اگر سہواً جماعت میں شامل ہو گیا تو امام کے ساتھ یہ نماز پوری کر لے، یہ نماز نفل ہو گئی، اس کے بعد قضا نماز پڑھے، پھر اس کے بعد امام کے ساتھ پڑھی ہوئی وقتی نماز دوبارہ پڑھے، قال فی الشامیة (قوله للخبر المشہور من نام عن صلوة) تمام الحدیث اونسیدہ اقلیدین کرھا الا وهو یصلی مع الامام فلیصل التي هو فیہا ثم لیقف علی تنکرھا ثم لیعد التي صلی مع الامام عن الدرر المختار ص ۶۸۰ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر ۱۳۹۱ھ

بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لئے ترک جماعت:

سوال:- اذان ہو گئی اور بیوی کہتی ہے کہ نماز سے پہلے میری خواہش پوری کرو، اگر اس کی خواہش پوری کی جائے جماعت ترک ہوتی ہے، اس صورت میں کیا کرے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مرد کو بھی اس حد تک میلان ہو گیا کہ نماز میں پوری توجہ نہ رہے گی تو ترک جماعت جائز ہے، فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے، اور مرد کو اس حد تک خواہش نہیں تو صرف عورت کے کہنے پر ترک جماعت جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

امام کا وسط محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے:

سوال:- امام کو نماز کے لئے محراب کا نصف حصہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر محراب کے اندر ہی منبر بنا ہو جیسا کہ اکثر مسجداں میں ہوتا ہے تو اس صورت میں امام کو کس جگہ کھڑا ہونا چاہئے؟ مسئلہ واضح فرمائیں، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

محراب سے مقصود یہ ہے کہ امام صفت کے ٹھیک بیچ میں کھڑا ہو، اور یہ سنت ہی، سو اگر محراب



صحیح طور پر صفت کے درمیان میں ہی تو محراب کے عین درمیان کو چھوڑ کر دائیں یا بائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، خواہ منبر محراب کے اندر ہو یا نہ ہو، ہر حال محراب کے درمیان کھڑا ہونا چاہئے، اکثر مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام منبر کو چھوڑ کر بقیہ محراب کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، یہ مکروہ ہے، اس کی اصلاح لازم ہے، اور اس مسئلہ کی اشاعت ضروری ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعمیر مساجد میں اس اصلاح کی اشد ضرورت ہے کہ منبر کی جگہ دائیں جانب چھوڑ کر مسجد کے ٹھیک درمیان میں اس طرح محراب بنائیں کہ محراب کا عین وسط جہاں امام کھڑا ہوگا وہاں سے مسجد کی دونوں طرف فاصلہ برابر ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی المعراج فی مبسوط بکرم السنۃ ان یقوم فی المحراب ليعتدل الطرفان ولوقام فی احد جانبي الصف یکرہ (در المحتار ص ۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۴ / محرم ۱۳۹۳ھ

امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیرا اس کے بعد امام نے سلام پھیرا تو کیا مقتدی مذکور کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر ایسی سخت مجبوری سے سلام پھیرا جو نماز میں باعث تشویش بن رہی ہو تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں، لانہ ترک واجب متابعت الامام لو اجب اخر وہو اصلاح الصلوۃ والتحرز عن کراہۃ اداء الصلوۃ مع المشوش،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمداً واجب متابعت الامام کے ترک کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعداء ہوگی یا نہیں؟ اس سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں ملا، البتہ مقتدی کے سہواً ترک واجب پر سجدہ سہو کے عدم وجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بصورت عمد نماز کا اعادہ واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ / ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- اگر جماعت کی نماز میں کوئی مقتدی امام سے پہلے سہواً سلام پھیر دے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ اگر وہ کوئی مفسد صلوۃ بات کئے بغیر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اتباع امام واجب ہے، اس لئے امام سے تقدیم عمدتاً بلا عذر مکروہ تحریمی ہے، البتہ سہواً یا بعذر



خوفِ حدث وغیرہ تقدیم میں کراہت نہیں، قال فی شرح التنبیہ ولواتمہ قبل امامہ فتکلم جاز وکراہة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای لو اتم المؤمن التثمید بان اسرع فیہ وفرغ منه قبل اتمام امامہ فاتی بما ینخرجه من الصلوة کسلام او کلام او قیام جاز ای صحت صلواتہ لحصولہ بعد تمام الارکان (الی قولہ) وانما کراہة للتؤتم ذلك لتركه متابعۃ الامام بلا عن رفلوبہ کخوف حدث او خروج وقت جمعة او مرور ما یرین یدیه فلا کراہة، کما سیأتی قبیل باب الاستخلاف (رد المحتار، ص ۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

### سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت:

سوال :- جو حافظ صاحب ڈاڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟  
بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

سیاہ خضاب لگانے والا ناسق ہے، لہذا ایسے امام کی اقتدار میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ شعبان ۹۲ھ

### امام کے تقرر میں اہل صلاح کی کثرت رائے معتبر ہے:

سوال :- اگر کسی مسجد کے اکثر مقتدی اور اہل محلہ و ممبران کمیٹی ایک پیش امام صاحب کو ان کی خدمات سے سبکدوش کر کے کسی دوسرے امام کو ان کی جگہ تقرر کریں، کیونکہ اہل محلہ کو ان سے عقیدت ہے، تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کا احترام ضروری ہوگا یا اقلیت کی ہٹ دھرمی کو تسلیم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دونوں امام علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں برابر ہیں تو قوم میں سے اہل صلاح کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے قال فی الدرفان استواء یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرہم ولو قد موغیر الاولیٰ اساء و ابلا اثم، (رد المحتار، ص ۵۲۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۹۳ھ



## ولد الزنا کی امامت :

سوال :- ولد الزنا کی امامت اور اسے کسی دینی منصب پر قائم کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ولد الزنا والد کے نہ ہونے کی وجہ سے صحیح تربیت یافتہ نہیں ہوتا، نیز اس سے طبعاً انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس میں یہ علت کراہت نہ پائی جائے بلکہ وہ عالم اور متقی ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی، بلکہ دوسروں کی نسبت اس کی امامت افضل ہے، یہی حکم دوسرے دینی مناصب کا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وولد الزنا) اذ ليس له اَبٌ يُرتبہ ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل، بحر اول نفرة الناس عنه (رد المحتار ص ۱۷۵۲) ونقل عن البحر الاختيار ولوعده متاى علة الكراهة بان كان الاعرابي افضل من الحضري والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدة و الاعلى من البصير فالحكم بالصد (رد المحتار ص ۱۷۵۲)، فقط والله تعالى اعلم،

۲۵ جمادی الاول ۱۲۹۲ھ

امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں :

سوال :- مؤذن کی جگہ معتبر کرنا امام کے پیچھے درست ہے کہ نہیں؟ امام کے پیچھے مؤذن کی نماز

بھی رہتی ہے، اس جگہ کوئی دوسرا نمازی کھڑا نہیں ہو سکتا، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں کسی کے لئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں اقامت کہدے، اقامت کے لئے صف اول یا امام سے قرب کی کوئی قید نہیں، فقط والله تعالى اعلم،

۱۵ رجب ۱۲۹۲ھ

امام رکوع و سجدہ مختصر کرے :

سوال :- امام اور منفرد کو رکوع اور سجدہ میں کتنی تسبیحات پڑھنا چاہئے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو اجازت ہے، خواہ تین تسبیحات پڑھے یا پانچ یا سات یا اور زیادہ، مگر طاق پڑھے، البتہ امام زیادہ تسبیحات نہ کہے بلکہ اس کا لحاظ رکھے کہ مقتدی اطمینان کے ساتھ تین تسبیح پوری کر لیں،



قال في الشامية وصرحوا بانه يكره ان ينقص عن الثلاث وان الزيادة مستحبة بعد ان يختم على وتر خمس او سبع او تسع ما لم يكن اماماً فلا يطول رخت المختار (ص ۲۶۱ ج ۱) وايضا فيها تحت مطلب في اطالة الركوع للجائي وفي المنية ويكره للامام ان يعجلهم عن اكمال السنة ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك واسحق وابراهيم والثوري انه يستحب للامام ان يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث اه (رخت المختار ص ۲۶۱) فقط والله تعالى اعلم  
 ۲۰ جمادى الآخرة ۹۴ھ

پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد کے صدر پاجامہ اس طرح کا پہنتے ہیں کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان صدر کو یہ معلوم ہو جائے کہ امامت کرنا ہے بس ضرور موجود در نہ کئی کئی نمازوں میں غائب، براہ کرم شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمایا جائے، بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اس پر بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ينظر الله يوم القيامة الى من جازأزاره بطراً متفق عليه وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (رواه البخاری مشکوٰۃ، ص ۲۴۳ ج ۲) قوم لوط علیہ السلام پر جن بد اعمالیوں کے عذاب آیا ان میں ٹخنے ڈھانکنا بھی ہے، (درمنثور) اس لیے شخص کو امام بنانا جائز نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
 ۱۰ ربیع الآخر ۹۳ھ

امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے:

سوال :- امام سے نماز میں اکثر غلطی ہوتی رہتی ہے، کیا اس کی وجہوں میں سے یہ وجہ بھی ہے کہ مقتدی کی غلطی سے ہوتا ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی طہارت وغیرہ کی احتیاط نہ کرے تو امام پر اس کا اثر پڑنا حدیث سے ثابت ہے، عن شبيب بن ابی ریح عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الصبح فقرأ التورم فالتبس عليه فلما صلی قال ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور وانما یلبس علینا الفتران اولئک رواہ



النسائی (مشکوٰۃ ص ۳۹) فقط والله تعالى اعلم،  
 انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت؛

سوال :- ایسا شخص امامت کے لائق ہے جو پرائز بونڈ رکھے اور اس پر انعام کی رقم وصول کرے  
 اور انعام سودی رقم سے تقسیم ہوتے ہیں، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

انعامی بونڈ سود اور قمار کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے انعامی بونڈ رکھنے والا فاسق ہے  
 اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۵ شوال ۱۴۲۲ھ

وضو ٹوٹنے کی وجہ سے صف نکلا تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟

سوال :- اگر کوئی شخص پہلی صف میں سے وضو ٹوٹنے کی وجہ سے لوگوں کو چیرتا ہوا نکل جائے  
 اس صورت میں پچھلی صف والا ہذا تہ خود اس کی جگہ جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

پچھلی صف والے پر واجب ہے کہ از خود آگے بڑھ کر اس خلا کو پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بعد میں  
 آنے والا شخص صف کے سامنے سے گذر کر یہاں کھڑا ہو، اگر صف کے سامنے سے گذرنے کی جگہ نہ ہو تو صف  
 چیر کر یہاں آئے اور خلا پُر کرے، فقط والله تعالى اعلم،

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے؛

سوال :- اگر وضو ٹوٹ جائے تو نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وضو کر کے  
 اسی جگہ آکر بیٹے یا پیچھے کھڑا ہو جائے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کی اصلاح کے لئے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے، لہذا جاتے وقت سامنے سے گذر جائے  
 اور واپسی تک اگر وہ جگہ خالی ہے تو سامنے سے گذر کر اس جگہ کو پُر کرے، بلکہ سامنے سے جانے کی جگہ نہ ہو  
 تو صف کو چیر کر بھی جاسکتا ہے، قال فی العلائق ولو کان فرجة فللداخل ان يمر على رقبة من  
 لم يبد لها لاته اسقط حرمة نفسه وقال ابن عابد بن رحمہ الله تعالى قال فی القنية تمام  
 فی آخر الصف فی المسجد بینہ وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل ان يمر بین یدیه



ليصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا يأنتم الماربين يديه دل عليه ما ذكر في الفردوس  
برواية ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من نظر  
الى فرجة في صف فليست بها بنفسه فان لم يفعل فمر مار فليخط على رقبته فانه لحرمة  
له (الى قوله) واذا كان له ذلك فله ان يتر بين يديه بالاولى فافهم (رد المحتار ۵۹۵ ج ۱)  
فقط والله تعالى اعلم  
۱۳، ذيقعدہ ۹۲ھ

مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی :

سوال :- مسجد میں دوران جماعت دوسری منزل کے نمازی امام سے کچھ آگے بڑھ گئے، کیا  
اُن کی نماز درست ہوگئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اگر ایڑی برابر ہو تو  
نماز ہو جائے گی، اگرچہ مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے ہوں، البتہ اگر مقتدی اور امام  
کے پاؤں میں اتنا زیادہ تفاوت ہو کہ دونوں کی ایڑیاں برابر ہونیکے باوجود مقتدی کے پاؤں کا اکثر حصہ  
امام کے پاؤں سے آگے بڑھ گیا تو نماز نہ ہوگی، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی شروط الامامة وعد  
تقدمہ علیہ بعقبہ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو ساواہ جاز وان تقدمت  
اصابع المقتدی لكبر قدمه علی قدم الامام ما لم يتقدم اكثر القدم كما سيأتی (رد المحتار  
ص ۵۱۲ ج ۱) و ذکر التفصیل فی بیان مقام المقتدی، فقط والله تعالى اعلم،

۴، رمضان المبارک ۹۲ھ

نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائے گا :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ بالغ امام کے پیچھے بارہ تیرہ سال کے  
بچوں نے اقتدار کی، تو کیا جماعت ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب پورا ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے اگر ایک نابالغ نے بھی اقتدار کی تو اس کو نماز باجماعت کہا جائے گا، اور جماعت کا پورا ثواب  
ملے گا، بشرطیکہ وہ بچہ عاقل ہو، قال فی العلائقہ و اقلہا اثنان واحد مع الامام ولو مبتدئا، قال  
ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لحدیث اثنان فما فوقهما جماعة اخرجہ السيوطی فی



الجامع الصغير ومن لم ينفعه قال في البحر لانهما مأخوذة من الاجتماع وهما اقل ما يتحقق به وهذا في غير جمعة ام اى فان اقلها فيها ثلاثة صالحون للامامة سوى الامام ومثلها الحيد الخ ر قوله ولو مستترا اى ولو كان الواحد المقتدى صبيا مستترا قال في السراج لو حلف لا يصلى جماعة وام صبيا يعقل حث ام ولا عبرة بغير عاقل بحر قال ط ويؤخذ منه انه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمعتز لان الصبي متنفل الخ (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۸، محرم ۱۲۵۵ھ

صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال :- زید اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے، اگر مقتدی صرف ایک نابالغ لڑکا یا صرف ایک عورت ہو یا بچہ اور عورت دونوں اقتدار کریں تو یہ کہاں کھڑے ہوں؟ عورت محرم اور غیر محرم میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بچہ امام کی دائیں جانب، کھڑا ہو اور عورت امام کے پیچھے، عورت محرم ہو یا غیر محرم دونوں کا یہی حکم ہے، قال فی العلائق (دقیق الواحد) ولو صبیا اما الواحد فتأخر (محاذا) اى مساو (لیمین امامہ) علی المذہب، وفي الشامية خلافا لما عن محمد من انه يجعل اصابعه عند عقب الامام، بحر (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۹، ربیع الآخر ۱۲۵۵ھ

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت :

سوال :- جو شخص نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والا فاسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط والله تعالى اعلم

۹، ربیع الاول ۱۲۵۵ھ

مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ ہو تو وصف بندمی کیسے کریں؟ :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ مسجد میں بوقت جماعت امام کے علاوہ



ایک مرد اور ایک نابالغ لڑکا موجود ہے ان کو صفت بندی کس طرح کرنی چاہئے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

مرد اور نابالغ بچہ دونوں مل کر کھڑے ہوں، قال فی شرح التتویر شم الصبیان ظاہر تعددہم  
فلو واحد ادخل الصف وفي الشامية ذکرہ فی البحر بحثا قال وکذا لو کان المقتدی رجلاً و  
صبیاً یصفہما خلفہ لحديث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصفت انا والیقیم وراءہ والعجز  
من ورائنا، (رد المحتار، ص ۵۳۲ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

شروع میں صرف ایک مقتدی تھا حالت سجدہ میں اور آگے:

سوال:- مسجد میں امام صرف ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، آخری رکعت کے سجدہ  
کے دوران اور کئی مقتدی پہنچ گئے، کیا ان لوگوں کو اسی حالت میں امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر نماز  
میں شرکت کرنی چاہئے یا امام کا سجدہ سے اٹھنے کا انتظار کریں تاکہ امام آگے ہو جائے، اور پھر پہلے سے  
موجود مقتدی کے ساتھ مل کر صفت بنائیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے صف بنا کر حالت سجدہ ہی میں شریک ہو جائیں، سجدہ سے اٹھنے کے بعد پہلا مقتدی  
بھی پیچھے ہٹ جائے، قال فی التتویر ویقف الواحد معاذیا الیمن امامہ (الی ان قال،  
والزائد خلفہ فی الشامية وفيه اشارة الى ان الزائد لوجاء بعد الشروع یقوم خلف  
الامام ویتأخر المقتدی الاول، (رد المحتار ص ۵۳۰ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

امام پر متعین وقت کا اہتمام لازم ہے:

سوال:- عموماً مساجد میں جب امام مسجد گھڑی کے صحیح وقت پر نہیں پہنچتا تو نمازی معترض  
ہوتے ہیں، اور ان کو دو چار منٹ انتظار کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انتظار صلوٰۃ کی حدیث  
اور یہ کہ اذان کے بعد نماز کے پورے وقت میں کسی وقت بھی جماعت کی اجازت ہے، اور وقت کا تعین  
محض سہولت کے لئے ہے، تاکہ معطلی اس وقت پر جمع ہو جائیں، لیکن ان کے خیالات کا مؤید نہیں ہے،  
سوال یہ ہے کہ:

① امام کا انتظار کیا جانا چاہئے یا نہیں؟ اور کتنا انتظار کیا جاسکتا ہے؟



② کیا امام پر گھڑی کے وقت کی ایسی پابندی کہ دو چار منٹ بھی تاخیر نہ ہو از روئے شرع ضروری ہو؟

③ جو امام اکثر دو چار منٹ دیر سے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھاتا ہو اس کو کس بات کی احتیاط

ضروری ہے؟

④ جو نمازی تاخیر پر مسجد میں شور و غل مچاتے ہیں اور چرچا کرتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور قرونِ اولیٰ میں کس طرح عمل رہا ہے؟

⑥ فقہاء کرام اس مسئلہ میں کیا تفصیل بتاتے ہیں؟

### الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور قرونِ اولیٰ میں نیز حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے دور میں نہ دنیوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی گھڑیاں تھیں، اس لئے جماعت کا اصول یہ رہا کہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی، اور اس کے بعد جب نمازیوں کا اجتماع ہو گیا جماعت قائم ہو گئی،

اس زمانہ میں ایک طرف دنیوی مشاغل میں مصروفیت بدرجہ انہماک اور دوسری جانب دین میں غفلت و بے اعتنائی کے پیش نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ناگزیر ہو گیا ہے، لہذا آجکل کے حالات کے پیش نظر گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لئے وقت معین کی پابندی ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، اب چونکہ گھڑی کے معین وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں، لہذا یہ امر بھی اس کو مقتضی ہے کہ معین وقت سے تاخیر نہ کی جائے، علاوہ ازیں سردنِ اولیٰ کے ائمہ تنخواہ نہیں لیتے تھے، اور اس زمانہ کا امام تنخواہ دار ملازم ہی اس لئے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے، البتہ نمازیوں پر امور ذیل کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① اگر کبھی بتقاضائے بشریت امام کو چار پانچ منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری اور چیخ و پکار کی بجائے صبر و تحمل سے کام لیں، اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن و احتراز کریں،

② اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اسے ملاطفت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے،

③ اگر تفہیم کے باوجود امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظم سے معزول کر سکتی ہے، مگر اس صورت میں

بھی امام سے متعلق بدزبانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، شوال ۱۴۰۵ھ



## دارثوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسیحی زید فوت ہو گیا، اور اس کی اولاد میں سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے، زید مذکور پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا تھا، لیکن جائیداد اولاد کے نام منتقل نہیں ہوئی، پاکستان بننے میں جب شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنا منظور ہوا تو زید متوفی کی جائیداد اس کی اولاد پر تقسیم ہونے کے وقت بڑے لڑکے خالد نے کہا کہ ہماری ہمیشہ ہندہ وراثت کی حقدار نہیں، چونکہ ہمارا باپ پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا اس وقت قانوناً لڑکی ورثہ لینے کی حقدار نہ تھی، تو اس صورت پر ہندہ کے نام جائیداد منتقل نہ کی گئی، اب استفسار ہے کہ اگر عدالت میں دعویٰ کرے تو شرعاً ہندہ اپنا حصہ لے سکتی ہے یا نہ؟ اور خالد جس نے ہمیشہ کو حصہ سے محروم کر دیا اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

ہندہ اپنا حصہ بہر کیف وصول کر سکتی ہے، خالد حکم شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے فاسق اور ظالم ہے، لہذا اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ محرم ۱۴۰۶ھ

## جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو :

سوال :- ایک شخص خوش خواں نہیں، اور کئی حروف سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے امامت سے معزول کر دیا جائے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے چونکہ نئے دانت لگوائے ہیں اس لئے تاروں کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے، باقی رہا اشکال حروف سمجھ میں نہ آنے کا تو اس کا کہنا ہے کہ میں تمام حروف کو سمجھتا ہوں، کیا اس کی امامت درست ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ امام حروف کو ان کے مخارج سے صحیح طرح سے ادا کرتا ہو اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی سمجھ بھی سکیں تو یہ امام الحق بالامانہ ہے، اسی کو برقرار رکھنا چاہئے، اور اگر حروف کو صحیح طریقہ سے مخارج سے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، خواہ یہ عدم قدرت نئے دانتوں کی وجہ سے ہو یا اور کوئی سبب ہو، اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی صاف اور واضح طور پر نہ سمجھ سکیں تو اس کی امامت درست نہیں، قال فی شرح التنبیہ ولا غیر الا لثغیر بہ ای



بالا لثخ على الاصح كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهده  
دائماً حتماً كالأتمى فلا يؤتم الا مثله ولا تصح صلواته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او  
ترك جهده او وجد قدر الفرض مثلاً لثخ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الا لثخ و  
كذا من لا يقدر على تلفظ حرف من الحروف او لا يقدر على اخراج الفاء الا بتكرار رد المتأخر<sup>۵۴۲</sup>  
فقط والله تعالى اعلم

۲۶ محرم ۹۶ھ

### بنک کے ملازم کی امامت :

سوال :- اوقات کے ملازم ائمہ جن کی ڈاڑھی مشت سے کم ہے، نیز بنک ملازم حفاظ و قراء  
ڈاڑھی خور کی اقتداء میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ڈاڑھی خور بینک میں ملازمت کی وجہ سے سود خور بھی ہے، ان دونوں گناہوں میں سے  
ہر ایک موجب فسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ صفر ۹۶ھ

### حنبلی امام نے قصر نہ کیا تو مقتدی کی نماز واجب الاعدادہ ہے :

سوال :- جماعت میں ایک عربی حنبلی تھا، نمازیں پڑھاتا تھا، ہم مسافر تھے وہ بھی مسافر تھا، ایک روز وہ کہنے لگا آج  
میں پوری نماز پڑھاؤں گا، کیونکہ ہمارے مسلک میں قصر کا جواز ہے جیسا کہ روزہ، لہذا آج میں ضرور پوری نماز پڑھاؤں گا، بہرحال  
انھوں نے پوری نماز پڑھائی، آیا ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ تھا، قصر واجب ہے، اس کے ترک مقتدی گنہگار ہوئے، اُن پر توبہ لازم ہے، اور اس  
نماز کا اعدادہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الاول ۹۶ھ

### ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو :

سوال :- زید صاحب ترتیب ہے، اور ایک مسجد میں امام ہے، اتفاق سے اس کی ایک  
نماز قضا ہو گئی، دوسری نماز کی جماعت کا وقت ہو گیا، مگر یہ اس سے پہلے قضا نماز نہیں پڑھ سکا  
اس لئے زید نے اس وقت وقتی نماز پڑھا دی، اور مزید چار نمازیں گزرنے کے بعد قضا نماز پڑھ لی،  
اس صورت میں مقتدیوں کی نماز میں تو کوئی فساد نہیں آیا؟ بینوا توجروا



## الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کو پہلے قضا نماز پڑھنے کا موقعہ دیں دیا امام کو لازم ہے کہ وہ امامت نہ کرے، بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے، اور یہ قضا نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہو، معہذا جب زید نے نماز پڑھادی تو اس کی نماز کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی موقوف ہوگئی، اگر فوت شدہ نماز کی قضا سے قبل ایسی پانچ نمازوں کا وقت گزر گیا کہ ان کی ادائیگی کے وقت قضا نماز بھی یا دتھی تو سب کی نمازیں درست ہو گئیں، قال فی التتویر و تذکر فائتہ علیہ او علی امامہ و هو صاحب ترتیب، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای تذکر المصلی فائتہ علیہ ان کان منفرداً او اماماً او علی امامہ ان کان مقتدیاً وقولہ و هو ای من علیہ الفائتہ مطلقاً فی الساج ثم هذه الصلوة لا تبطل قطعاً عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بل تبقى موقوفة ان صلی بعدھا خمس صلوات و هو یزکر الفائتہ تنقلب جائزۃ، (رد المحتار، ص ۵۶۹، ۱۷)

اس عبارت میں تذکر امام کی صورت میں مقتدیوں کی نماز کا کوئی الگ حکم نہیں بیان کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی بالآخر صحیح ہو جائے گی، قانون تبعیت کا مقتضی بھی یہی ہے،

مگر امام کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اگر اس اثناء میں امام یا مقتدیوں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ شوال ۱۳۹۵ھ

## امام کے ذمہ وتر کی قضا ہو،

سوال :- زید ایک مسجد میں امام ہے، آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے زید کے وتر قضا ہوگئی، ایسے وقت بیدار ہوا کہ جماعت فجر کا وقت قریب تھا، اس لئے وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھا دی دوسرے روز بوقت اشراق وتر کی قضا پڑھی، تو مقتدیوں کی نمازیں صحیح ہو گئیں یا نہیں؟ اگر دوسرے روز فجر سے قبل وتر کی قضا پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی طرح مقتدیوں کی نمازیں بھی موقوف تھیں، قضا وتر سے قبل چھ نمازوں کا وقت گزر جانے سے سب کی نمازیں صحیح ہو گئی، بشرطیکہ ان نمازوں کی ادائیگی کے وقت قضا نماز یاد ہو، اگر



دوسرے روز طلوع آفتاب سے قبل وتر کی قضا پڑھ لیتا تو امام اور مقتدی سب کی درمیانی سب نماز باطل ہو جاتیں،

تنبیہ :- امام کو ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس دوران میں امام یا کسی مقتدی کا انتقال ہو گیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشر من شوال

مقتدی نے امام کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کر لی تو اس کی نماز نہیں ہوئی؛  
سوال :- زید نے امام کے ساتھ تکبیر تحریم شروع کی مگر ختم امام کی تکبیر سے پہلے کر دی تو زید کی نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی نماز نہیں ہوئی، اس لئے کہ تکبیر تحریم پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریم پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کر لی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہو گیا، لہذا اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی، اگر اسی تحریم سے منفرد نماز پڑھے گا تو وہ بھی نہ ہوگی، قال فی شرح التتویر ولا یصیر شارعاً بالابتداء فقط کالبتہ وباکبر فقط هو المختار فلو قال اللہ مع الامام واکبر قبلہ او ادرك الامام رکعاً فقال اللہ قائماً واکبر رکعاً کالعالم یصح فی الاصح (رد المحتار ۴۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذیقعدہ ۹۸ھ

کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں؛

سوال :- اکثر جہاں متولیان امام عالم پر حکومت کرتے ہیں، مثلاً نماز کے اوقات مقررہ کے وقت پر جب امام نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو متولی کہتا ہے کہ امام صاحب ذرا ٹھہریے فلاں نہیں آیا، کیا یہ انتظار جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی شخص شریر ہو اور اس سے خطرہ ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے تاخیر کی جاسکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اذان البزازیة لو انتظر الاقامة لیدرك الناس الجماعة یجوز ولو احد بعد الاجتماع لا الا اذا کان



داعراً شریراً ام (رحمۃ المختار، ص ۲۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۱۳۸۸ھ

## فصل مانع اقتدار:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ احاطہ عید گاہ کے اندر اور احاطہ عید گاہ کے باہر صفوں میں کتنا فاصلہ مانع اقتدار نہیں، احاطہ عید گاہ کے باہر ہر چار طرف سڑکیں ہیں، لوگ سڑکوں کو چھوڑ کر کہیں ۵ فٹ لغایت ۲۵ فٹ تک کے فاصلہ پر صف بندی کرتے ہیں، ایسی صورت میں اُن لوگوں کی نماز ہوئی؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو صحیح صف بندی کا طریقہ کیا ہے؟ احاطہ کے اندر اور احاطہ کے باہر صحیح طریقہ تفصیل سے ارسال کیجئے تاکہ چھپو اگر عام لوگوں کی معلومات کے لئے تقسیم کیا جائے، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

احاطہ عید گاہ کے اندر صفوں کے درمیان فاصلہ صحت اقتدار سے مانع نہیں، خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر بلا ضرورت درمیان میں خلا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ عید گاہ میں کوئی نالہ ہو تو وہ اقتدار سے مانع ہوگا، جس کی تفصیل عید گاہ سے باہر صف بندی کے بیان میں آرہی ہے،

احاطہ عید گاہ سے باہر صحت اقتدار کے لئے یہ شرط ہے کہ موضع سجود سے بقدر رد و صف (تقریباً ۵۲ میٹر) جگہ خالی نہ ہو، اور اتنا بڑا عام راستہ درمیان میں نہ ہو جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکتا ہو، اور خالی اونٹ کی گزر گاہ کے برابر چوڑا کوئی نالہ بھی نہ ہو، اگر درمیان میں دو صف کی جگہ خالی رہی یا نالہ یا سڑک واقع ہوئی اور اسے بڑھ کر کیا گیا تو اس سے پیچھے کھڑی ہونے والی صفوں کی اقتدار صحیح نہ ہوگی، لہذا ان کی نماز عید درست نہ ہوگی، قال العللاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی موانع الاقتداء او طریق تجری فیہ عجلة آلة یجرھا الثور او نہر تجری فیہ السفن ولوزورقا ولوفی المسجد او خلای فی فضاء فی الصحراء او فی مسجد کبیر جداً کمسجد القدس یسم صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وفی الشامیة (قولہ او طریق) ای فامند ابوالسعود عن شیخہ ط قلت ویفہم ذلک من التعبير عنہ فی عدۃ کتب بالطریق العام وفی التارخانیة الطریق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع لانه لیس بطریق عام (قولہ تجری فیہ عجلة) ای تمر وہ عبور فی بعض النسخ والعجلة بفتح تحتین وفی الدرر هو



الذى تجرى فيه العجلة والاورقاراه وهو جمع وقربا لقاف قال في المغرب واكثر استعماله في حمل البغل او الحمار كالوسق في حمل البعير وقوله ولرزورقا بتقديم الزاء السفينة الصغيرة كما في القاموس وفي الملتقط اذا كان كاضيق الطريق يمتنع وان بحيث لا يكون طريق مثله لا يمتنع سواء كان فيه ماء او لا وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى النهر الذي يمشى في بطنه جمل وفيه ماء يمتنع وان كان يابساً واتصلت به الصفوف جازاه اسمعيل ر قوله ولو في المسجد صرح به في الدرر والغانية وغيرهما ر قوله او في مسجد كبير جداً الخ قال في الامم والفاصل في مصلى العيد لا يمتنع وان كثراً واختلف في المتخذ لصلوة الجنائزة وفي النوازل جعله كالمسجد والمسجد وان كبر لا يمتنع الفاصل الا في الجامع القديم بخوارزم فان ربعه كان على اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشريف اعنى ما يشتمل على لمساجد الثلاثة الا قضى والصخرة والبيضاء كذا في البرازية ومثله في شرح المنية رد المحتار ص ۱۲۵ ج ۱ فقط والله تعالى اعلم

۳ ر ذی الحجہ ۹۶ھ

### سوال مثل بالا:

سوال :- مسجد کے صحن میں غرض ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر امام کی اقتداء کر لی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مسجد میں یا مسجد سے باہر صفوں کے درمیان کتنی جگہ خالی ہو تو اقتداء درست نہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حوض ۱۰۰ ہاتھ = ۲۲۵ مربع فٹ = ۲۰۰۹ مربع میٹر یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے کھڑا ہونے والے کی اقتداء صحیح نہیں، البتہ اگر حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑا ہونے والے تک صفوں متصل ہوں تو اس کی اقتداء درست ہے،

مسجد، عید گاہ، جنازہ گاہ، ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴۷ مربع میٹر سے چھوٹا مکروہ اور اس سے چھوٹا صحن ان سب مقامات میں صفوں کے درمیان خواہ کتنا ہی فصل ہو اقتداء صحیح ہے، مگر بلا ضرورت خلل چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز ہو جائے گی، البتہ اگر درمیان میں ۲۰۰۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ ہو کہ جس کے پیٹ میں اونٹ چل سکے تو اس کے پیچھے اقتداء صحیح نہیں، مگر یہ کہ کسی جانب سے یہاں تک صفوں متصل ہوں تو اقتداء صحیح ہو جائے گی،



کھلے میدان، ۳۳۴، ۳۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں صحت اقتدار کے لئے یہ شرط ہے

کہ درمیان میں مندرجہ ذیل موانع نہ ہوں :-

① اتنا چوڑا عام راستہ کہ اس میں بیل گاڑی یا سامان سے لڑا ہوا گدھا گزر سکے، البتہ اگر یہ شارع عام نہ ہو بلکہ کسی جانب سے بند ہو تو یہ صحت اقتدار سے مانع نہیں،

② ۲۰۰۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ کہ اس کے طول میں اونٹ گزر سکے،

③ بقدر درصفت (تقریباً ۸ فٹ = ۲۴۲ میٹر) خلا،

یہ تینوں موانع اس صورت میں ہیں کہ کسی جانب سے بھی صفوف سے اتصال نہ پایا جائے، اگر کسی جانب سے ان موانع کے پیچھے تک صفوف متصل ہوں گی تو اقتدار صحیح ہو جائے گی، قال فی شرح التئیر ویمین من الاقضاء طریق تجری فیہ عجلة آلة یجرها الثور او نهر تجری فیہ السفن ولوزورق اولو فی المسجد او خلای فی فضاء فی الصحراء او فی مسجد کبیر جداً کمسجد القدس یسم صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله او طریق) ای نافذ ابو السعود عن شیخہ ط قلت ویفہم ذلك من التعبير عنه فی عدة کتب بالطریق العام و فی التارخانیة الطریق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع لانه لیس بطریق عام (قوله تجری فیہ عجلة) ای تمر و بہ عبر فی بعض النسخ والعجلة لفتحین و فی الدرر هو الذی تجری فیہ العجلة والاوقار وهو جمع وقربا لقات قال فی المغرب اکثر استعماله فی حمل البغل او الحمار کالوسق فی حمل البعیر ر قوله او نهر تجری فیہ السفن) - ای یمکن ذلك ومثله یقال فی قوله تجری فیہ عجلة ط، واما البركة او الحوض فان کان بحال لو وقعت النجاسة فی جانب تنجس الجانب الآخر لا یمنع والا یمنع کذا ذکرہ الصغار اسمعیل عن المحيط وحاصله ان الحوض الکبیر المذکور فی کتاب الطہارة یمنع ای ما لم تتصل الصفوف حوله کما یأتی ر قوله ولوزورقا) بتقدیم الزاء السفینة الصغیرة کما فی القاموس و فی الملتقط اذا کان کاضیق الطریق یمنع وان بعیث لا یكون طریق مثله لا یمنع سواء کان فیہ ماء اولاً، وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ النهر الذی یمشی فی بطنہ جمل و فیہ ماء یمنع وان کان یابساً واتصلت به الصفوف جازاھ اسمعیل، ر قوله ولو فی المسجد) صرح به فی الدرر والخانیة وغیرہما ر قوله او فی مسجد کبیر جداً الخ) قال فی الامداد والفاصل فی مصلی العید لا یمنع وان کثر، واختلف فی المتخذ لصلوة الجنائز



وفي التوازل جعله كالمسجد والمسجد وان كبر لا يمنع الفاصل الا في الجامع القديم بخوارزم فان ربعه كان على اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشريف اعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة الا قصى والصخرة والبيضاء كذا في البزازية ومثل في شرح المنية واما قوله في الذم لا يمنع من الاقتداء الفضاء الواسع في المسجد وقيل يمنع اه فاته وان افاد ان المعتمد عدم المنع لكنه محمول على غير المسجد الكبير جدا كجامع خوارزم والقدس بدليل ما ذكرناه وكون الرجوع عدم المنع مطلقا يتوقف على نقل صريح فافهم رتمة في القهستان في البيت كالصحراء والاصح انه كالمسجد ولهذا يجوز الاقتداء فيه بلا اتصال الصفوف كما في المنية اه ولم يذكر حكم الدار فليراجع لكن ظاهرا لتقييد بالصحراء والمسجد الكبير جدا ان الدار كالبيت تأمل، ثم رأيت في حاشية المدني عن جواهر الفتاوى ان قاضي خان سئل عن ذلك فقال اختلفوا فيه فقدم بعضهم بستين ذراعا وبعضهم قال ان كانت اربعين ذراعا فهي كبيرة والا فصغيرة هذا هو المختار اه (رد المختار ص ۵۲ ج ۱) وفي المتانة معزيا لجواهر الفتاوى سئل قاضي خلك رحمه الله تعالى عن الدار ان له حكم المسجد ام حكم الصحراء في حكم اتحاد المكان واختلافه؟ قال اختلفوا فيه بعضهم قالوا ان كان ستين ذراعا في ستين ذراعا بنوا مشاهيرها فهي كبيرة والا فصغيرة وبعضهم قالوا ان كان اربعين ذراعا في اربعين ذراعا فهي كبيرة والا فصغيرة هذا هو المختار، هكذا افشاه (المتانة في حرمة الخزانة ص ۱۹۱) فقط والله تعالى اعلم،

۴ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ

### شروط استخلاف :

سوال :- اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

صحت استخلاف کی تین شرطیں ہیں :-

- ① صحت بناء کی وہ سب شرائط جن کی تفصیل اوپر کے مسئلہ میں بیان کی گئی ہے (تبویب میں یہ مسئلہ باب مفسدات الصلوٰۃ میں بعنوان "شرائط صحت بناء" آیا ہے، البتہ خلیفہ متعین ہو جانے کے بعد بقیہ شرائط صرف امام کی بناء کے لئے ہیں، خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز کے لئے نہیں، اگر اس کے بعد امام کوئی فعل منافی کیا تو خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی،



② اگر مسجد یا ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۲۵۱ ر ۳۳۴ مربع میٹر سے چھوٹے کمرے یا اس سے چھوٹے صحن میں جماعت ہو تو امام کے اس سے باہر نکلنے سے پہلے خلیفہ متعین ہو، اور اگر کھلی فضا یا مذکورہ رقبہ سے برابر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں ہو تو جہت قبلہ میں سترہ سے اور سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے تجاوز سے قبل اور بقیہ تین اطراف میں صفوں سے تجاوز سے قبل خلیفہ متعین ہو جائے،

③ خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہو، یعنی عورت یا نابالغ نہ ہو،

خلیفہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کو امام ہی متعین کرے، بلکہ اگر مقتدیوں نے کسی کو آگے کر دیا یا کوئی شخص از خود خلیفہ بن گیا تو بھی جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ امام خود خلیفہ بنائے، مسبوق بھی خلیفہ بن سکتا ہے، اگر خلیفہ کو بقیہ رکعات کا علم نہ ہو تو امام انگلیوں کے اشارہ سے بتا دے، قرارت باقی ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، سورۃ فاتحہ باقی ہو تو جہاں چھوڑی اس سے آگے ایک دو کلمات بلند آواز سے پڑھ دے، رکوع کے لئے گھٹنوں پر سجود کے لئے پیشانی پر، سجود تلاوت کے لئے پیشانی اور زبان پر، سجود سہو کے لئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر خلیفہ کو سمجھائے، پھر وضو سے فراغت تک اگر جماعت ختم نہ ہوئی تو خلیفہ کی اقتداء کرے، ورنہ تنہا نماز پوری کرے، صورت اقتداء میں مٹروک ارکان پہلے ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو،

اگر پانی مسجد کے اندر ہی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، امام وضو کر کے واپس اپنے مقام پر آکر امامت کرے، اس وقت تک مقتدی انتظار کریں، مگر اس صورت میں بھی استخلاف جائز ہے، اگر امام خلیفہ کے ایک رکن ادا کرنے سے قبل وضو کر کے آگیا تو خلیفہ پیچھے ہٹ جائے، اور اصل امام ہی امامت کرے، بشرطیکہ امام مسجد سے نہ نکلا ہو، اگر پانی مسجد سے باہر ہو تو افضل یہ ہے کہ کسی کو خلیفہ بنا کر خود استیناف کرے، البتہ وقت تنگ ہو تو استخلاف و بنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شعبان ۱۴۲۸ھ

### امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا:

سوال :- امام کے محراب کے اندر کھڑا ہونے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پاؤں محراب سے باہر رکھے، بلا عذر محراب میں پاؤں رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، وجہ کراہت

میں دو قول ہیں:

① محراب میں کھڑا ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبه رہتی ہے،



اس بنا پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں، وهو مختار ابن ہمام وصاحب الحلۃ رحمہما اللہ تعالیٰ،

② اہل کتاب سے تشبیہ، اس بنا پر جانبین میں مقتدیوں کے لئے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود بھی امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وهو قول الاکثر، البتہ جگہ کی تنگی وغیرہ کسی عذر سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، قال العللاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات الصلوۃ وقیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ وقد ماہ خارجہ لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الامام ان علل بالتشبیہ وان بالاشتباہ ولا الاشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ (الی قولہ) وهذا کلمہ عند عدم العذر کجمعة وعید فلو قاموا علی الرفوف الامام علی الارض او فی المحراب لضعف المكان لم یکرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۲ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغیر بالکراہۃ ولم یفصل باختلاف المشائخ فی سببہا فقیل کونہ یصیر ممتازاً عنہم فی المكان لان المحراب فی معنی بیت آخر وذلك صنع اهل الكتاب واقتصر علیہ فی الہدایۃ واختارہ الامام السخسی وقال انه الاوجه وقیل اشتباہ حالہ علی من فی بیمنہ ویسارہ فعلى الاول یکرہ مطلقاً وعلی الثانی لا یکرہ عند عدم الاشتباہ واید الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المكان مطلوب وتقدمہ واجب وغایتہ اتفاق الملتین فی ذلك وارتضاء فی الحلۃ وایدہ لکن نازعہ فی البحر (الی قولہ) وفی حاشیۃ البحر للرملی الذی ینظر من کلامہم انہا کراہۃ تنزیہہ تأمل ام رد المحتار ص ۱۶۶۰۲ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

### کرفیو کی حالت میں مسجد جانا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کرفیو کے اوقات میں مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے جانا چاہئے یا گھر میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر فوج نماز کے لئے مسجد جانے والوں کو منع نہ کرتی ہو تو مسجد میں جانا ضروری ہے، ورنہ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، قانون کی خلاف ورزی اور عزت و جان کو خطرے میں ڈالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ



امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال :- امام سمع الله لمن حمده کے بعد ربنا لك الحمد بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں کہنا افضل ہے، قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوة والتسمیع للامام والتحمید لغيره وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لغيره) ای لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی ان المعتمد ان المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وكذا الامام عند ہما وروایۃ عن الامام جزم بها الشرنبلالی فی مقدمہ (رد المحتار ص ۲۲۵) فقط والله تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال :- امام سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے، قال فی التنویر وامن الامام سراً کما موم ومنفرد وفي الشامیۃ ہوسنة للحديث الاتی المتفق علیہ کافی شرح المنیۃ وغیرہ (رد المحتار ص ۲۵۹ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

لفظ السلام امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے:

سوال :- کیا مقتدی امام کے لفظ السلام کہنے کے ساتھ ہی فوراً سلام پھیرے یا کچھ دیر کے بعد؟ اکثر ائمہ مساجد سلام میں لفظ "اللہ" کو بہت زیادہ کھینچتے ہیں، کیا مقتدی بھی اسی طرح کرے؟ یا وہ دونوں طرف امام سے پہلے سلام کے کلمات ختم کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

سلام اڈل میں لفظ السلام کہنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے، اس لئے سلام اڈل کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد کوئی وجہ کراہت معلوم نہیں ہوتی، فقط والله تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ



عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- بہشتی زیور میں پڑھا ہو کہ عورت کی اقتدار عورت کے پیچھے درست ہے، سننے میں تو آج تک یہی آیا تھا کہ عورت امام نہیں بن سکتی، اس کی تحقیق ارشاد فرمائیں، کہ کیا عورت کسی نماز میں امام بن سکتی ہے، وضاحت سے فرمائیں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آجائے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، مگر عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلانیة ویکره تحریبا جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوة الجنائزۃ (الی قولہ) فان فعلن تقف الامام وسطھن فلو تقدمت ائمتہ و فی البشامیۃ (قولہ) فلو تقدمت ائمتہ (افاد ان وقوفھا وسطھن واجب کما صرح بہ فی الفتح وان الصلوة صحیحۃ وانھا اذا توسطت لا تنزل الکراہۃ وانما ارشدوا الی التوسط لانه اقل کراہیۃ من التقدّم کما فی السلیح بحر ر ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غزہ محرم ۹۸ھ

امام نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی بجائے خاموش رہا:

سوال :- میرا ایک دوست حنفی عقیدہ رکھتا ہے، مسجد میں شافعی امام ہیں، لوگ بھی زیادہ شافعی ہیں، صبح کی نماز میں امام کی غیر حاضری کی وجہ سے جماعت ان صاحب نے کرائی تو دوسری رکعت میں وہ ہمارے دوست شافعی امام کی دعا تو مانگتے نہیں، لیکن رکوع کے بعد مقتدیوں کے لئے کھڑے رہتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اور ہماری نمازیں جو ان کے پیچھے پڑھی ہیں ہو گئی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ صاحب خاموش نہ کھڑے ہوتے بلکہ دعا پڑھتے تو نماز ہو جاتی، خاموش رہنے کی صورت میں ان کی نماز بھی اور مقتدیوں کی بھی واجب الاعدادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۹۸ھ

مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں چاروں رکعتیں فرض ہیں:

سوال :- مسافر پر مقیم امام کے پیچھے تو چار ہی پڑھے گا، لیکن اس پر دو رکعتیں فرض ہیں، لیکن جب وہ چار کی نیت کرے گا کیونکہ مقتدی کی نیت امام کی نیت کے تابع ہوتی ہے تو کیا خداوند پاک کا سفری حکم ٹوٹ جائے گا یا رہے گا؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسافر پر بھی چار رکعات فرض ہو جاتی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲ صفر ۹۸ھ

آنے والے کے لئے قرارت یا رکوع لمبا کرنا:

سوال:- اگر امام نمازی آنے کی وجہ سے قرارت یا رکوع لمبا کرے کہ نمازی شامل ہو جائے تو کیا گنہگار ہوگا؟ شامیہ میں ہے؛ فالحاصل ان التأخیر القلیل لا عانة اهل الخیر غیر مکروہ الخ  
بینوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام نے کسی نمازی کو پہچان لیا، اور اس کی خاطر قرارت یا رکوع کو لمبا کیا تو مکروہ تحریمی ہو البتہ بدون پہچانے اطلاع میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التوہید رحمہ اللہ تعالیٰ وکروہ تحریمًا اطلاع رکوع او قراءۃ لادراک الجائی ای ان عرفہ والا فلا بأس بہ ولو اراد التقریب الی اللہ تعالیٰ لم یکرہ اتفاقاً لکنہ نادر و تسمی مسألتہ الریاء فینبغی التحرر عنہا (رد المحتار ج ۱)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ صفر ۹۸ھ

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا وسط میں کھڑا ہونا:

سوال:- بوجہ ہجوم اگر صفوں کا توازن نہ ہو، امام مقتدی برابر کھڑے ہو جائیں، یعنی چھوٹی مسجد کی توسیع ہوئی جس میں سابقہ مسجد صرف بائیں جانب آئی، اور موجودہ مسجد کے عین محراب کے مقابل صرف امام اپنے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے کر کے جماعت کرائے جو فی الوقت خارجی جگہ مسجد کی سیڑھیوں کا راستہ ہے، ایسی صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے،  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذوالحجہ ۹۷ھ

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منحن کرنا خلاف سنت ہے:

سوال:- یہاں بہت عالم رہتے ہیں جو ظہر، مغرب و عشاء فرض نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف



رُخ کر کے دعا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

۲۹ رزی تعدہ ۹۸ھ

خلافت سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں؛

سوال :- ہمارے کالج کی مسجد امسال رمضان المبارک میں تعمیر مکمل ہونے کے بعد نماز کے لئے شروع ہوئی کوئی تین چار منٹ کے فاصلہ پر ہے، اس مسجد سے پہلے ہم اپنے ہاسٹل میں ایک کمرہ مخصوص کر کے جاتے نماز کی نیت کر کے وہاں نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے، میں فجر کے لئے جو جو لڑکا نماز پڑھتا تھا اس کو نماز کے لئے باقاعدگی کے ساتھ اٹھایا کرتا تھا، جب مسجد بن گئی تو میں نے وہاں جانا شروع کر دیا، اور ہاسٹل میں لڑکوں کو اٹھانا چھوٹ گیا، نیز اس جاتے نماز میں تقریباً ہر نماز پر اذان دیا کرتا تھا، تقریباً ۶۰ فی صد لڑکے ہمارے نماز پڑھا کرتے تھے، میرے اُدھر مسجد میں جانے سے کچھ لڑکے نماز میں سستی کرنے لگے، اور کئی ایک نماز چھوڑ بیٹھے، وہ لڑکے اس مسجد میں نہیں جاتے تھے، کہ بقول اُن کے اتنی درد رکھنا، اور پھر یہ جاتے نماز بھی یہاں سے مسجد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ظاہر ہے کہ جاتے نماز میں مسجد کا ثواب حاصل نہیں ہوتا، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا میں دوبارہ اس جاتے نماز میں اذان دینا، لڑکوں کو اٹھانا شروع کر دوں اور مسجد کا ثواب چھوڑ دوں، یا مسجد میں ہی پابندی سے نماز پڑھتا رہوں، اور لڑکوں کی پروا نہ کر دوں؟ کیا یہاں جماعت اور مسجد والا ثواب ملے گا؟ یہ جاتے نماز جب ہم پڑھائی ختم کر کے جائیں گے ختم ہو جائے گی، یہ چیز ذہن میں رہے کہ لڑکے مسجد میں جا کر پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

آپ مسجد میں نماز پڑھا کریں حسب قدرت دوسروں کو بھی مسجد میں جانے کی تلقین و تبلیغ کرتے رہیں، اور حسب معمول نماز کے لئے جگایا کریں، اس کے باوجود اگر کوئی نہیں جاتا تو اس کی فکر نہ کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ صفر ۹۹ھ

شافعی امام کی اقتدار میں رفع یدین نہ کرے؛

سوال :- زید مذہبنا حنفی ہے، وہ باجماعت نماز ایک ایسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے، جو شافعی یا حنبلی ہے، لہذا زید نہ تو آمین بالجہر کہتا ہے اور نہ رفع یدین کرتا ہے، چونکہ یہ امام کی اتباع یا تقلید نہ ہوئی تو ایسی صورت میں زید کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اسی طرح شافعی یا حنبلی حنفی امام



کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ امام کی اتباع کے خلاف رفع یدین اور آئین بالجہر کے، اس کی کیا صورت ہے؟  
ببینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

ان امور میں اتباع امام لازم نہیں، لہذا حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے درست ہے، احناف رفع یدین نہ کریں، قال العللاء رحمہ اللہ تعالیٰ ولور زاد تابعہ الی ستة عشر لانه مأثور فی الشامية بقوله ولور زاد تابعہ الخ) لانه تبع لامامہ فتجب علیہ متابعتہ وترك رأیہ برأی الامام لقوله علیہ الصلوٰۃ والسلام انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فمالہم یظهر خطوہ بیقین کان اتباعہ واجبا ولا یظهر الخطأ فی المجتہدات فاما اذا خرج عن اقوال الصحابة فقد ظهر خطوہ بیقین فلا یلزمہ اتباعہ فلهذا لو اقتدی بمن یرفع یدیه عند الركوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنانہ خسالا یتابعہ لظهر خطوہ بیقین لان ذلك مکملہ منسوخ بدائع رد المحتار ص ۸۰، ۱۷ فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر ۹۹ھ

مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اٹھ گیا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مقتدی نے امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا، ابھی تک وہ تین تسبیحات یا کچھ بھی نہیں کہہ پایا کہ امام کھڑا ہو گیا، تو اب مقتدی کو کیا کرنا چاہیے، تین تسبیحات پوری کر لے یا امام کی متابعت کرے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

تسبیح واحدہ کی مقدار رکوع اور سجدہ میں واجب ہے، اور بقدر تین تسبیح سنت ہے، لہذا بقدر وجوب یعنی تسبیح واحدہ کی مقدار توقف کرنے کے بعد امام کی متابعت کرنا واجب ہے، قال فی العلائقہ واعلم انه مما یستنبی علی لزوم المتابعة فی الارکان انه لو رفع الامام رأسه من الركوع والسجود قبل ان یتِمَّ المأمور التبیحات الثلاث وجبت متابعتہ وقال ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله واعلم الخ) ویستحب فیہ ثلاثا فانہ سنة علی المعتمد المشہور فی المذهب لا فرض لا واجب کما مر فلا یتروک المتابعة الواجبة لاجلہما تأمل، رد المحتار ص ۶۳، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ



امام قعدہ اولیٰ چھوڑ کر اٹھ گیا تو مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے :

سوال :- امام نے بھول کر قعدہ اولیٰ چھوڑ دیا، اور سیدھا کھڑا ہو گیا، تو مقتدی تشہد پڑھ کر کھڑے ہوں یا تشہد چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں پر امام کا اتباع لازم ہے، تشہد چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں، کما فی الشیخ  
عن شرح المنیۃ تجب متابعتہ للامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاً ان لزم من فعلہ مخالفة  
الامام فی الفعل کترکہ القنوت او تکبیراً، العید او القعدۃ الاولیٰ او سجود السہو او  
التلاوة فیترکہ المؤتم ایضاً، (رد المحتار ص ۲۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ شعبان ۱۴۹۹ھ

امام قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں :

سوال :- آخری قعدہ کے بعد بھول کر امام کھڑا ہو گیا، لقمہ دینے پر بھی نہیں بیٹھا، اور دو رکعتیں پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا، اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پر قعود کی طرف عود لازم ہے، مقتدی اس کا اتباع نہ کریں، بلکہ بیٹھ کر اس کے لوٹنے کا انتظا  
کریں، اگر سجدہ سے قبل قعود کی طرف لوٹ آیا تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کر کے سلام پھیری ورنہ الگ  
سلام پھیر کر نماز ختم کر دیں، قال فی شرح التنبیہ وان قعد فی الرابعة مثلاً قد راہ التشہد ثم  
قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح ثم الاصح ان القوم ينتظر، ونہ فان عاد تبعوہ وان  
سجد للخماسة سلموا لانه تم فرضہ اذ لم یبق علیہ الا السلام (الی قولہ) وسجد  
للتہو فی الصورتین لنقصان فرضہ بتأخیر السلام فی الاولیٰ وترکہ فی الثانیۃ، وفي  
الشامیۃ (قولہ) اذ لم یبق علیہ الا السلام (اشارہ الی ان معنی تمام فرضہ عدم فسادہ والا  
فصلوتہ ناقصہ کما یأتی فی قولہ لنقصان فرضہ بتأخیر السلام الیہ اشارہ فی البحر  
رد المحتار ص ۲۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ شعبان ۱۴۹۹ھ

امام مسافر قعدہ اولیٰ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟ :

سوال :- مسافر امام چار رکعت والی نماز کے قعدہ اولیٰ کے بعد اگر کھڑا ہو جائے تو مقیم مقتدی  
کیا کریں؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

مفتدی امام کے ٹوٹنے کا انتظار کریں، اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل واپس آ گیا تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کریں، اور اس کے سلام کے بعد باقی نماز ادا کریں، اور اگر امام نے تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی اپنے طور پر کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لیں، امام کی اقتداء بقیہ نماز میں نہ کریں، اگر اقتداء کر لی تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال فی شرح التتویر ولونی الامامة لا لتحقیقہا بل لیتم صلوۃ المقیمین لم یصر مقیمًا، وفي الشامية (قوله لم یصر مقیمًا) فلو اتم المقیمون صلوۃہم معہ قصدت لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ظہیرۃ ای اذا قصدوا متابعتہ اما لو نوا مفارقتہ ودافقوہ صوریۃ فلا فساد افادہ الخیر الرسلی (رد المحتار ص ۴۱، ج ۱) قلت واما انتظارہم عود الامام فظاہر کما نصوا علیہ فی المسبوق اذا قام امامہ بعد القعدة الاخيرة، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲ رجب ۱۲۸۶ھ

## لنگڑے کی امامت:

سوال ۱۔ لنگڑا شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

لنگڑے کی امامت جائز ہے مگر ایسے شخص سے عموماً طبعی انقباض ہوتا ہے اس لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر کسی کے علم و تقویٰ کی وجہ سے اس سے لوگوں کو انقباض نہ ہو تو کراہت تنزیہیہ بھی نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ومفلوج وابصر شاع برصه) وکذا لک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالأقتداء بغیرہ اولیٰ تا ترخانۃ (الی قولہ) والظاہر ان العلة النفرة (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شوال ۱۲۹۹ھ

## پیتلون والے کی امامت:

سوال ۲۔ ایک شخص پیتلون میں نماز پڑھاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پیتلون چست ہو یا ٹخنے چپے ہوئے ہوں تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ ربیع الآخر ۱۳۰۰ھ



### بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت :

سوال :- زید کہتا ہے کہ بے پردہ عورتوں کو، بالغہ ہوں یا قریب البلوغ، بنیادوں یا نابینا، نرسیں ہوں یا لیڈی ڈاکٹر یا ہوائی جہاز کی ہوسٹیس، جلوت میں ہوں یا خلوت میں، اسکول یا کالج کے کمروں میں ہوں یا مسجد کے حجرہ میں، جماعت کی صورت میں ہوں یا گھر کے اندر اکیلی، نامحرم مرد عالم ہو یا مفتی، پیر ہو یا مرید، جوان ہو یا بوڑھا، بنیادوں یا نابینا، نہیں پڑھا سکتا، جبکہ بکراس کی اجازت دیتا ہے،

بکر کا استدلال یہ ہے کہ جب تک ان بے پردہ عورتوں کو احکام شرعیہ سے واقف نہیں کرایا جائے گا، اُس وقت تک اُن کا پردہ کرنا ممکن نہیں، اور اگر ان کو نظر انداز کر کے دینی تعلیم سے صرف اس لئے بے بہرہ رکھا جائے کہ یہ بے پردہ ہیں تو یہ صحیح نہیں، مزید یہ کہ نرسیں، لیڈی ڈاکٹر، ایئر ہوسٹس وغیرہ جو اکثر پردہ نہیں کرتیں اس پردہ والی شرط سے دینی تعلیم سے محروم رہ جائیں گی، جب کہ عملاً اس کا تجربہ کیا گیا کہ ایسی عورتوں کو دینی تعلیم دی گئی تو انہی بے پردہ عورتوں میں سے بعض تہجد گزار بن گئیں،

زید کا استدلال یہ ہے کہ شرعی حدود کو کسی بھی خود پیدا کردہ مجبوری کی وجہ سے نہیں توڑا جاتا، بے پردگی ایک خود پیدا کردہ مضطر ہے، شرعاً ایسے اضطرار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اگر اس طرح عوام خود ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن سے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جائے آئندہ چل کر ہر ایسی مجبوری کو مضطر کا نام دیتے جائیں، اور شرعی حدود کو توڑتے جائیں تو جو شرعی باقی نہیں رہے گا، حالانکہ پردہ کی غرض و غایت صنفی اختلاط کا ختم کرنا ہے، اگر یہ اختلاط برقرار رہا تو پردہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اختلاط مرد و زن اسی لئے جائز نہیں رکھا کہ اس سے ہر دو صنف کے سفلی جذبات کو ہوا ملتی ہے، اگر اختلاط اس لئے ناگزیر ہے کہ بصورت عدم اختلاط دینی تعلیم سے محرومی واقع ہوتی ہے، تو پھر دنیوی مخلوط تعلیم میں کوئی قباحت نہیں رہتی، کیونکہ بعض لوگ مرد و زن کا اختلاط دنیوی تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور آپ دینی تعلیم کے لئے، حدود شرعیہ کے توڑنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اگرچہ اغراض مختلف ہیں، جہاں بے پردہ عورتوں میں احکام شرعیہ کی واقفیت کے بعد چند عورتیں تہجد گزار بن گئی ہیں وہاں بڑی عمر کے اساتذہ اور کم سن بچیوں سے زنا کے ارتکاب تک کی بھی نوبت پہنچی ہے، چند عورتوں کے تہجد گزار بن جانے کے ثواب کے مقابلہ میں ایک زنا ہو جانے کا نہایت سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے،



یزخیر القرون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، آج جو دھویں صدی کے معاشرہ میں پردہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے،

اگر زید کا استدلال درست ہے تو مزید وضاحت طلب امر یہ ہے کہ بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے آدمی کو امام مسجد و خطیب بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

زید کا خیال و استدلال صحیح ہے، عورتوں کی دینی تعلیم عورتوں کی وساطت سے یا پس پردہ ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں اردو میں مستند دینی کتابوں کے مطالعہ سے یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے، بے پردہ عورتوں کو بالمشافہ پڑھانے والا فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کو امام و خطیب بنانا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۸ھ

مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلا گیا :

سوال : اگر رمضان المبارک میں نماز وتر میں کوئی آدمی امام صاحب کے ساتھ دعاء قنوت پوری نہیں کر سکتا بلکہ امام صاحب پہلے ہی دعاء قنوت پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً کوئی دعاء یا معروف دعاء کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے واجب ادا ہو گیا، دعاء معروف پوری پڑھنا مسنون ہے واجب نہیں، لہذا اسکی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا گیا تو قنوت چھوڑ کر امام کا اتباع واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال سنہ ۹۸ھ

تجیر اول میں شرکت کی حد :

سوال : جماعت میں تجیر تحریم میں شرکت کی جو فضیلت ہے وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مختلف اقوال ہیں، ادراک فاتحہ کا قول راجح ہے، قال فی الشامیۃ وفی التارخانیۃ عن المتقی وقیل بادراک الركعة الاولى وهذا اوسع وهو الصحيح اه وقیل بادراک الفاتحة وهو المختار خلاصۃ (رد المحتار ج ۱۲) قلت لفظ المختار اکد من لفظ الصحيح لانه الاختیار يستلزم التصحیح والتصحیح لا يستلزم الاختیار، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ شعبان ۱۴۲۸ھ





انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل من نواحي المدينة  
يريد الصلوة فوجد الناس قد صلّوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلى بهم

# الوصية الاخوانية في حكم الجماعة الثانية

مسجد مين دوسري  
جماعت كا حكم





## مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور فقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد میں جماعت کا تکرار کیا جائے اور نمازی بھی اسی محلہ کے ہوں، تکرارِ عذر سے ہو یا بلا عذر، امدیہ تکرار دائمی ہو تا ہو یا کبھی اتفاقاً تو یہ نماز صحیح غیر مکروہ ہے یا مکروہ ؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ؟ بیّنوا توجروا

### الجواب ومنه الصّدق والصّواب

تکرارِ جماعت کی صورتیں مختلف ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف ہے لہذا ہر صورت کا حکم علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

- ① مسجد طریق ہو، یعنی اس کے نمازی معین نہ ہوں۔
- ② اس مسجد میں امام اور مؤذن معین ہوں۔
- ③ مسجد محلہ میں غیر اہل محلہ نے جماعت کی ہو۔
- ④ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔
- ان صورتوں میں تکرارِ جماعت (اگرچہ تکرار اذان و اقامت کیساتھ ہو) بالاجماع جائز بلکہ افضل ہے۔
- ⑤ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرارِ جماعت بھی اذان سے ہو۔
- ⑥ صورت مذکورہ میں تکرارِ جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئتِ اولیٰ پر ہی ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو،
- یہ دونوں صورتیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہیں۔

④ مذکورہ صورت میں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولیٰ پر نہ ہو، یعنی عدول عن المحراب کیا گیا، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاتہ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔ اس حالت میں کراہتِ شیخین میں مختلف فیہا ہے۔

قال فی شرح التنویر (۵) ویکوہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ (۱) لا فی مسجد طریق (۲) او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن، قال فی الشامیۃ (قولہ ویکوہ) ای تحریمًا لقول الکافی (لا یجوز الجمع لا یباح وشرح الجمع الصغیرانہ بدعتہما فی رسالۃ السند) (قولہ باذان و اقامۃ) عبثۃ فی الخزانۃ اجمع ما ہلہنا ونصہا (۵) ویکوہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ (۳) الا اذا صلی بمہافیہ (لا غیر اہلہ) (۴) واہلہ



لكن بخافته الاذان ولو كراهه بدوئها (١١) او كان مسجد طريق جازا جماعاً (٢) كما في مسجد لبيد امام ولا مؤذن  
ويصلى الناس فوجاً فوجاً فان افضل ان يصلى كل فريق باذان واقامة عليحدة كما في امالي قاضيخان اه  
ونحوه في الدار والعراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدار وغيرها قال في  
المنبع (١١) والتقيد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع وبالاذان الثاني احتراز  
عمّا اذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير اذان حيث يباح اجماعاً اه ثم قال في الاستدلال على  
الامام الشافعي النافي للكرهية مانصة ولنا انه عليه الصلوة والسلام كان خرج ليصلح بين  
قوم نجاد الى المسجد وقد صلى اهل المسجد فرجع الى منزله فجمع اهله وصلى ووجاز ذلك لما  
اختار الصلوة في بيته على الجماعة في المسجد ولان في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معق  
فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فيه سواء ولا اختصاص  
له بفريق دون فريق اه ومثله في البدائع (٥ تا ٤) ومقتضى هذا الاستدلال كراهية التكرار  
في مسجد المحلة ولو بدون اذان (٥ تا ٤) ويؤيده ما في الظهيرية لو دخل جماعة المسجد  
بعد ما صلى فيه اهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية اه وهذا يخالف لحكاية الاجماع  
المارة (٦) وعن هذا ذكر العلامة الشيخ رحمة الله السدي تلميذ المحقق ابن  
الهام في رسالته ان ما يفعله اهل الحرمين من الصلوة بأئمة متعددة وجماعات  
مترتبة مكروه اتفاقاً ونقل عن بعض مشايخنا انكاره صريحاً حين حضر الموسم بمكة  
سنة ٥٥١ منهم الشريف الغزنوي (٦) وذكر انه افق بعض المالكية بعدم جواز ذلك  
على من ذهب العلماء الاربعة (٦) ونقل انكار ذلك ايضاً عن جماعة من الحنفية والشافعية  
والمالكية حضر والمؤتم ٥٥١ (٦) واقره الرملي في حاشية البحر لكن يشكك عليه ان نحو  
المسجد المكي او المدني ليس له جماعة معلومون فلا يصدق عليه انه مسجد محلة بل هو  
كمسجد شارع (١١) وقد متران لا كراهية في تكرار الجماعة فيه اجماعاً فليتأمل هذا -

(رد المحتار باب الامامة ج ١)

وايضاً في الشامية في باب الاذان (٥ تا ٤) وروى عن انس رضي الله تعالى عنه  
ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا اذا قامت الجماعة في المسجد صلوا في  
المسجد فرادى (الى ان قال) وفي آخر شرح المنية وعن ابى حنيفة ولو كانت الجماعة  
اكثر من ثلاثة يكره التكرار والا فلا (٤) وعن ابى يوسف اذا لم تكن على اهيئة الاولى



لا تکره والا تکره وهو الصحيح وبالعدل عن المحراب تختلف الهيئة کذا فی البزارية  
وفی التتارخانية عن الولوالجية وبه نأخذ (رد المحتار باب الاذان ج ۱)

شامیہ میں جو جزئیہ خزان اور منبع سے منقول ہے اس میں مسجد محلہ میں تکرار جماعت بدون  
اذان کی اباحت بالاجماع بیان کی گئی ہے مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مسجد محلہ میں تکرار جماعت بلا اذان  
کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) علی المیئة الاولى (۲) علی غیر المیئة الاولى۔

صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے ہاں جواز تکرار کیلئے عدول  
عن المحراب ضروری ہے (کما مر) علاوہ ازیں مسجد مکہ اور مسجد مدینہ میں کراہت تکرار پر فقہار مذاہب  
اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع تحریر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مسجدوں میں تکرار بدون اذان علی المیئة الاولى  
ہوتا تھا۔ جیسے کہ شامیہ کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ شامی کا ان مساجد کو مساجد شارع میں  
داخل کر کے عدم جواز تکرار پر اشکال پیش فرمانا بھی بین دلیل ہے کہ مسجد محلہ میں ایسا تکرار ہرگز جائز نہیں  
دوسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مکروہ ہے۔ چنانچہ شامیہ نے  
ظہیریہ کی روایت نقل کر کے قول جماع کو فاسد قرار دیا، بہر کیف ان دو صورتوں کو بالاجماع جائز کہنا  
صحیح نہیں، بلکہ صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ اور صورت ثانیہ مختلف فیہا ہے۔

امام ابو یوسف کے قول "عدول عن المحراب" سے مراد حقیقی محراب نہیں، بلکہ محاذۃ محراب  
مراد ہے۔ اگرچہ مسجد کے صحن ہی میں ہو، کیونکہ صلوٰۃ اولیٰ کا محراب میں ہونا ضروری نہیں بلکہ  
محراب کی محاذۃ میں ہونا مسنون ہے۔ لہذا جو نماز محاذیاً للمحراب ہوگی وہ ہیئت اولیٰ پر ہوگی  
ہیئت اولیٰ کے تغیر کے لئے ضروری ہے کہ عدول عن محاذۃ المحراب ہو۔ قال فی الشامیة  
(قوله ویقف وسطاً) قال فی المعراج وفی مبسوط بک السنت ان یقوم فی المحراب  
لیعتدل الطرزان ولو قام فی احد جانبی الصف یکره (الحی ان قال) قال علیہ الصلوٰۃ  
والسلام توسطوا الامام الخ وایضا فیہا (تنبیہ) بفہم من قوله والی ساریۃ کراہۃ قیام  
الامام فی غیر المحراب (الی قوله) السنت ان یقوم الامام ازار وسط الصف الا ترى ان  
المحارب ما نصبت الاوسط المساجد وہی قد عینت لمقام الامام (رد المحتار ج ۱)  
وایضا فیہا (قوله لان العبرة للقدم) یکره للامام ان یقف فی غیر المحراب الا لضرورة  
(رد المحتار ج ۱)



مذکورہ جزئیات سے واضح ہو گیا کہ محراب سے مراد محاذۃ محراب ہے۔ امام کے عین محراب میں قیام کی سنیت اور عین محراب سے عدول کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، بالاتفاق محاذۃ محراب ہی مستنون ہے۔

غرضیکہ صورت سابعہ میں سے پہلی صورت اربعہ میں تکرار جماعت بالاجماع افضل ہے اور خامسہ و سادسہ میں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ کراہت تحریمیہ کی تصریح شامیہ کی عبارت میں تحریر ہو چکی ہے۔ صورت سابعہ یعنی تکرار جماعت عدول عن محاذۃ المحراب کی حالت میں شیخین کا اختلاف ہے اور حالت اختلاف میں تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہے۔ شرح التنویر میں اصول ترجیح بایں الفاظ منقول ہیں۔ واختلف فیما اختلفوا فیہ والا صحح کما فی السراجیۃ وغیرہا نہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی (الحی قولہ) وصح فی الحاوی القدسی قوت المدارک (شرح التنویر مطلب رسم المفتی) لہذا سراجیہ کے قانون کے مطابق ظاہر ہے کہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قانون پر عمل کیا جائے تو بھی امام صاحب ہی کا قول مختار ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلائل عقلیہ و نقلیہ سے قوت ظاہر ہے دلیل عقلی شامیہ میں ہے ولان فی الاطلاق الخ اور ادلہ نقلیہ یہ ہیں۔

① الحدیث المرفوع الذی مر فی عبارة الشامیۃ

② قول انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی نقلہ العلامة الشامی و فیہ بیان تعامل

اصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

③ عن ابی بکرۃ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحي المدينة

یرید الصلوۃ وقد صلو افعال الی منزله فجمع اھلہ فصلی بھم (رواہ الطبرانی فی الکبیر

والاوسط قال الہیثمی، جالہ ثقات)

④ عن ابراھیم النخعی قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یصلی بعد صلوۃ مثلھا (ابن ابی شیبہ)

⑤ عن خرشۃ الحوان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت بکرۃ ان یصلی بعد صلوۃ

الجمعة مثلھا (رواہ الطحاوی بسند صحیح)

مندرجہ ذیل دو روایتیں بظاہر امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خلاف نظر آتی ہیں۔

① عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء فی المسجد رجل وقد صلی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل وصلی معہ (رواہ الترمذی)



(۲) عن انس رضي الله تعالى عنه تعليقا وابی يعلى موصولا انه جاء انس رضي الله تعالى عنه الى مسجد قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة (بخاری)

ان آثار کا جواب تابع الآثار حاشیہ طحاوی میں اس طرح مذکور ہے۔ وما ورد من قوله عليه السلام من يتصدق لا يدل على جواز التكرار المتكلم فيه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذا الثابت به اقتداء المتنفل بالمفترض ولا يحكم بکراهته بل ورد في جوازه حديث آخر من قوله عليه السلام اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما صلوۃ قوم فصليا معهم واجعلوا صلاتكما معهم سبحة كما هو ظاهر ما روى البخاری تعليقا عن انس رضي الله تعالى عنه محمول على مسجد الطريق او نحوه لما نقل فيه انه رضي الله عنه اذن واقام وهو مكروه عند العامة اه (تابع الآثار) قلت ويجعل على مسجد الطريق ايضا لئلا يخالف قوله لما نقله الشافعي من حكاية تعامل الصحابة رضي الله تعالى عنهم۔

غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قوی ترین ہے۔ علاوہ ازیں الترجیح للحریم کے اصول پر بھی امام ہی کا قول راجح ہے۔ پس اصول ترجیح میں ہر حیثیت سے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول مفتی بہ و مختار ہے۔

## صورة لتطبيق

امام ابو یوسف کراہت تحریمیہ کے نافی ہیں اور حضرت امام کراہت تنزیہیہ کے مثبت ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ شامیہ میں صورت خامسہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں کراہت کی نفی کی ہے ان میں کراہت تحریمیہ کی نفی ہے للتقابل الظاهر، نیز مطلق کراہت سے مراد تحریمیہ ہوتا ہے، کہا ہو مصرح فی کتب المذہب، تو عند النفی بھی اسی تحریمیہ کی نفی ثابت ہوگی، بعدہ کراہت تنزیہیہ کی نفی کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے پہلی چار صورتوں میں افضلیت تکرار کی تصریح کراہت تنزیہیہ کے عدم پر دلیل ہے، کراہت کی نفی سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور دلیل افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور استحباب ثابت ہوگیا۔ اسکے برعکس صورت سابعہ میں کراہت تحریمیہ کا انتفار ہے اور تنزیہیہ کی نفی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ظہیر سے منقول ظاہر الروایۃ میں کراہت کا ثبوت ہے لہذا کراہت تحریمیہ کا انتفار اور تنزیہیہ کا ثبوت ظاہر ہے، تو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض



نہیں، اس صورت میں خزان اور منبع سے منقول اجماع کی تغلیط کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ مطلق (بدون اذان) کو مقید (علی غیر الہیۃ الاولی) پر محمول کیا جائے گا اور ”جاز اجماعاً“ اور ”یباح اجماعاً“ سے مراد جواز و اباحت مع الکراہتہ التزہیہ ہے، کراہت تحریمیہ کی نفی مقصود ہے جواز و اباحت کا اطلاق کراہت تزہیہ پر ہوتا رہتا ہے۔ قال فی الشامیۃ وقد یقال اطلاق الجائز و ارادہ ما یعم المکرہ ففی الحلیۃ عن اصول ابن حاجب انہ قد یطلق و یرادہ مالا یمتنع شرعاً و هو یشمل المباح و المکرہ و المندوب و الواجب اھ لکن الظاہ ان المراد المکرہ تنزیہاً لان المکرہ تحریماً فمتنع شرعاً لا زمناً (رد المحتار ج ۱)

وفی شرح التنویر و یجوز بلا کراہۃ اذان صبی سراج و عبد۔ وفی الشامیۃ (قولہ بلا کراہۃ) ای تحریمیۃ لان التزہیۃ ثابتۃ لما فی البحر عن الخلاصۃ ان غیرہم اولیٰ منہم (رد المحتار ج ۱) مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ صورت سادہ میں بھی کراہت تحریمیہ ہے۔ امام ابو یوسف کا خاص صورت سابعہ یعنی علی غیر الہیۃ الاولیٰ میں کراہت تحریمیہ کی نفی کرنا اس پر بین دلیل ہے کہ صورت سادہ یعنی بدون اذان علی الہیۃ الاولیٰ بالاتفاق صورت خامسہ کی طرح مکروہ تحریمیہ ہے۔ بالفرض اگر اباحت کو نفی متبادر پر محمول کر کے امام ابو یوسف کے ہاں عدم کراہت تزہیہ کا قول تسلیم کر لیا جائے تو بھی تکرار کاذب اور استتباب چونکہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ ہی امام ابو یوسف سے منقول ہے۔ لہذا نفی کراہت سے اثبات ثواب لازم نہ ہوگا۔ قال فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی و یمکن ان یقال الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ ثم ان کان احیاناً کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحاً غیر مکروہ (الی قولہ) فان نفی السنیۃ لا یتلزم الکراہۃ الخ (رد المحتار ج ۱)

غرضیکہ تکرار میں امام ابو یوسف کے ہاں کوئی ثواب نہیں اور امام کے نزدیک کراہت ہے اور ترک میں امام کے ہاں ثواب ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں کوئی نقصان نہیں حتیٰ کہ حرمان عن الثواب بھی نہیں اس لحاظ سے بھی ترک تکرار ہی اولیٰ ہوا۔ کیونکہ تکرار میں فائدہ کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ کراہت کا احتمال ہے۔ اور ترک تکرار میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے یہ کل تحقیق فی نفسہ ہے، ورنہ مفاسد خارجیہ کے پیش نظر تکرار کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر امام ابو یوسف کے سامنے یہ مفاسد پیش ہوتے تو ہرگز جواز کا قول نہ فرماتے، لہذا افاد حکیم الامۃ قدس سرہ۔

انقلاب زمانہ : شریعت کا حکم یہ ہے کہ مساجد میں جماعت قائم کی جائے، بدوں غلہ



غیر مسجد میں جماعت کرنا بالخصوص اسکی عادت بنالینا مکروہ اور بدعت ہے قرون خیر میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، چلنے سے عاجز مریض کے علاوہ صرف ایسے لوگ مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جنکا نفاق معروف و مشہور ہوتا تھا، قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلوة الا منافق قد علم نفاقه او مريض ان المريض لم يمشي بين رجلين حتى يأتي الصلوة وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه، (رواه مسلم)

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسا في بعض الصلوات فقال لقد هممت ان امر رجلا يصلي بالناس ثم اخالف الى رجال يتخلفون عنها فامرهم فيحرقوا عليهم بحزم المحطب بيوتهم، الحديث (رواه مسلم) البتہ کسی عذر سے مسجد کی جماعت فوت ہو جائے تو گھر میں جماعت کیجائے، جیسا کہ مضمون بالا میں متعذر احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے ثابت ہوا، مگر انقلاب زمانہ دیکھئے کہ بدوں عذر گھروں پر جماعت کا عام دستور ہو رہا ہے، علماء، صلحا، مقتدا و مرجع عوام و خواص بھی اس بدعت میں مبتلا ہیں، جنکا عمل دوسروں کے لئے بھی مشعل راہ ہے، اور دوسری جانب مساجد میں جماعت ثانیہ کا عام رواج ہو گیا ہے، جس میں مندرجہ ذیل قبائح ہیں،

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق سے مخالفت

② جماعت کی تقیل و تہاون،

③ جماعت اصلہ کے ساتھ شرکت میں تکاسل اور اسکی عادت پڑ جانے کا سبب،

④ جماعت سے تخلف کے گناہ کا اظہار،

⑤ افراق کی صورت، اور اسکا سبب،

غرضیکہ دور بدعت کی ستم ظریفی ہے کہ حکم شرع کے بالکل برعکس مسجد کی جماعت گھر نہیں ہونے لگی اور گھروں کی جماعت مسجد میں،

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اتباع سنت و اجتناب بدعات کی توفیق عطا فرمائیں، فقط واللہ

المستعان والاحول ولا قوة الا به،

رشید احمد

۲۳ ربیع الآخر سنہ ۱۴۳۳ھ، بحبری





وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

# امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ  
متعلقہ آلہ مکبر الصوت پر بعض علماء نے اعتراضات کئے تھے  
اُن پر غور اور اظہار رائے کے لئے حضرت مفتی صاحب نے بندہ  
سے فرمائش کی، اس کی تعمیل میں یہ رسالہ تحریر کیا گیا !





## نماز میں آلہ کبر الصوت کے استعمال کا حکم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

**اقابعد**، رسالہ متعلقہ آلہ کبر الصوت (مؤلفہ مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ) اور اس پر بعض علماء کی تنقیدات مؤلف مدظلہ نے بغرض تنقیح و تحقیق بندہ کے سپرد فرمائی ہیں جسکا منشأ صرف حسن ظن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کہاں میرے جیسا فقید العلم اور کہاں علماء کی تحریرات کی تنقیح اور ان میں محاکمہ، بہر کیف امتثالاً للإمام علمی بے مانگی کے ساتھ کثرت اشغال کے باوجود جو کچھ ذہن فاطر میں آیا حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔ فمضى الجهد ومنه الاصابة۔ پہلے اصل رسالہ کی تنقیح کی جائے گی اسکے بعد اس پر دیگر علماء کی تنقیدات کا تجزیہ ہوگا۔ واللہ المستعان۔

### (تنقیح رسالہ)

**قولہ**، ان دونوں مثالوں (ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا اور روپے کے کھرے یا کھوٹے ہونے سے متعلق سوال کا جواب اشارہ سے دینا) میں خارج نماز شخص کا جواب اور اتباع موجود ہے (الی قولہ) خارج نماز کے جواب یا اتباع کا مفسد نماز قرار دینا اس کے عمل کثیر ہونے کی علت پر مبنی ہے الخ (ص ۳)

**اقول**، جواب و اتباع مترادف قرار دیکر دونوں پر ایک حکم لگایا گیا ہے، حالانکہ دونوں کی حقیقت میں بھی فرق ہے اور دونوں کا حکم بھی جداگانہ ہے۔ اتباع خارج بہر کیف مفسد ہے خواہ اس میں عمل قلیل ہو یا کثیر، الا ان یكون امتثالاً لامر الشارع فلا یفسد وان کان عملاً کثیراً، اور جواب بلا اشارہ کا مفسد ہونا موقوف ہے عمل کثیر ہونے پر۔ مذکورہ دونوں مثالوں میں اتباع نہیں بلکہ جواب ہے۔ اس لئے کہ اسکے مفسد ہونے کی علت عمل کثیر ہونا بیان کی گئی ہے، اتباع خارج کا بہر کیف مفسد ہونا جزئیات ذیل سے ثابت ہے۔

① لیس فیہا (فی الاجابة بالرأس والید) امتثالاً امر (تنبیہ ذوی الاذان ص ۱۰۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس میں امتثال امر اور اتباع خارج ہوتا تو مفسد ہوتا، اگرچہ عمل قلیل ہے مگر چونکہ اس میں اتباع خارج نہیں صرف جواب بلا اشارہ ہے اور عمل قلیل سے ہے اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی۔



(۲) اذا قيل لمصلح تقدم فتقدم او دخل فرجة الصف احد فتجانب المصلح  
توسعة لئلا فسدت صلوة (الى قوله) اقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امثال امر  
الشارع فلا تفسد وبين كونه امثال امر الداخل مراعاة لمخاطرة من غير نظر الى  
امر الشارع فتفسد (مخطاوی علی شرح التنوير ص ۲۷ ج ۱) تقدم وتأخر اور خصوصاً توسعه  
عمل قليل ہے اس کے باوجود اگر امثال امر شارع کی غرض سے نہ ہو بلکہ اتباع و امثال خارج  
سے ہو تو اسے مفسد قرار دیا گیا ہے۔

**قولہ**، اس اتباع میں جہاں عمل کثیر نہ پایا جائے اور امر غیر الشرکاء کا اتباع مقصود  
نہ ہو تو صرف اس وجہ سے کہ کسی خارج شخص کے کہنے یا اس کے اشارہ کرنے پر کوئی نقل و حرکت  
کی گئی اس کو مفسد نماز کہنا صحیح نہیں (ص ۲)

**اقول**، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اتباع خارج میں عمل قليل و کثیر میں کوئی فرق  
نہیں۔ اگر اتباع خارج سے امثال امر شارع مقصود ہے تو بہر حال مفسد نہیں، ولو كان  
عملاً كثيراً کدوران الصفوف عند سماع خبر تحویل القبلة وغیرہ عن الجزئیات  
اور اگر امثال امر شارع مقصود نہ ہو تو اتباع خارج بہر کیف مفسد ہے ولو كان عملاً قليلاً کما مر۔  
**قولہ**، آلہ مکبر الصوت کی آواز پر تکبیر تحریم یا تکبیرات انتقالیہ ادا کرنے میں اعمال نماز  
کے سوا کوئی عمل تو ہے نہیں، نہ قليل نہ کثیر (ص ۳)

**اقول**، اتباع خارج کا مفسد ہونا اس پر موقوف نہیں کہ اس میں اعمال نماز کے  
سوا کوئی دوسرا عمل پایا جائے بلکہ اعمال نماز میں بھی اتباع خارج مفسد ہے، وهو ظاهر  
جداً، پس فساد نماز کی بنا عمل کا خارج من اعمال الصلوة ہونا نہیں بلکہ امثال امر غیر  
شارع فساد نماز کی بنا ہے۔ لہذا عبارت مذکورہ بلا فائدہ اور حشو محض ہے۔

**قولہ**، اور اس کی (آلہ کی) آواز کے اتباع میں اسکا دور دور بھی کوئی احتمال  
نہیں کہ اس آلہ کی خاطر سے یا اس کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ یہاں تو بجز اتباع امر اللہ کے اور  
کوئی احتمال ہی نہیں (ص ۳)

**اقول**، یہ امر بعید از قیاس نہیں، مگر غری، حموی اور شامی و دیگر فقہاء کے خیال  
کی تغلیط بھی سہل نہیں، فلیحذر۔

عہ سیاتی تحویرہ فی آخر ہذا التحویر ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲



قولہ، مطلقاً کسی خارج شخص کا اتباع مفسد نماز نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یا تو عمل کثیر نہ پایا جائے۔ یا امر غیر اللہ کا اتباع مقصود ہو (ص ۵)

اقول، اوپر دوبارہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ اتباع خارج کا مفسد ہونا صرف اس پر موقوف ہے کہ اس میں امر شارع کا امتثال نہ ہو۔ عمل کی قلت و کثرت میں کوئی فرق نہیں۔ امتثال امر شارع مفسد نہیں ولو كان العمل کثیراً اور امر غیر اللہ کا اتباع و امتثال مفسد ہے ولو كان قليلاً۔

قولہ، خود علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ ذوی الافہام میں جو خاص اسی مسئلہ مکبر یا مبلغ کے لئے لکھا ہے، اگرچہ خارج نماز کی آواز پر تکبیر تحریم کہنے کو حموی کے حوالہ سے مفسد لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسی رسالہ میں یہ بھی لکھ دیا و نقل عن ذلك الكتاب ان الاجابة بالرأس لا بأس بها ولم ار من صرح بخصوص مسألتنا سوى ما مر عن الحموي وهذا الفرع اشبه بها من غيره لان الاجابة فيها بالفعل اه (الى قوله) اس سے معلوم ہو گیا کہ علامہ شامی کو بھی مکبر خارج نماز کی آواز کے اتباع کو مفسد نماز کہنے پر اطمینان نہیں، بلکہ اس کے خلاف کو ترجیح ہے (ص ۵)

اقول، مضمون مذکور علامہ شامی نے صرف بحثاً ذکر فرمایا ہے۔ کما ہود اب المحققین فانهم يذكرون في اثناء تحقيقهم امور كثيرة بحثاً فقط ولا يفتون بها، اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علامہ شامی حموی اور غزی کی تحقیق پر مطمئن نہیں اور اسکے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو خود اپنے اسی رسالہ تنبیہ ذوی الافہام کے آخر میں حموی کی موافق فتویٰ نہ دیتے، ونصہ فمن ذلك ان بعضهم يجهر بالتكبير عند احرام الامام من غير قصد الاحرام ليعلم الناس وربما يفعل ذلك وهو قاعد او منحن ثم يدخل بعد ذلك في صلاة الامام ولا شك حينئذ ان من لم يكن قريباً من الامام يأخذ من ذلك المبلغ فلا يصح شروعه لانه لم يدخل في تكبيرة في الصلاة فيكون اقتداء بمن لم يدخل في الصلاة وهو لا يصح كما مر۔ ومن ذلك ان بعضهم يكون اعمى وهو بعيد عن الامام فيقعده رجل الى جانب ذلك المبلغ الا اعمى ويعلمه بانتقالات الامام والا اعمى يرفع صوته ليعلم المأمومين كما شاهدت ذلك في مسجد دمشق وعلى ما تكون صلاة



المبلغ فاسدة لاخذہ من الخارج وكذلك صلوة من اخذ من ذلك المبلغ۔

(تنبيه ذوي الافهام ص ۱۴۲)

ان دونوں جزیوں میں علامہ شامی غری و حموی کی تحقیق پر فتویٰ دے رہے ہیں۔ پورے رسالہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس سارے رسالے کا خلاصہ اور نتیجہ ہی حموی کی تحقیق ہے۔ ردالمحتار میں بھی شامی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ شامی نے بطور بحث و هذا الفرع اشبه بها من غيرك الخ سے جو اشکال ذکر کیا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اجابت بالرأس واليد میں امتثال و اتباع نہیں بلکہ جواب ہے اور مسئلہ تبلیغ میں اتباع و امتثال ہے فافتراقاً، شامی نے دونوں مسئلوں میں وجہ شبہ ”لان الاجابة فيهما بالفعل“ سے بیان فرمائی مگر ان کی نظر فرق مذکور کی طرف نہیں گئی۔

قولہ، اور اسی رسالہ میں دو صفحہ کے بعد اسکی تصریح فرمائی ہو کہ حموی کی تخریج ایک ایسے اصول پر مبنی ہے جو صحیح نہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا علمت هذا ظهر لك ما في كلام الحموي (الى قوله) على انه تخويع على غير صحيح (تنبيه ص ۱۴۲) (ص ۵)

اقول، اس میں مصنف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ایک دوسرے مستقل مسئلہ سے متعلق ہے اور یہ امر رسالہ تنبیہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ قولہ، لیکن اس رسالہ میں پھر بھی علامہ شامی نے ہدایت یہی دی ہے کہ خارج نماز شخص کی آواز پر بکثرت تحریم وغیرہ کہنے سے احتراز کیا جائے اور یہی وہ فیصلہ ہے جو حق نے اپنے رسالہ مکبر الصوت میں اختیار کیا ہے کہ جہاں منظر اور احتمال بھی فساد نماز کا ہو وہاں احتراز ہی کرنا چاہیے اس لئے نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال مناسب نہیں (ص ۵)۔

اقول، شامی نے احتراز کی روایت کو بیان نہیں فرمایا بلکہ فساد نماز کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس رسالہ مکبر الصوت میں صحت صلوة کا فیصلہ دیا گیا ہے اور احتراز کو اوئی اور آلہ کے استعمال کو صرف نامناسب فرمایا گیا ہے۔

قولہ، (غیر امام کو لقمہ دینا) اس عنوان کے تحت مؤلف مدظلہ نے فتح علی غیر الامام کے مفسد نماز ہونے کے لئے تین قیود بیان فرمائے ہیں۔

① امام کے استفتاح پر خارج نے لقمہ دیا ہو۔

② خارج شخص بتلانے کی نیت سے لقمہ دے، محض اپنی تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔



(۳) بتلانے والے کے پورا بتلانے کے ذریعے امام کو اپنی غلطی ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے شروع کرتے ہی امام کو خود یاد آ گیا ہو۔ ان شروط کے اثبات کے لئے مؤلف مدظلہ نے جزئیات ذیل تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) وفي الدار المختار وفتح على غير امامه الا اذا اراد التلاوة وكذا الاخذ الا اذا تنكر فتلا قبل تمام الفتح۔

(۲) قال الشامي (قوله الا اذا تنكر) قال في القنية فان اخذ في التلاوة قبل تمام الفتح لم يفسد والا تفسد، وفي المبسوط للسرخسي بعد قوله تفسد به صلوة المصلي لانه تعليم وتعلم۔

(۳) (ثم قال) وانما هذا اذا اراد ان يفتح على غير امامه فحينئذ ينبغي ان ينوي التلاوة دون التعليم فلا يضره ذلك (مبسوط ج ۱ ص ۱۹۲)

(۴) قال في البدائع لان فتحة بعد استفتاحه جواب وهو من كلام الناس فيوجب الفساد وان كان مرة واحدة هل اذا فتح على المصلي عن استفتاح واما اذا فتح عليه من غير استفتاح لا تفسد صلوة بمرة واحدة وانما تفسد عند التكرار لانه عمل ليس من اعمال الصلوة (بدائع ج ۱ ص ۲۳۶)

(۵) وفي البحر واراد من الفتح على غير امامه تلقينه على قصد التعليم واما ان قصد قراءة القرآن فلا تفسد عند الكل۔

(۶) (وقال بعد ذلك) وفي القنية ارجح على الامام ففتح عليه من ليس في صلوة وتذكر فاذا اخذ قبل تمام الفتح لم يفسد والا تفسد لان تذكره يضاف الى الفتح (مجموع ۲ ص ۷)

اقول، اصل کتب کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ ان جزئیات کے مفہوم میں مؤلف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے۔ چنانچہ جزئیہ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ کو مؤلف مدظلہ نے صلوة امام کے حکم سے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان میں خود فاتح کی نماز کا حکم بیان ہو رہا ہے لہذا شروط مذکورہ میں سے شرط دوم ثابت نہ ہوئی۔ نیز جزئیہ ۵ خلاف مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو بحر ص ۶ و ص کبیری ص ۴، پس شرط اول بھی ثابت نہ ہو سکی اور جزئیہ ۶ و ۷ سے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال في الحلية وفيه نظر لانه ان حصل التذكر



والفتح معاً لم يكن التذکرنا شئاً عن الفتح ولا وجه لافساد الصلوة بتأخر  
شروعہ فی القراءة عن تمام الفتح وان حصل التذکر بعد الفتح قبل اتمامہ  
فالظاهر ان التذکرنا شئاً عنه ووجبت اضافة التذکر الیه فتفسد بلا توقف  
للمشروع فی القراءة علی اتمامہ اھ ملخصاً قلت والذي ينبغي ان يقال ان حصل  
التذکر بسبب الفتح تفسد مطلقاً ای سواء شرع فی التلاوة قبل تمام الفتح او  
بعده لوجود التعلم وان حصل تذکرہ من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً  
خلاصہ یہ کہ اگر تذکرنا شئاً عن الفتح ہے تو بہر کیف نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ فاتح کے  
شروع کرتے ہی امام کو یاد آگیا ہو اور وہ فوراً قبل تمام الفتح ہی پڑھنے لگا ہو۔ پس  
شرط سوم بھی سالم نہ رہی۔

**قولہ**، اور اگر قرآن کریم یاد ہے مگر محض امداد کے لئے قرآن مجید کھول کر سامنے  
رکھ لیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اسپر نظر کرنے سے آیت یاد آجائے گی۔ یہ صورت باجماع مفسد  
نماز نہیں ہے (ص ۷)

**اقول**، اس دعویٰ کے اثبات کے لئے جتنی جزئیات پیش کی گئی ہیں ان کا مفہوم  
یہ ہے کہ اگر حافظ قرآن کو کھول کر نماز پڑھے مگر اسے اٹھائے نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔  
اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بوقت ضرورت قرآن سے تذکر کرے تو مفسد نہیں بلکہ اس کا  
ظاہر یہ ہے کہ بلا استفادہ تذکر کر کے قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو مفسد نہیں، اگر صورت تذکر فرض  
کی جائے تو یہ شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ مذکورہ بالا ان حصل التذکر بسبب الفتح سے معارض ہوگی۔  
**قولہ**، تذکر یعنی دوسرے کی بات سُن کر کوئی چیز یاد آجانا اس کو عمل سے خارج اور  
غیر مفسد قرار دیا ہے (ص ۷)

**اقول** شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ تذکرنا شئاً عن الفتح مفسد ہے۔  
**قولہ**، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر اور امام طحاوی نے اس واقعہ (تحویل قبلہ) سے اس  
امر کا استنباط کیا ہے کہ نمازی کو خارج نماز شخص سے کسی قسم کا استفادہ کرنا مطلقاً موجب فساد نہیں (ص ۷)  
**اقول**، اس قدر اطلاق اور وسعت معلوم نہیں ہوتی، خصوصاً جبکہ حافظ ابن حجر اس  
واقعہ میں کچھ تأویلات کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

یہاں تک تو رسالہ مکبر الصوت کے دلائل سے متعلق بقدر ضرورت کلام ہوا، اب رسالہ



مذکورہ پر تنقیدات سے تعرض کیا جاتا ہے۔ نفس مسئلہ کی تحقیق آخر میں تحریر کی جائے گی۔

## تبصرہ بر تنقید مفتی عطاء محمد صاحب

رسالہ مکبر الصوت میں تنبیہ ذوی الافہام سے منقولہ جزئیہ ”ولہذا من صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مر عن الحموی“ کے بارے میں مفتی عطاء محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارت مسئلہ تبلیغ سے متعلق نہیں، بلکہ اس سے مراد قریبی مذکور مسئلہ امتثال امرالغیر کی ایک مثال اذقال له تقدم فتقدم الخ ہے۔ ۱۷

بندہ نے پورے غور سے اس مقام کو دیکھا اور ایک دوسرے قابل اعتماد اہل علم کو بھی کھایا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ اصل رسالہ میں جو مفہوم اس جزئیہ کا لیا گیا ہے وہی صحیح ہے۔ مفتی عطاء محمد صاحب کے بیان کردہ مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں جزئیہ مذکورہ میں ”مسألتنا“ کا لفظ بھی اسکی وضاحت کر رہا ہے کہ اسکا محمل وہی مسئلہ ہے جو رسالہ کا اصل موضوع ہے۔ اور حسبکا اور پر عنوان قائم کیا گیا ہے۔ یعنی مسئلہ تبلیغ۔ شامی کے اس قول سے متعلق ضروری تحقیق اور تحریر کی جا چکی ہے۔

## تبصرہ بر تنقید قاضی شمس الدین صاحب

قولہ بر تقدیر تسلیم نبودن آواز مکبر الصوت آواز اصلی مشکلم دریں تحریر منیر انحضرت از مسئلہ صدای چراگریز فرمودہ اند۔

اقول اس کا جواب مؤلف مدظلہ نے اپنے سابقہ رسالہ مطبوعہ میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ سجدہ میں ایک عبادت یعنی سجدہ تلاوت کا ایجاب مستقل ہے جو حسب تصریح فقہار آیت سجدہ کی تلاوت صحیحہ یا اس کے سننے پر موقوف ہے اور حسب تصریح بدائع صوت صدی کو تو تلاوت ہی نہیں کہہ سکتے اور کسی نے مجنون کی زبان سے آیت سجدہ سن لی تو وہ اگرچہ تلاوت ہے مگر تلاوت صحیحہ نہیں، کیونکہ مجنون تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا (بدائع ج ۱ ص ۱۸۹)

بخلاف اس مسئلہ کے کہ مقتدی پر امام کا اتباع اور اس کے ساتھ رکوع و سجود میں منتقل ہونا پہلے سے لازم و واجب ہے۔ مکبر کی آواز اس کے واجب ہونے کا سبب یا علت نہیں، بلکہ مکبر کی آواز صرف انتقال امام کی خبر دینے والی ہے اور امام کی حرکات انتقالیہ پر اطلاع



جیسے عام طور پر امام کی آواز سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی اگلی صف کی نقل و حرکت سے کبھی سایہ وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی مکبر کے با آواز بلند تکبیر کہنے سے اور کبھی آلہ مکبر الصوت سے بھی ہو جاتی ہے بہر حال اتباع امام ہی کا ہوتا ہے جو بسبب اقتدار پہلے سے اس کے ذمہ لازم تھا۔ آواز مکبر الصوت کے سننے یا نہ سننے پر اس کا مدار نہیں، اس لئے صوت صدی کا وجوب سجدہ میں اعتبار نہ کرنا اور چیز ہے اور اسکے ذریعہ انتقال امام پر استدلال کر کے نقل و حرکت کرنا دوسری چیز اھ حقیر کو اس تقریر پر اشکال ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ حکم کے موقع و محل کا تعلم من الخارج بھی مفسد ہے کما سیاتی حقیقت میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ وجوب سجدہ مبنی ہے صحت تلاوت پر جو نیت پر موقوف ہے اور تالی آلہ صدی کے استعمال کی نیت نہیں رکھتا پس آلہ صدی کے غیر مختار ہونے کی وجہ سے صوت صدی بحکم صوت تالی تو ہوگی مگر بلا نیت استعمال پیدا ہونے کے باعث تلاوت نہ کہلائے گی۔ اس کے برعکس صحت اقتدار کے لئے نیت تکبیر شرط نہیں بلکہ نفس تکبیر ہی ضروری نہیں۔ امام کے فعل کی اقتدار ہی کافی ہے۔ پس آلہ صدی کی آواز بحکم صوت امام ہے مگر امام نے اس آلہ کو استعمال کر کے اس آواز کے پیدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صحت اقتدار کے لئے یہ نیت شرط نہیں۔

قولہ اگر در میان صفوف جماعت کلاں بر جائے بلند یک خواندہ طوطی نشسته باشد و صلاحت نقل تکبیرات امام دارد و چون امام تکبیر تحریم گوید آں طوطی تکبیر او شنیدہ با آواز بلند فوراً نقل آں آواز کند، مقتدیان بعید ایں جماعت کہ در انتظار تکبیر تحریم امام بامر الہی ند و خواہند کہ بامر الہی با اقتدار امام تکبیر گویند لیکن حال امام بوجہ دوری از امام ازیں مقتدیان مستور ست و آواز تکبیر امام نیز باین مقتدیان نہ رسد و چون آواز طوطی شنیدند پس با خبر شدہ تکبیر پس امام خود گفتہ تحریم بستند و از آواز ایں طوطی متذکر شدند کہ اکنون امام تکبیر گفتہ است و دریں جاہر گز احتمال نیست کہ کسے وقعت ایں طوطی مسکین در نظر مے دارد و بیاس خاطر او تکبیر مے گوید و کلام طوطی کلام طوطی ست، کلام الناس ہم نیست، پس مطابق اصول زریں بیان فرمودہ آنحضرت نماز ہمہ مقتدیان صحیح باشد، زیرا کہ در تکبیر گفتن این طوطی نیز نہ عمل قلیل و کثیر ست و نہ کلام الناس۔

اقول، طوطی نہ ہی تو صدی اور مکبر الصوت کی طرح آلہ غیر مختار ہے کہ اسکا فعل مستعمل کمیطر منتقل ہو جائے اور اسکی صوت کو بحکم صوت امام کہا جاسکے اور نہ ہی طوطی انسان ہے کہ مستقلاً اسکی خبر پر اعتماد کیا جائے۔ معالاً میں بھی طوطی کی خبر پر اعتماد کی گنجائش نہیں اور یہاں تو مسئلہ دیانات کا ہے۔



بیوع واجارات وغیرہا من العقود کا بذریعہ طوطی عدم انعقاد اور اسکے برعکس بذریعہ مکر الصوت ان کا انعقاد اس قدر بین اور واضح ہے کہ شاید کوئی شخص بھی اسکے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔

## نفس مسئلہ کی تحقیق

مصلی کے معاملہ مع الخارج کی مختلف صورتیں ہیں۔

- ① اجابت بالقول۔
- ② اجابت بالعمل الكثير، یہ دونوں مفسد نماز ہیں۔
- ③ اجابت بالعمل القلیل کا لاجابة باشارة الرأس او الید، یہ مفسد نہیں۔
- ④ تذکر، اس سے متعلق شامیہ کی تحقیق گزر چکی ہے کہ اگر تذکر ناشی عن فتح الخارج ہے تو مفسد ہوگا والا فلا، مگر اسمیں بندہ کو شرح صدر نہیں، اولاً اسلئے کہ عامۃ الکتب میں الا اذا تذکر قبل تمام الفتح مطلق ہے، ثانیاً اس لئے کہ تعلم کو عمل کثیر ہونے کی بناء پر مفسد قرار دیا گیا ہے اور تذکر کا عمل کثیر ہونا معرض خفا میں ہے، ثالثاً اس لئے کہ شامی کی تحقیق پر کئی مواقع ایسے پیش آئیں گے کہ ان میں اصلاح نماز نامکن ہوگی۔ اور نمازی ابطال عمل نماز پر مجبور ہو جائے گا۔ مثلاً نمازی کو قیام قعود یا دیگر ارکان نماز میں سے کسی رکن میں سهو واقع ہوا، خارج نے لقمہ دیا اور اس پر نمازی کو بھی تذکر ہو گیا۔ اب اس نماز کی تکمیل کا کوئی طریق ممکن نہیں، نہ اپنے تذکر ناشی عن فتح الخارج پر عمل کر سکتا ہے اور نہ ہی تذکر کے بعد عمداً کسی رکن کو چھوڑ سکتا ہے۔ پس ابطال نماز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وقال الله تعالى لا تبطلوا اعمالکم، پس اس پر عمل کرنا متعین ہو گیا۔

⑤ اتباع واستثال خارج تطیباً لحاظہ، یہ مفسد نماز ہے۔

⑥ تعلم القرآن یا تعلم المسئلة یہ بھی مفسد ہے۔

④ تعلم محل المسئلة، جس کی تعلیم کو شامی نے اعلام و تذکر سے تعبیر کیا ہے جیسے تقدم،

تاخر، توسعة، واقعة تحویل قبلہ، جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفسد نہیں۔ وفي العلائقة لو

اشتبه على العريض اعداد الركعات والسجودات لنحاسب يلحقه لا يلزمه الاداء ولو اداها بتلقين

غيره ينبغي ان يحجز به كذا في القنية وقال في الشامية تحتہ قد يقال انه تعليم وتعلم وهو

مفسد كما اذا قرأ من المصحف او علمه انسان القراءة وهو في الصلوة طوق قد يقال انه ليس

بتعليم وتعلم بل هو تذكير و اعلام فهو ك اعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل (رد المحتار ص ۱۳۳)



اس میں بھی تصریح ہے کہ تعلم محل مسئلہ مفسد نہیں۔ مسئلہ تبلیغ میں بھی تعلم محل مسئلہ ہے تعلم نفس مسئلہ نہیں۔ اس لحاظ سے اس میں تعلم من الخارج مفسد نہ ہونا چاہیے۔ شامیہ کی عبارت مذکورہ میں فہو کا علامہ المبلغ بھی اسکی کامل وضاحت کر رہا ہے مگر تنبیہ ذوی الافہام میں غری و جموی کی تحقیق کے مطابق شامی نے مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج کو مفسد قرار دیا ہے۔ پس رفع تعارض کی یہ صورت سمجھ آتی ہے کہ تقدم وتأخر اور توسعه وغیرہ کے عدم افساد کی وجہ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے منصوص علی خلاف القیاس ہونے کا حکم لگایا ہے اور بعض نے لضرورة اصلاح الصلوٰۃ بیان کیا اور بعض نے امثال امر شائع قرار دیا، ان مختلف تعبیرات کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔ لہذا منصوص علی خلاف القیاس اور لضرورة اصلاح الصلوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امثال امر شائع کا مفہوم یہ متعین ہو جاتا ہے کہ اس خاص موقع پر اصلاح صلوٰۃ کی ضرورت کی خاطر امر شائع وارد ہوا ہو اور اسکا امثال مقصود ہو مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج نہ منصوص علی خلاف القیاس ہے نہ ہی اس میں ضرورت اصلاح صلوٰۃ ہے اسلئے کہ یہ ضرورت تعلم من الداخل سے پوری کیجا سکتی ہے اور نہ ہی اس بار میں خاص طور پر امر شائع وارد ہوا ہے جسکا امثال مقصود ہو، مریض سے متعلق قنیه کا جزئیہ ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ“ بھی ضرورت اصلاح صلوٰۃ پر مبنی ہے۔ شامی نے جو اسکی علت بیان فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، اسلئے کہ اولاً اسے تذکر کہنا بعید ہے۔ ثانیاً یہ کہ تذکر کے متعلق خود شامی کا فیصلہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ تذکر ناشی عن التذکر ہو تو مفسد ہے۔ ثالثاً شامی کی یہ توجیہ اسکو مستلزم ہے کہ مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج جائز ہو۔ بلکہ تقریباً اسکی تصریح ہے جو خود شامی کے فیصلہ مندرجہ بنیہ کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ قائل سے شامی نے اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ غرضیکہ مسئلہ تبلیغ میں تلقن من الخارج مفسد نماز ہے۔

## آل مکبر الصوت

حقیقت میں یہاں دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک جواز استعمال کا اور دوسرا صحت صلوٰۃ کا، بندہ کے خیال میں ان دونوں سوالوں کا جواب مختلف ہے۔ یعنی آل مکبر الصوت کا استعمال نماز میں مکروہ ہے، مگر اسکے باوجود اگر کسی نے اقتدا کر لی تو نماز درست ہو جائے گی۔ کراہت استعمال اسلئے کہ بلا ضرورت مسنون و معتد علیہ اور یقینی طریق تبلیغ ترک کر کے ناقابل اعتماد طریق اختیار کرنا درست نہیں، البتہ عوام میں غلبہ جہل و فقدان اہلیت یا اور کسی وجہ سے مکبرین کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو بضرورت مکبر الصوت کے استعمال میں مضائقہ نہیں، حتی الامکان احتراز اولیٰ واجب ہے،



دوسرا مسئلہ صحت نماز کا ہے جس میں وجوہ ذیل کی بنا پر بندہ بھی مؤلف رسالہ مکبر الصوت و دیگر اکابر دیوبند کی رائے سے موافق ہے اور صحت نماز کا قائل ہے۔

① مکبر الصوت کی آواز عین آواز متکلم ہے یا غیر؟ اسکا ابتک اہل سائنس فیصلہ نہیں کر سکے بصورت اختلاف بقاعدہ "البیقین لا یزول بالشک" اسکی صوت کو عین صوت متکلم کہا جائے گا، اسلئے کہ صوت متکلم کا وجود یقینی اور صوت مغائر کا وجود مشتبہ ہے خصوصاً جبکہ احکام شرع کا مدار ظاہر پر ہے۔ نہ کہ تدقیقات فلسفہ پر اور ظاہر یہی ہے کہ جب امام بول رہا ہے تو یہ آواز اسی کی ہے۔

② اگر اس صوت کو صوت متکلم کا غیر فرض کر لیا جائے تو آلہ مکبر الصوت محض آلہ غیر مختار ہے لہذا اسکی آواز بحکم آواز متکلم ہوگی۔

③ فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے عدم صحت اقتدار کی صورتیں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں مگر صوت صدی کی اقتدار کا فساد کہیں بیان نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مصنفین کا ذہن صوت صدی کی طرف نہیں گیا اسلئے کہ سجدہ تلاوت کی بحث میں جملہ مصنفین اس پر بحث فرماتے ہیں۔ پس سجدہ تلاوت کے باب میں جمیع مصنفین کا اسے بیان فرمانا اور بحث اقتدار میں قاطبہ سب فقہار کا اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور اس طرف کسی کا بھی کوئی توجہ نہ فرمانا، باوجودیکہ مسئلہ محل الوقوع ہے اور یہ نسبت سجدہ تلاوت کے وقوع کا زیادہ قریب احتمال رکھتا ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صوت صدی کی اقتدار صحیح ہے۔

④ مساجد میں محراب اور گنبدوں کے ذریعہ تبلیغ صوت کا تعامل و توارث چلا آتا ہے خصوصاً ٹھٹھ کی قدیمی تاریخی مسجد میں فن معماری کا انجوبہ بہت سے حضرات نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ خطیب کی آواز گنبدوں کے ذریعہ کتنی دور تک صاف پہنچتی ہے، گنبدوں کے ذریعہ پہنچنے والی آواز میں قریب ترین احتمال یہ ہے کہ صدی ہے۔ مگر آج تک کسی زمانہ میں اس پر کوئی اشکال نہیں پیش کیا گیا۔ اگر بالفرض گنبدوں کی آواز کا صدی نہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی کم از کم صدی ہونیکا احتمال تو ضرور ہے جسکا مقتضی یہ تھا کہ علماء دین اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے صدی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق کرتے، بصورت عدم تحقیق نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس سے احتراز کو ضروری قرار دیتے اور فساد نماز کا حکم صادر فرماتے مگر آج تک کسی عالم نے اس طرف قطعاً کوئی التفات نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ صوت صدی کا اتباع مفسد صلوٰۃ نہیں اور یہ توارث سے ثابت ہے۔

فقط وھذا ملجاء فی نظری القصیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر

غزوہ محرم، سنہ ۱۴۱۰ یوم الجمعة





وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

# نيل السَّعَادَةِ بالاقتداءِ فى لصلوة المعادَةِ

نماز ميں وقوع نقصہ کے وجہ  
سے دوبارہ جماعت کرائے گئے تو  
اسے ميں نئے مقتدی کے شرکت  
کا حکم





## صلوۃ معادہ لترك الواجب میں شرکت کا حکم

ایک اہم مسئلہ سے متعلق دو حضرات کے متضاد جوابات ارسال خدمت ہیں۔ حضرت سے درخواست ہے کہ انہیں ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں اور اپنی تحقیق عمیق سے مستفید فرمائیں۔

از منظر نگر (انڈیا)

سوال : ترک واجب کی بنا پر نماز کا اعادہ کیا گیا تو نووارد شخص اس دوسری جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ میں نووارد کی شرکت کا جواز مذکور ہے اور امداد الفتاویٰ کے حاشیہ پر شرکت کو مختار قول کے غیر مطابق قرار دیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی کہ ثانی نماز مستقل نماز نہیں، لہذا مستقل نماز پڑھنے والوں کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ عرض ہے کہ مختار شرکت کا جواز ہے یا عدم جواز؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرما کر منون فرمائیں۔ ۲۰/۱۱/۹۵ھ

### جواب اول

حاملًا و مصلیًا، مجتہدین کے کلام میں باوجود تتبع کے نووارد کی شرکت یا عدم شرکت کی تصریح تو نہیں ملی، غالباً یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ ثانی نماز نفل ہے یا فرض۔ اس کا فیصلہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ فرمایا ہے۔ یؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعریفها بما مرّ انہ ینوی بالثانیۃ الفرض لان ما فعل اولاً هو الفرض فاعادته فعله ثانیاً اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیۃ فظاہر واما علی القول الآخر فلان المقصود من تکرارها ثانیاً جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص والثانیۃ فرض کامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادة وصف الکمال ولو كانت الثانیۃ نقلاً لزم ان تجب القراءة فی رکعاتها الاربع ۱ھ (رد المحتار باب قضاء الفوائت ص ۴۹) فقہار کی تعبیرات میں ضرور اختلاف ہے۔ بعض نے الفرض سقط بالاولیٰ اور بعض نے یکون الفرض هو الثانی سے تعبیر فرمایا مگر علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف تعبیرات کا ہے حقیقی نہیں کیونکہ سقوط الفرض بالثانیۃ کا یہ مطلب نہیں کہ اولیٰ سے سقوط فرض بالکل نہیں ہوا تھا اور ثانیہ پر اس طرح موقوف تھا کہ اگر بالفرض ثانیاً اس فعل کو نہ کیا جاتا تو مصلیٰ خارج عن الصلوۃ نہ ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حکم سقوط الفرض موقوف ہے عدم اعادہ پر (نظار شامیہ باب قضاء الفوائت میں مذکور ہیں) اور جب اعادہ ہو گیا تو یہ فرض محول الی النفل ہو گئے، جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر



صلوٰۃ جمعہ میں شریک ہو جائے تو فرضیت کا بطلان ہو کر عند الامام و ابی یوسف رحمہما اللہ تفلیت باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اگر صلوٰۃ جمعہ میں اس سے رکن فوت ہو جائے تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا اور سقوط الفرض بالاولیٰ والثانی جابر کا قول بھی ثانیہ کے نفل ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ اسکے معنی بحسب تحقیق حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ یہ ہیں کہ سقوط فرض ثانیہ کے شروع کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر اعادہ نہ کیا جائے تو سقوط فرض بالنقصان ہو چکا تھا، اب اس نقصان کو پورا کر نیکی خاطر ذات اولیٰ کا کمال کے ساتھ اعادہ کیا جا رہا ہے۔ جس طریقہ سے قعدہ اخیرہ پر ارکان پورے ہو جاتے ہیں، سقوط فرض کسی اور چیز پر موقوف نہیں مگر سلام سجود السہو کے بعد سے آخر تک جو حصہ ہے فرض ہی واقع ہوگا۔ چنانچہ جو اس حالت میں اقتدار کریگا بالاتفاق اسکی اقتدار صحیح ہو جائے گی تو یہ (ثانیہ) مثل سجود سہو ہے کما فی رد المحتار جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السہو چونکہ سجود سہو کی صورت میں منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہیں ہوا اسلئے شارع علیہ السلام نے اس سجود و تشہد کی زیادتی کو مربوط بمحل السہو قرار دیکر لجزر النقصان کافی اعتبار کیا اور اعادہ کی صورت میں منافی صلوٰۃ عمل ہو چکا لہذا اس زیادتی کی بنا اصل صلوٰۃ پر ممکن نہیں رہی اسلئے جدیدہ تحریمہ کے ساتھ مستقل نماز کو جابر قبول کیا، چار رکعت والی نماز کے لئے چار رکعت اور تین رکعت والی نماز کے لئے تین رکعت کو جابر قرار دینا دلیل ہے کہ موداة بالفعل الاول اور بالفعل الثانی میں اتحاد ذات ہے تغایر و تعدد صرف صورت ہے۔ اگر لجزر النقصان محض زیادتی مطلوب ہوتی تو دو رکعت نماز کی مشروع ہے ہر نماز کے لئے دو رکعت جابر ہو سکتی تھی، معادہ صلوٰۃ لترك الواجب متروک واجب کے قائم مقام ہے اور واجبات سب نمازوں کے مساوی تو ہر نماز کے لئے ایک ہی مقدار قرین قیاس تھی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ محض زیادتی مطلوب نہیں بلکہ زیادتی مع اتحاد ذات مجبور و جابر مطلوب ہے۔ مثلاً ذات صلوٰۃ ظہر کا وجود چار رکعت سے ہوتا ہے، لہذا لجزر النقصان چار رکعت مطلوب ہوئیں۔ الغرض موداة بالفعل الثانی کا مماثل بالفعل الاول فی سائر الاجزاء مطلوب ہونا دلیل ہے کہ ثانیہ مثل اولیٰ کے عقب الوقوع فرض ہے، ذات کی ذاتیات و اوصاف ذاتیہ میں سے اگر کوئی معدوم ہو جائے تو ذات ہی باقی نہیں رہتی اور اگر اوصاف عارضہ میں خلل واقع ہو جائے تو ذات باقی رہتی ہے، مگر اس وقوع خلل فی الاوصاف کا نقص ذات ہی کی طرف راجع ہوتا ہے، پھر اگر اس نقصان کو پورا کیا جاتا ہے تو یہ جبر نقصان بلا واسطہ ذات ممکن نہیں۔ یہ بھی تصریح سامنے



نہیں آئی کہ ثانیہ میں نفل کی نیت کافی ہو جائے گی۔ طحاوی علی مرقی الفلاح میں ”نفل جابر“ مذکور ہے۔ اس کے معنی بصورت تطبیق یہ ہونگے کہ جب ارکان و شروط صلوٰۃ مکمل ہو چکے تو اب ثانیاً شروع فی الفعل فرض نہیں بلکہ غیر فرض ہے (چونکہ عند البعض اعادہ واجب ہے اور عند البعض مستحب اور بعض نے فی الوقت اور بعد الوقت کی تفصیل کی اسلئے لفظ نفل ذکر فرما دیا جو دونوں کو شامل ہے) اول کے نقصان کو پورا کرتا ہے لہذا یہ ابتداء فعل کے معاقب فرض واقع ہونے کے منافی نہیں۔ مسافر پر صلوٰۃ جمعہ فرض نہیں مگر جب پڑھیں گے تو واقع فرض ہوگی۔ چنانچہ مسافر کی اقتدار بالاتفاق صحیح ہے۔ الحاصل بعض نے قبل الاعادہ کے اعتبار سے اولیٰ کو اور بعض نے بعد الاعادہ کے اعتبار سے ثانیہ کو مسقطۃ الفرضیہ سے تعبیر فرمایا، مآل سب کا واحد ہے۔ کما فی رد المحتل و بہن اظہر التوفیق بین القولین و ان الخلاف بینہما لفظی، اس وضاحت کے بعد نو وارد کی عدم شرکت کے قول کو مختار تسلیم کرنے میں تامل ہے، عدم شرکت کے قول کو غلط کہنے کی جرأت تو نہیں کی جاسکتی، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ عدم شرکت پر ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا القاری اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہما کا فتویٰ شرکت پر ہے۔ دونوں حضرات مقتدی ہیں اور ممکن ہے بلکہ ظن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رفعت درجاتہم کے سامنے بہت زیادہ قوی دلیل ہو جسکے سامنے خاکسار کی یہ تحریر بالکل ہیچ کس ہو مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل مستور ہے اور حکیم الامت مدت فیوضہم کے فتویٰ کی دلیل اور ماخذ ظاہر ہے اسلئے قول شرکت کو مختار تسلیم کرنا قریب الفہم معلوم ہوتا ہے۔ عدم شرکت کی دلیل ثانی نماز کا غیر مستقل ہونا تحریر فرمایا ہے۔ مستقل اور غیر مستقل نماز کی تقسیم کا شرعی ماخذ اور تعریف، پھر تعریف کردہ مستقل نماز پڑھنے والے کو غیر مستقل نماز پڑھنے والے کی اقتدار کے عدم جواز کا ثبوت محتاج بیان ہے حضرت محشی صاحب حیات ہیں اور دور بھی نہیں، انکی خدمت میں پیش ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد ..... عفی عنہ

۲۳ / ۱۱ / ۱۴۰۵ھ

### جواب ثانی از محشی

علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ اصل نماز اور اعادہ کردہ نماز دونوں فرض ہیں۔ لیکن



اس تحقیق میں حضرت علامہ منفرد ہیں، جیسا کہ خود انھوں نے بحث ختم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ہذا  
 نہایت ما تحرری من فتح الملک الوہاب فاعتمہ فانما من مفردات هذا الكتاب اه لیکن  
 مختار قول وہ ہے جو علامہ طحاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ والمختاران المعادة  
 لتترك الواجب نفل جابر والفرض سقط بالاولیٰ، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ نے حضرت  
 علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق فتویٰ ارقام فرمایا اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت  
 مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے طحاوی کے قول کے مطابق فتویٰ دیا۔  
 اس وقت علماء مظاہر العلوم ودارالعلوم کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کثرت کس  
 طرف ہے۔ رہی یہ بحث تو یہ ایک خاص نقطہ نظر لئے ہوئے ہے۔ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والے  
 بھی ایسی ہی بحث کرتے ہیں فایں المفروض والله اعلم بحقیقة الحال۔ مجھے بحث بار بار پڑھنے پر  
 بھی شرح صدر نہیں ہوا۔ لعلہ الله يحدث بعد ذلك امراً۔

مکتبہ ..... عقائد الشریعہ

۲۷ / ۱۱ / ۱۴۰۵ھ

## جواب الجواب از عجیب اول

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ہذا نہایت  
 ما تحرری فیہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قولوں کی تطبیق میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ منفرد ہیں نہ کہ  
 ثانیہ کو فرض قرار دینے میں منفرد ہیں۔ حضرت علامہ حلبی نے اپنی شرح کبیری میں واجبات صلوٰۃ  
 کے شروع میں فرمایا ہے ومن المشایخ من قال یلزمہ ان یعید ویكون الفرض هو الثانی  
 اور خود علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ابوالیسر کا قول نقل کیا اور ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے ثانیہ کو فرض  
 قرار دینے میں عدم سقوط الفرض بالاولیٰ بلا ترک رکن کا اشکال ظاہر فرما کر الا ان یقال المراد ان  
 ذلك امتنان الخ جواب فرمایا نیز جواب میں منقول عبارت میں واما علی القول بان الفرض  
 یسقط بالثانیۃ مصرح ہے۔ پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ کی انفرادیت کیونکر قرار دی جاسکتی ہے۔  
 تفصیلی جواب کے ملاحظہ کے بعد طحاوی کی عبارت کے یہ معنی مراد لے کر کہ ثانیہ بعد الوقوع فرض  
 نہیں بلا دلیل مختار کہنا کسی ہی کو زیبا ہے۔ طحاوی کی مذکورہ عبارت میں معادہ کی خبر نافلہ  
 جو کہ بعد الوقوع متصف بالفعل ہونے پر دال ہے ذکر نہ کرنا اور نفل مصدر کو ذکر کرنا جو صرف  
 حدوث پر دال ہے گزشتہ جواب ع میں مذکور تاویل کا مؤید ہے۔ مجرد اولیٰ کی فرضیت کی دلیل



لان الفراض لا یتکسر کے بارے میں مخطاوی شرح درمختار میں وفیہ نظر مذکور ہے۔

کثرت اس وقت راجح ہوتی ہے جبکہ جانبین کے دلائل مساوی ہوں اور ہر ایک کو جانبین کے دلائل معلوم ہوں، اس کا شاہد خلیفہ ہارون الرشید کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ چور نے مال لینے کا اقرار کر لیا۔ تمام فقہاء مجلس نے قطع ید کا حکم کیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے قطع ید سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا چوری کا اقرار ضروری ہے پھر اس نے معلوم کرنے پر چوری کا بھی اقرار کر لیا تو تمام فقہاء کا اتفاق ہو گیا کہ اب تو قطع ید ضروری ہو گیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پہلے اقرار سے ضمان واجب ہو چکا تھا، پھر چوری کے اقرار سے ضمان کو ساقط کرتا ہے لہذا اقرار مسموع نہ ہو گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل اگر ان فقہاء کو نہ پہنچتی تو سب اپنی رائے پر قائم رہتے اور یہ سب کا اتفاق صواب نہیں تھا۔ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والوں کی بحث تحریر فرمادی جاتی تو کم ہوتا، وہ اگر اقوی ہوتی تو تسلیم کر لی جاتی اور کم از کم مستقل نماز الخ کے بیان کا ثبوت مطلوب تھا اس کو تو تحریر فرما ہی دیا جاتا بخل مناسب نہیں۔

مفر کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی تلاش کی فکر کریں، ماوی کی ضرورت ہے وہ بجد اللہ میسر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد ..... عفی عنہ

۱۳ / ۱۲ / ۹۵ھ

### الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ کی اہمیت اور اس میں اکابر علماء کے اختلاف و بحث کے پیش نظر اس سے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخالق علی البحر الرائق فی باب قضاء الفوائت وخرج به ایضاً فعل مثله بعدہ لخلل غیر الفساد وعدم صحة الشروع فهو خارج عن الاقسام الثلاثة کما نبہ علیہ المحقق ابن الہمام فی التحریر لکن قال العلامة ابن امیر حاج فی شرحہ ان هذا مبني علی ما علیہ البعض والا فقول الميزان الاعادة فی عرف الشرائع اتیان بمثل الفعل الاول علی صفة الکمال بان وجب علی المکلف فعل موصوف بصفة الکمال فاداه علی



وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الاعادة وهوايتان مثل الاول ذاتاً  
مع صفة الكمال اه يفيد انه اذا فعل ثانياً في الوقت او خارج الوقت يكون اعادة  
كما قال صاحب الكشف اه ونحوه في شرح اصول فخر الاسلام للشيخ اكمل الدين  
فانه قال ولم يذكر الشيخ الاعادة وهي فعل ما فعل اولاً مع ضرب من الخلل ثانياً  
وقيل هوايتان مثل الاول على وجه الكمال لانها ان كانت واجبة بان وقع  
الاول فاسداً فهي داخلية في الاداء والقضاء وان لم تكن واجبة بان وقع الاول  
ناقصاً لا فاسداً فلا يدخل في هذا التقسيم لانه تقسيم الواجب وهي ليست بواجبة  
وبالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح فالفعل الثاني  
بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اه وهو موافق لكلام الميزان حيث لم يقيد بها  
بالوقت ومخالف له حيث صرح بعدم وجوبها وفي شرح التحريم هل تكون الاعادة  
واجبة فصرح غير واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانها ليست بواجبة وان  
بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح وان الثاني  
بمنزلة الجبر والاوجه الوجوب كما اشار اليه في الهداية وصرح به بعضهم كالشيخ  
حافظ الدين في شرح المنار وهو موافق لما عن الشيخين والى اليسر من ترك  
الاعتدال تلزمه الاعادة زاد ابو اليسر ويكون الفرض هو الثاني وعلى هذا يدخل  
في تقسيم الواجب ثم نقل عن شيخه ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة  
اذ هو المحكم في كل صلوة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابراً للاول لان الفرض  
لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الركن  
لا الواجب الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى اذ يحسب الكامل  
وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقعه اه اقول ويظهر من التوفيق  
بان المراد بالوجوب الافتراض في عبارة الشيخ اكمل الدين لانه ذكر وجوبها  
عند وقوع الاول فاسداً ولا شبهة في انها حينئذ فرض وذكر عدم الوجوب عند  
وقوع الاول ناقصاً لا فاسداً ولا شبهة في عدم افتراضها حينئذ وعلى هذا يحمل  
كلام شراح اصول فخر الاسلام فلا ينافي ذلك ما اشار اليه في الهداية وصرح به  
في شرح المنار من ان الاوجه الوجوب لان المراد به الوجوب المصطلح لا الافتراض



(البحر الرائق ص ٤٨، ٤٩ ج ٢)

وقال الشيخ زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالى والاعادة فعل مثله في وقت الخلل غير الفساد وعدم صحة الشروع وهو المراد بقولهم كل صلاة اديت مع كراهة التحريم فسبيلها الاعادة فكانت واجبة فلذا دخلت في المأمورية  
(البحر الرائق ص ٤٩ ج ٢)

وقال ملك العلماء الكاساني رحمه الله تعالى فان كان المتروك فرضا تفسد الصلوة وان كان واجبا لا تفسد ولكن تنتقص وتدخل في حد الكراهة -  
(بدائع الصنائع ص ١٦٤ ج ١)

وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى في الشرح الكبير ومن المشايخ من قال يلزمه ان يعيد ويكون الفرض هو الثاني والمختاران الفرض هو الاول والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة اذ هو الحكم في كل صلوة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابرا للاول لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الفرض لا الواجب انتهى (الشرح الكبير ص ٢٨)

وقال في العلائق وكذا كل صلوة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار انها جابرة للاول لان الفرض لا يتكرر قال في الحاشية (قوله والمختاران) اي الفعل الثاني جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح كذا في شرح الاكمل على اصول البزدوى ومقابله ما نقلوه عن ابى اليسر من ان الفرض هو الثاني واختار ابن الهمام الاول قال لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول اذ هو لازم ترك الركن لا الواجب الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى اذ يحسب الكامل وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقعها يعنى ان القول بكون الفرض هو الثاني يلزم عليه تكرار الفرض لان كون الفرض هو الثاني دون الاول يلزم منه عدم سقوطه بالاول وليس كذلك لان عدم سقوطه بالاول انما يكون بترك فرض لا بترك واجب وحيث استكمل الاول فرائضه لا شك في



كونه مجزئاً في الحكم وسقوط الفرض به وان كان ناقصاً بترك الواجب فاذا كان الثاني فرضاً يلزم منه تكرار الفرض الا ان يقال الخ فافهم (رد المحتار ص ١٣٢)

وفي الدد المختار في باب قضاء الفوائت والاعادة فعل مثله في وقتة للخلل غير الفساد لقولهم كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تعاد اى وجوباً في الوقت واما بعده فندياً، قال ابن عابدين رحمہ اللہ تعالى تحت (قوله في وقتة) ثم اعلم ما ذكرهنا في تعريف الاعادة هو ما مشى عليه في التحريم وذكر شارحه ان التقيد بالوقت قول البعض والا ففى الميزان الاعادة في عرف الشرع اتيان يمثل الفعل الاول على صفة الكمال بان وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فاداه على وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال اه (ثم قال بعد اسطر) وان كان على وجه الكراهة على الاصح فالفعل الثاني بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اه ثم قال تحت (قوله اى وجوباً في الوقت) وقال في شرح التحرير وهل تكون الاعادة واجبة فصرح غير واحد من شرح اصول فخر الاسلام بانها ليست بواجبة وانه بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح وان الثاني بمنزلة الجبر والا وجه الوجوب كما اشار اليه في الهداية وصرح به النفسى في شرح المنار وهو موافق لما عن السرخسى والى اليسر من ترك الاعتدال تلزماً لاعادة وزاد ابواليسر ويكون الفرض هو الثاني وقال شيخنا المصنف يعنى ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة اذ هو الحكم في كل صلاة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابراً للاول لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضى عدم سقوطه بالاول وفيه انه لازم ترك الركن لا الواجب الا ان يقال الخ (ثم قال) ومن هذا يظهر اننا اذا قلنا الفرض هو الاول فالاعادة قسم آخر غير الاداء والقضاء وان قلنا الثاني ففى احدهما اقول فتلخص من هذا كله ان الارجح وجوب الاعادة (الى ان قال) وقد نقلنا لخير الرملى في حاشية البحر عن خط العلامة المقدسى ان ما ذكره في البحر يجب ان يعتمد عليه لاطلاق قولهم كل صلاة اديت مع الكراهة سبيلها الاعادة اه قلت اى لانه يشمل وجوبها في الوقت وبعد اه اى بناء على ان الاعادة لا تختص



بالوقت وظاہر ما قد مناه عن شرح التحریر ترجیحہ وقد علمت ایضاً ترجیح  
القول بالوجوب فیكون المرجح وجوب الاعادة فی الوقت وبعده وبیشیر  
الیہ ما قد مناه عن المیزان من قوله يجب علیہ الاعادة وهواتیان مثل الاول  
ذاتاً مع صفة الكمال ای کمال ما نقصه منها وذلك یعم وجوب الاتیان بها  
کاملة فی الوقت وبعده كما مر، وقال ایضاً تحت (تنبیہ) ویؤخذ من لفظ  
الاعادة ومن تعریفها بما مرانہ ینوی بالثانية الفرض لان ما فعل اولاً هو  
الفرض فاعادته فعله ثانياً اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانية فظاہر  
واما علی القول الآخر فلان المقصود من تکرارها ثانياً جبر نقصان الاولی  
فالاولی فرض ناقص والثانية فرض کامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادة وصف الكمال  
ولو كانت الثانية نقلاً لزم ان تجب القراءة فی رکعاتها الاربع وان لا تشرع  
الجماعة فیها ولم یدکر وہ ولا یلزم من كونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالاولی  
لان المراد انها تكون فرضاً بعد الركوع اما قبله فالفرض هو الاولی وحاصله  
توقف المحکم بفرضية الاولی علی عدم الاعادة وله نظائر کسلام من علیہ سجود  
السهمو یخرجه خروجاً موقوفاً وکفساد الوقتیہ مع تذکر فائتة کما سیأتی وکتوقف  
المحکم بفرضية المغرب فی طریق المزدلفة علی عدم اعادتها قبل الفجر وهذا  
ظهر التوفیق بین القولین وان الخلاف بینہما لفظی لان القائل ایضاً بان الفرض  
هو الثانية اراد به بعد الوقوع والالزم المحکم بطلان الاولی بترك ما لیس برکن ولا شرط  
كما مر عن الفتح ولزم ایضاً انه یلزم الترتیب فی الثانية لو تذکر فائتة والثانی  
علی الظن انه لا یقول بذلك احد ونظیر ذلك القراءة فی الصلوة فان الفرض  
منها ایة والثلاث واجبة والزائد سنة وما ذاک الا بالنظر الی ما قبل الوقوع بدلیل  
انه لو قرأ القرآن کله یقع الكل فرضاً وکذا الوأطال القيام والركوع والسجود  
وهذا نهاية ما تحرری من فتح الملک الوهاب فاغتمه فانه من مفردات هذا  
الکتاب واللہ تعالی اعلم بالصواب (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی منقولہ عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ  
مختار قول یہ ہے کہ صلوٰۃ معادہ قبل الايقاع واجب ہے اور بعد الايقاع فرض ہے۔



اعرابی تارک اعتدال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فصلت فانك لم تصلّ بھی اس پر دلیل ہے کہ صلوٰۃ معادہ فرض ہے۔ آپنے صلوٰۃ اولیٰ کو غیر معتبر قرار دیکر صلوٰۃ ثانیہ کا امر فرمایا، اور اسے معتبر قرار دیا۔ قول مذکور کی ترجیح کے علاوہ اسے صورت تطبیق بھی قرار دیا جاسکتا ہے غیر واجب، واجب اور فرض کے اقوال میں تطبیق عبارات بالا میں گزر چکی ہے۔ باقی رہا قول نفل سو اس میں نفل بمعنی واجب لیا جاسکتا ہے چنانچہ وتر کو باب نوافل میں ذکر کیا جاتا ہے اور کراہت عمت فی غیر رمضان و وجوب القراءة فی جمیع الركعات وغیرہ احکام میں بھی حکم نوافل ہے خصوصاً واجب بايجاب العید پر نفل کا اطلاق عام ہے كالصلوة المنذورة و ركعت الطواف، چونکہ صلوٰۃ معادہ کا وجوب بھی بفعل العید ہے اسلئے اس واجب کو اصطلاح میں نفل ہی سے تعبیر کیا جائیگا، غرضیکہ صورت ترجیح و تطبیق دونوں کا مقتضی یہ ہے کہ صلوٰۃ اولیٰ فرض ناقص ہے اور صلوٰۃ معادہ بھی فرض مثل اولیٰ مع زیادة صفة الکمال ہے، اسلئے نوادر کی اقتدار صحیح ہوگی۔

”الفرض لا یتکرر“ کا جواب یہ ہے کہ فرض کامل کا تکرار جائز نہیں لانہ یراد بالمطلق

الفرد الکامل

**تنقید :**

محبیب اول نے جو قبل الاعادہ پڑھی ہوئی نماز کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ ”اور جب اعادہ ہو گیا تو یہ فرض محول الی النفل ہو گئے“ اس میں تأمل ہے۔ اسلئے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ صلوٰۃ معادہ مثل اولیٰ ہے مع صفة زیادة الکمال، پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اعادہ کے بعد صلوٰۃ اولیٰ نفل ہو جائیگی تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ صلوٰۃ معادہ جو مثل اولیٰ ہے وہ بھی نفل ہو، محیب نے جو مثال پیش کی ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو تو فرضیت کا بطلان ہو کر عند الامام دابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت باقی رہ جاتی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جمعہ کے روز ظہر کا حکم عند العجز او التخلف ہے۔ جب جمعہ پڑھ لیا تو عجز و تخلف کا تحقق ہی نہیں ہوا اسلئے صلوٰۃ جمعہ ہی کی صحت کا حکم ہوا اور جو نماز ظہر کی نیت سے پڑھی تھی وہ نفل ہو گئی۔ نیز یہاں دو الگ الگ نمازیں ہیں اور صلوٰۃ معادہ میں ایک ہی نماز کا اعادہ ہوتا ہے لہذا قیاس مع الفارق ہے۔ محیب نے آگے چلکر خود مؤداة بالفعل الاول والثانی کو متحد بالذات قرار دیا ہے اور صلوٰۃ اولیٰ کو نفل قرار دینے سے اول و ثانی میں اتحاد بالذات نہیں رہتا۔ فافہم وتدبر

محبیب ثانی کا صلوٰۃ اولیٰ اور صلوٰۃ معادہ دونوں کی فرضیت کے قول میں علامہ شامی



رحمہ اللہ تعالیٰ کو منفرد قرار دیتا اور اس پر علامہ شامی کے قول ہذا امانت خوری الخ سے استدلال صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ پوری تحقیق سے متعلق نہیں بلکہ آخر بحث میں جو صورت تطبیق بیان فرمائی ہے اس سے متعلق ہے۔ چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار اور منحة الخالق میں اور علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیری میں فرضیت ثانیہ سے متعلق کئی حضرات کے اقوال نقل فرمائے ہیں اسلئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علامہ شامی خود ایک چیز کو متعدد لوگوں کی طرف سے حکایت ذکر فرمائیں اور پھر یہ فرمائیں کہ یہ میرے تفردات میں سے ہے۔

### حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقات فقہیہ میں آپ کے تجسس و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے۔ مسئلہ زیر بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال : بعد از خروج وقت جبر نقصان مستحب است یا واجب ؟

جواب : ہر دو روایت است والا صحیح الوجوب کما فی مسائل شتی من شرح المنیۃ۔

سوال : در جبر نقصان نماز مغرب و وتر اگر سہواً بر سر رکعت نہ نشست چہ کند، سہو و ہد یا

جبر بازگرداند ؟

جواب : بازگرداند، (بیاض ہاشمی قلمی جلد اول باب قضا الفوائت ص ۱۳)

خلاصہ

صلوۃ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح و اوسع ہے اور قول عدم صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے یہ علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ، لہذا ایسی صورتیں قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے۔ البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالا حوط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۴ محرم سنہ ۱۴۰۶ ہجری



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

# المشكوة مسألة المحاذاة

اگر نماز باجماعت میں عورت مرد کے ساتھ یا اس سے آگے  
کھڑی ہو جائے اور امام نے عورت کے نیت کے ہو تو مرد کو  
نماز نہیں ہوتی، مگر حرمین شریفین میں بوقت جماعت بعض  
عورتیں مردوں کے صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں، نیز  
مردوں کے صفوں سے آگے صف بنا لیتی ہیں، اس صورت  
میں مردوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نماز باجماعت کیسے ادا کریں  
اس ابتداء عام کے پیش نظر اس سے متعلق سوال کے جواب  
میں خصوصی توجہ و تحقیق اور مردوں کے نماز کو فساد سے  
بچانے کے تدبیر پر غور کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور بحمد اللہ تعالیٰ  
اس کا حل مل گیا، جو رسالہ زیر نظر میں درج ہے !





## حرمین شریفین میں عورتوں کی محاذاة کا حل

سوال : حرمین شریفین میں عام طور پر عورتیں مردوں کی صف میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

- ① اگر امام نے امامیہ نسار کی نیت نہیں کی تو کسی عورت کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ مردوں کی صف میں شامل ہو یا مردوں سے الگ عورتوں کے لئے مخصوص جگہ میں ہو۔
- ② اگر امام نے امامیہ نسار کی نیت کی ہو تو اس عورت کے محاذی دونوں جانب اور اس کے پیچھے بالکل سیدھ میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز فاسد ہوگی۔

③ اگر عورتیں تین سے زیادہ ایک صف میں کھڑی ہو گئیں تو ان کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں بھی ہونگی کسی کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ صفیں اسی جہت میں ہوں یا خانہ کعبہ کی دوسری جہات میں ہوں، نیز یہ اشکال صرف اس صورت میں نہیں کہ تین سے زائد عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوں بلکہ جو عورتیں الگ مخصوص مکان میں کھڑی ہوتی ہیں ان کے پیچھے بھی مسجد سے باہر مردوں کی صفیں بن جاتی ہیں ان سب کی نماز بھی صحیح نہ ہونا چاہیے۔

ان جملہ اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، مسئلہ کی اہمیت، ابتداء عام اور حرمین شریفین کی مقدس نمازوں کی حفاظت کے پیش نظر پوری تحقیق اور مسئلہ کی ہر پہلو سے وضاحت فرما کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمائیں۔ والہ اعز عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً متعلقہ عبارات تحریر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام لکھے جائیں گے۔

- ① قال فی التئیر و اذا حاذتہ (ولو بعضو واحد و خصہ الزیلعی بالساق و الکعب، الشرح) امرأة مشتمة و لاحائل بینہما (اقلہ قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة تسع رجلاً، الشرح) فی صلاة مطلقة مشتركة تحریمة و اداء و اتحدت الجهة فسدت صلاته ان نوى (الامام وقت شروعه لا بعدہ، الشرح) امامتها و الا فسدت صلاتها (رد المحتار ص ۵۳۸)
- ② قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله و خصہ الزیلعی الخ) حیث قال المعتبر فی المحاذاة الساق و الکعب فی الاصح و بعضهم اعتبروا القدم اه فعلى قول البعض لو



تأخرت عن الرجل ببعض القدم تفسد وان كان ساقها وكعبها متأخراً عن ساقه وكعبه وعلى الاصح لا تفسد وان كان بعض قدمها مخافياً لبعض قدمه بان كان اصابع قدمها عند كعبه مثلاً تأمل هذا ومقتضى قوله وخصه الزيلعي ان قوله ولو بعض واحد خارج عما ذكره الزيلعي فيكون قولاً ثالثاً في المسألة كما فهمه في البحر وظاهر كلام الزيلعي انه ليس في المسألة قول ثالث والا لذكره بل المراد بالعضو من المرأة قدمها ومن الرجل اي عضو كان على ما صرح به في النهاية ونصه وشرطنا المحاذاة مطلقاً لتناول كل الاعضاء وبعضها فانه ذكر في الخلاصة محالاً على فوائد القاضى ابي على النشقى رحمه الله تعالى المحاذاة ان يحاذى عضو منها عضواً من الرجل حتى لو كانت المرأة على الظلة ورجل يحاذيها اسفل منها ان كان يحاذى الرجل شيئاً منها تفسد صلاته وانما عين هذه الصورة لتكون قدم المرأة محاذية للرجل لان المراد بقوله ان يحاذى عضو منها هو قدم المرأة لا غير فان محاذاة غير قدمها لشيء من الرجل لا يوجب فساد صلاته نص على هذا في فتاوى الامام قاضيان في اواسط فصل من يصم الاقتداء به ومن لا يصم وقال المرأة اذا وصلت مع زوجها في البيت ان كان قد معها بجذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وان كان قد معها خلفه قدم الزوج الا انها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج جائزت صلاتهما لان العبرة للقدم الا ترى ان صيد الحرم اذا كان رجلاً خارج الحرم ورأسه في الحرم يحل اخذه وان كان على العكس لا يحل انتهى كلام النهاية ونقله في المعراج واقره وفي القمهستانى المحاذاة ان تساوى قدم المرأة شيئاً من اعضاء الرجل فالقدم مأخوذة في مفهومه على ما نقل عن المطرزي فمساواة غير قدمها لعضوه غير مفسدة اه فقد ثبت بما ذكرناه وجود المحاذاة بالقدم في مسألة الظلة المذكورة خلافاً لما زعمه في البحر وانه لا فرق بين التعبير بالعضو وبالقدم خلافاً لما زعمه في البحر ايضاً وانه لو اقتدت به متأخراً عنه بقدمها صححت صلاتها وان لم يمتدح منه محاذاة بعض اعضائها القدم او غيره في حالة الركوع والسجود لان المانع ليس محاذاة اي عضو منها لاي عضو منه ولا محاذاة قدمه لاي عضو منها بل المانع محاذاة قدمها فقط لاي عضو منه (رد المحتار ٥٣٥ ج ١)

(٣) قال في الشامية تحت (قوله او فرجة تسع رجلاً) قال في السراج ولو قامت



وسط الصف تفسد صلوة واحد عن يمينها وواحد عن يسارها وواحد خلفها بازاها دون الباقيين فقد شرط ان يكون من خلفها محاذياً لها للاحتراز عن وجود الفرجة وكذا صرح به الزيلعي والحاكم الشهيد اه ملخصاً وقد مناهوه قريباً عن النهر، وافاد في النهر ايضاً ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصاً بتقدم المرأة الواحدة بل الصف من النساء كذلك اي فحيث لم يحاذهن صفوف الرجال فلا فساد، والحاصل ان المراد من افساد صلاة من خلفها ان يكون محاذياً لها من خلفها اي بان يكون مسامتاً لها غير منحرف عنها يميناً او يسرةً قدر مقام الرجل لا مطلق كونه خلفها، (رد المحتار ص ٥٣٦ ج ١)

(٣) قال الراعي رحمه الله تعالى (قوله مراد البحر من تعيين الحمل على لمحاذاة ما ذكرنا) على ان مراد صاحب البحر ما ذكره ابن عابدين لا يندفع به الاشكال بخلافه على ما ذكره المحقق والخاسم لمادة الاشكال ان يقال ان التقدم مفسد آخر ولومع وجود فرجة ويمنع صحة اقتداء الرجل كالنهر الفاصل والطريق فكما انهم لم يجعلوا الفرجة معتبرة في مسألة النهر مثلاً فكذلك في مسألة تقدم المرأة اه (التحريم المختار ص ٢٤٦ ج ١)

(٥) قال في الشامية تحت (قوله فسدت صلاتها) وظاهر عود الضمير في صلاتها على المرأة المحاذية اي لامام او لمقتدٍ انها لو اقتدت بغير محاذية لاحد صحت اقتدائها وان لم ينوها الا اذا نفى امامة النساء كما في القهستاني وحينئذ فلا يشترط لصحة اقتداء المرأة نية الامام امامتها الا اذا كانت محاذيةً والا فلا يشترط قدم المصنف في بحث النية ان فيه اختلافاً وقد مناهناك عن الحلية انه يشترط ان لا تتقدم بعد فتحاذي احداً من امام او مأموم فان تقدمت وحازت لا يبقى اقتدائها ولا تتم صلاتها اه وذكر في النهاية هنا ايضاً ان هذا قول ابي حنيفة الاول وظاهرة ان قوله الاخير اشتراط النية مطلقاً والعمل على المتأخر كما لا يخفى ولهذا اطلق في متن المختار قوله ولا تدخل المرأة في صلوة الرجال الا ان ينوها الامام ومثله في متن المجموع (رد المحتار ص ٥٣٩ ج ١)

(٦) قال في العلائية والايينوها فسدت صلاتها كما لو اشار اليها بالتأخير فلم تتأخر لتركها فرض المقام وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله كما لو اشار) كذا في الاصل ولعل الصحيح ان مراد صاحب البحر على ان ١٢ رشيد احمد



اليها بالتأخير الخ قال في الفتح وفي الذخيرة والسحيط اذا حاذته بعد ما شرع ونوى امامتها فلا يمكن التأخير بالتقدم خطوة او خطوتين للكرهية في ذلك فتأخيرها بالاشارة وما اشبه ذلك فاذا فعل فقد اُخِّر فيلزمها التأخر فان لم تفعل فقد تركت حينئذ فرض المقام فتفسد صلاحها دونها اه واستفيد من قوله بعد ما شرع انها لو حضرت قبل شروعه ونوى امامتها محاذياً لها وقد اشار اليها بالتأخر تفسد صلاحها فالاشارة بالتأخر انما تنفع اذا حضرت بعد الشروع ناوياً امامتها قال ط والظاهر ان الامام ليس بقيد اه اي فلو حازت المقتدى بعد الشروع واشار اليها بالتأخر ولو تأخر فسدت صلاحها دونها (رد المحتار ص ٥٣٩ ج ١)

(٤) قال في العلائقة ويمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل قد رذراع او ارتفاعهن قد رقامة الرجل مفتاح السعادة وفي الشامية (قوله صف من النساء) المراد به ما زاد على ثلاثة نسوة فانه يمتنع اقتداء جميع من خلفه والافيه تفصيل بدليل ما قد منا حاصله عن البحر وهو ما اتفقوا على نقله عن اصحابنا من ان المرأة الواحدة تفسد صلاة رجلين من جانبيها ورجل خلفها واثنين صلوة اثنين من جانبيهما واثنين خلفهما والثلاثة صلوة اثنين من جانبيهن وصلوة ثلاثة من خلفهن الى اخر الصفوف ولو كان صف من النساء بين الرجال والامام لا يصح اقتداء الرجال بالامام ويجعل حائلاً وايضاً فيها تحت (قوله بلا حائل) وحاصلها انه اذا كان صف النساء امام صف الرجال يمتنع الا اذا كان احد الصفين على حائط مرتفع قد رقامة او كان بينهما حائل مقدار مؤخر رجل البعير او خشبة منصوبة او حائط قد رذراع وهذا مخالف لما في الحائية والبحر وغيرهما وهو قوم صلوا على ظهر ظلة في المسجد ونحن ائهم من تحتهم نساء اجزائهم صلاتهم لعدم اتحاد المكان بخلاف ما اذا كان قد امهم نساء فانها فاسدة لانه تخلل بينهم وبين الامام صف من النساء وهو مانع من الاقتداء اه وفي الولوالجية قوم صلوا على ظهر ظلة المسجد وتحتهم قد امهم نساء لا تجزيهم صلاتهم لانه تخلل صف من النساء فمتنع اقتداءهم وكذا الطريق اه فهذا باطلا صريح بان الارتفاع غير معتبر في صف النساء وفي المعراج عن المبسوط فان كان صف تام من النساء ووراكن صفوف الرجال فسدت تلك الصفوف كلها استحساناً



والقياس ان لا تفسد الاصلوة صف واحد ولكن استحسن لحديث عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعاً وموقوفاً عليه من كان بينه وبين الامام نهر او طريق او صف من النساء فلا صلوة له اهـ فهذا صريح في ان الحائل غير معتبر في صف النساء والا لفسدت صلوة الصف الاول من الرجال فقط لكونه صار حائلاً بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس فظهر ان ما ذكره الشارح من اعتبار الحائل او الارتفاع انما هو فيما دون الصف التام من النساء كالواحدة واثنين هـ اما الصف فهو خارج عن القياس اتباعاً للاثر هذا ما ظهر فتدبر والله اعلم

(رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

⑧ قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فانه يمتنع اقتداء جميع من خلفه الخ) تقدم عن النهر ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصاً بتقدم المرأة الواحدة بل لصف من النساء كذلك اي فحيث لم يحاذهن صفوف الرجال فلا فساد اهـ (التحريم المختار ص ۲۱)

⑨ قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فهذا صريح في ان الحائل غير معتبر الخ) هو صريح في ان الصف الاول من الرجال لا يعد حائلاً ولا يمكن ان يقال غيره من الحوائل مثله لنقل اهل المذهب ان الحائل يمنع الفساد كعبارة مفتاح السعادة وما نقله ط عن ابى السعود في اول مسألة المحاذاة بقوله ولو كان وراءهن حائط خلفه صفوف لا تفسد صلاتهم على الاصح ولو كان وراءهن صف من الرجال ثم الحائط ثم الصفوف فسدت صلاة الكل اهـ وحينئذ يقيد اطلاق ما في الخانية و غيرها بما في مفتاح السعادة (التحريم المختار ص ۱ ج ۱)

⑩ قال عبد الرحمن الجزيري الحنابلة - قالوا يشترط ان ينوي الامام الامامة في كل صلوة وتكون نية الامامة في اول الصلوة الخ (الفقه على المذاهب الاربعة ص ۲۱۷ ج ۱) عبارات بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو تو

① اگر ایک یا دو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں تو ان عورتوں کی نماز ہو جائے گی مگر ان کی دونوں جانب متصل اور ان کے پیچھے سیدھ میں صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہ ہوگی (العبدۃ الثالثة والسابعة)



البتہ اگر عورت اور مرد کے درمیان ایک شخص کے کھڑے ہونے کی جگہ خالی ہو یا ایک ہاتھ لمبا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کھڑا کر لیا جائے یا تصحیح نہ یعنی کے مطابق عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ، اور نہایہ، خلاصہ، نسفی، خانہ، سراج، قسمستانی اور مطرزی وغیرہ کے اختیار کے مطابق عورت کا پورا پاؤں مرد کے پاؤں سے پیچھے ہو تو مرد کی نماز ہو جائے گی۔ شامی رحمہ اللہ کی تحریر سے دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے (العبادة الاولى والثانية)

اگر مرد کے پاؤں عورت کے پاؤں سے بلند ہوں تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، البتہ عبارت ثانیہ میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس صورت میں بھی مرد کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

صحت صلوٰۃ رجل کی مذکورہ بالا سب صورتیں اس مرد کے لئے ہیں جو عورت کی دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو، عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کے لئے بھی کوئی سترہ وغیرہ مفید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تصریح کہیں نہیں ملی، بظاہر اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کی نماز صحیح نہ ہو سکی علت محاذاة ہے یا کہ عورت کا تقدم؟

اگر محاذاة کو علت قرار دیا جائے تو عورت کی جانبین میں کھڑے ہونے والے مرد کی طرح یہاں بھی ایک ہاتھ اونچا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کافی ہو جانا چاہیے۔ مگر قول محاذاة پر کئی اشکالات ہیں۔ ولذا قال المحقق والحاسم لمادة الاشكال ان يقال ان التقدم مفسد اخر الخ (العبادة الرابعة)

نیز محاذاة کے عرفی معنی کی مطابق بھی قول محاذاة صحیح معلوم نہیں ہوتا، لہذا یہاں عدم صحت کی علت محاذاة نہیں بلکہ عورت کا تقدم ہے اسلئے صرف ایک انگل موٹا سترہ کافی نہ ہوگا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی صف کے پیچھے حائل ہونے کی صورتیں اختلاف کی جو تفصیل ۴ میں آرہی ہے کیا یہاں ایک یا دو عورتوں کے تقدم کی صورت میں بھی وہی اختلاف ہوگا؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تقدم صف نسائ کی بنسبت ایک یا دو عورتوں کا تقدم اہون ہے۔ چنانچہ تقدم صف نسائ آخر صفوف تک مؤثر ہے اور ایک یا دو عورتوں کا تقدم صرف ایک صف تک، اسلئے ۴ میں مذکور تفصیل کے مطابق حائل یا بلندی کی موجودگی میں بالاتفاق صحت نماز کا حکم ہونا چاہیے شامی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے (العبادة السابعة)



(۲) مرد نے نماز شروع کر دی اس کے بعد کوئی عورت اسکی محاذات میں کھڑی ہو گئی اور مرد نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا مگر وہ نہ ہٹی تو مرد کی نماز ہو جائے گی عورت کی نہیں ہوگی۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے قبل مرد نے عورت کو پیچھے ہٹنے کو کہا اور وہ نہ ہٹی اس کے باوجود مرد نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی تو مرد کی نماز نہیں ہوئی عورت کی ہو گئی۔

(العبادة السادسة)

(۳) اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے سیدھ میں آخر صفوف تک کھڑے ہونے والے مردوں میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ (العبادة السابعة)

عبارت سابعہ میں شامی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق تحریر ہے کہ چار عورتوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی پوری صفوف کی نماز نہ ہوگی، یعنی ان مردوں کی نماز بھی نہیں ہوگی جو عورتوں کی سیدھ میں نہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ تین اور تین سے زائد عورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں، جس طرح تین عورتوں کی صف صرف ان مردوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو ان کے پیچھے انکی سیدھ میں ہیں اسی طرح چار یا اس سے بھی زیادہ عورتوں کی صف بھی صرف انکے پیچھے انکی سیدھ میں کھڑے ہونے والوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو مرد انکی سیدھ میں نہیں انکی نماز ہو جائیگی

(العبادة الثامنة والثمانون)

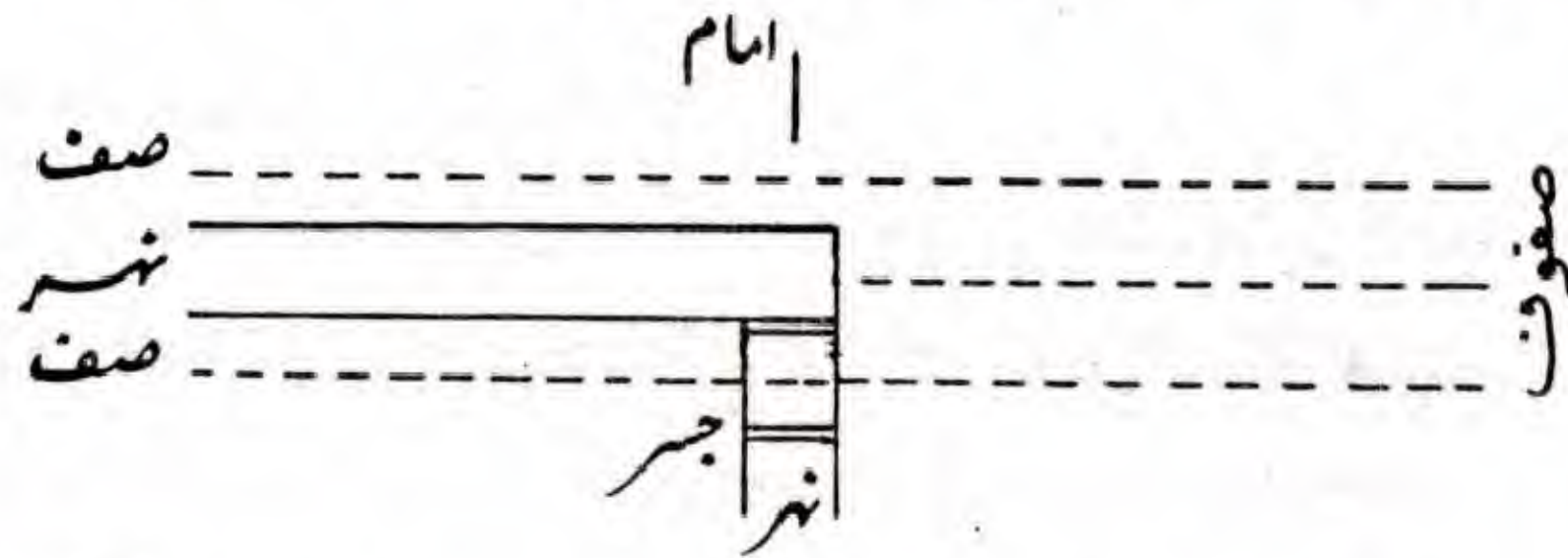
شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بحر کی عبارت سے اشتباہ ہوا ہے۔ بحر میں تین عورتوں کی محاذ کا حکم بیان کرنے کے بعد یہ عبارت ہے ولو كان صف من النساء بين الرجال والامام لا يصح اقتداء الرجال بالامام ويجعل حائلا، تین عورتوں کے حکم کے بعد صف نساء ذکر کرنے سے یہ اشتباہ ہوا کہ یہاں تین سے زیادہ عورتیں مراد ہیں اور لا يصح اقتداء الرجال کے اطلاق سے یہ سمجھے کہ جو مرد عورتوں کی سیدھ میں نہیں انکی اقتدا بھی صحیح نہیں۔

حالانکہ بحر کی عبارت کا یہ مطلب نہیں، حقیقت یہ ہے کہ بحر میں پہلے مرد کی صف میں شامل ہونے والی عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اس کے بعد ولو كان صف من النساء سے عورتوں کی مستقل صف کا حکم بتانا چاہتے ہیں خواہ یہ صف تین عورتوں کی ہو یا زیادہ کی، چونکہ عام طور پر سب صفوف طول میں برابر ہوتی ہیں اسلئے بظاہر مستقل صف



اور انکے پیچھے مردوں کی صف بھی آپس میں برابر ہونگی، اس بنا پر مردوں کی صف کے حکم میں تفصیل نہیں تحریر فرمائی، خصوصاً جبکہ تین عورتوں کے پیچھے کی صف میں تفصیل لکھی جا چکی ہے اسلئے دوبارہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، جب تین عورتوں کو بھی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صف قرار دیا ہے تو پھر تین اور چار میں فرق کیا ہے؟

غرضیکہ تین اور چار عورتوں میں فرق نہ معقول ہے اور نہ منقول اور نہ ہی عبارت بجز سے مفہوم، اسکے برعکس عدم الفرق معقول بھی ہے اور منقول بھی کما صریحاً العبارة الثالثة والثامنة، علاوہ ازیں عورتوں کی صف کو طریق و نہر کے حکم میں بتایا گیا ہے اور یہ دونوں صف کے صف اس حصہ کی اقتدار کے لئے مانع ہیں جو انکے پیچھے ہو دوسرے حصہ کے لئے مانع نہیں، مثلاً



عورتوں کی صف کو بحکم طریق و نہر قرار دینے کے بعد ایک اور بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ عورتوں کی صف کے پیچھے انکی سیدھ میں صف اول کے مردوں کی نماز تو بعلت تقدم المرأة یا بعلت محاذاة صحیح نہوگی کما صریحاً المرأة القائمة في صف الرجال، مگر دوسری اور تیسری صف کے لئے صحت اقتدار سے مانع تقدم صف نسار ہے جو بحکم طریق و نہر ہے۔ لہذا جب دوسری اور تیسری صف عورتوں کی سیدھ سے دائیں یا بائیں جانب بڑھی ہوئی ہو اور صف کے اس بڑھے ہوئے حصہ سے لیکر امام تک صفوں میں حقیقۃً یا حکماً اتصال موجود ہو یعنی اقتدار سے کوئی مانع نہو جیسا کہ اوپر کے نقشہ میں ہے تو اس پوری صف کی نماز صحیح ہو جانا چاہیے، فلیحذر۔

(۴) عورتوں کی صف کے پیچھے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اونچا کوئی حائل ہوا سکے پیچھے مردوں کی صف ہو یا مردوں کی صف عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو، ان دونوں صورتوں میں مردوں کی اقتدار کی صحت سے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف ہیں، مفتاح السعاد اور درنختار میں قول صحت تحریر ہے۔ اور خانیہ، بحر، ولوالجیہ وغیرہ میں صراحتاً اور معراج و مبسوط میں دلالت عدم صحت، اور طحاوی نے ابوالسعود سے قول صحت کی صحت نقل کی ہے جو نقل القولین کو



متضمن ہے۔ شامی رحمہ اللہ نے قول عدم صحت اختیار کر کے مفتاح السعادة اور درمختار کی عبارت کی تفسیر کی ہے اور رافعی رحمہ اللہ نے قول صحت اختیار کر کے خانیہ وغیرہ کی عبارت کو مقبیہ قرار دیا ہے۔ (العبدۃ السابعة والتاسعة)

غرضیکہ شامی اور رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مختلف عبارات میں تطبیق کی کوشش کرنے کے باوجود آپس میں مختلف ہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ میں غور کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں قول مستقل ہیں۔ شامی و رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے خیال کے مطابق دونوں اقوال میں سے کسی میں تفسیر کی گنجائش نظر نہیں آتی، علاوہ ازیں طحاوی کا ابوالسعود سے دونوں اقوال نقل کرنا اوپر گزر چکا ہے۔ لہذا دونوں اقوال میں تطبیق کی بجائے ترجیح کی ضرورت ہے۔

غور و فکر کے بعد عدم صحت کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ یہ قول اکثر ہے، علاوہ ازیں قیاس علی الطرق والنہر کا بھی یہی مقتضی ہے، اگرچہ ابوالسعود نے قول صحت کو صیح کہا ہے، واللہ اعلم۔ قول صحت میں شرط یہ ہے کہ حامل عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی پہلی صف کے آگے ہو۔ اگر مردوں کی پہلی صف کے سامنے کوئی حامل نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صف کے سامنے ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی (العبدۃ التاسعة)

مردوں کی صف عورتوں کے سر سے بلند ہو تو اس میں شرط مذکور کی صراحت نہیں بظاہر حامل اور بلندی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا لہذا اس میں بھی وہی شرط ہوگی کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول بلندی پر ہو اگر صف اول نیچے ہے اور اسکے پیچھے کی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوئی۔

## اگر امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے

⑤ جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب میں اور پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی، عورت خواہ ایک ہو یا زیادہ عورتوں کی صف ہو۔ (العبدۃ الاولى والسادسة)

اگر دو سے زیادہ عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں اور ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں کوئی مرد نہیں تو دونوں جانب سے محاذاتہ کی وجہ سے دو عورتوں کی نماز بالاتفاق نہیں ہوگی بیچ والی عورتوں کا حکم صراحتہً نظر سے نہیں گزرا، قاعدہ کے مطابق انہی نماز کی صحت میں بھی



وہی اختلاف ہوگا جو ۶ میں آرہا ہے۔

(۶) جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں انکی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ آخری قول یہ ہے کہ انکی نماز نہیں ہوتی، یہی قول راجح اور مفتی بہ ہے (العبادة الخامسة)

امام کے لئے امامت نسار کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ آپ کا آخری اور راجح قول یہ ہے کہ امامت نسار کی نیت ضروری ہے اگر امام نے عورتوں کی نیت نہ کی تو انکی نماز نہوگی، دوسرے ائمہ کے ہاں امامت نسار کی نیت شرط نہیں، عبارت عاشرہ میں حنابلہ کے ہاں مطلقاً نیت امامت کو ضروری قرار دیا ہے اس سے بالخصوص نیت امامت نسار کی شرطیت ثابت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے۔ مزید تثبت کے لئے بندہ نے اس بارے میں شیخ عبدالعزیز ابن باز سے استفتاء کیا انھوں نے جواب میں صراحتاً تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں نیت امامت نسار ضروری نہیں۔ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء کا فتویٰ بلفظ مادیج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

المملكة العربية السعودية

ریاستہ ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد

فتویٰ رقم ۱۴۶۰ و تاریخ ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۷ھ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده وبعد

فقد اطلعت اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء على ما ورد الى سماحة الرئيس العام من المستفتی رشيد الحمد والمحال الى اللجنة من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والسؤال : ان النساء اذا صليين في جماعة الرجال فهل تشترط لصحة اقتداءهن نية الامام امامتهن بالخصوص ام تكفي نية الامامة مطلقاً من غير تفصيل بين الرجال والنساء وتلزم على الامام نية الامامة مطلقاً،

وبعد دراسة السؤال اجابت بما يلي :

نية الامام للامامة كافية للرجال والنساء الذين يصلون خلفه ولا داعي لافراد



النساء بغية تخصهن لعدم الدليل الذي يدل على ذلك وقد كن يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينقل انه خصهن بنيته ،

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

الرئيس

نائب رئيس اللجنة

عضو

عبد الله بن عبد الرحمن الفديان عبد الرزاق عفيفي عبد العزيز بن عبد الله بن باز

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے، انکے مذہب میں نیت ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے بلکہ بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی رعایت سے متعلق کسی درخواست کی انکے ہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی لہذا امامت نسا کی نیت نہ کرنے کی صورت میں جو احکام اوپر بیان کئے گئے ہیں حرمین شریفین میں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

## خلاصہ تحقیق

### اگر امام عورتوں کی نیت نہ کرے

حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے اسلئے جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں انکی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز ہو جاتی ہے اگرچہ عورتیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں۔ جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں انکی نماز بھی نہیں ہوتی مگر ایک قول چونکہ جواز کا بھی ہے اسلئے عورتوں پر حرمین شریفین میں جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کی قضا واجب نہیں، البتہ قضا کر لینا بہتر ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط کا یہی مقتضی ہے۔

### اگر امام عورتوں کی نیت کرے

اگر کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں تو عورتوں کی نماز بہر حال صحیح ہو جائیگی خواہ الگ کھڑی ہوں یا مردوں کے ساتھ۔



اگر مردوں کی صف میں ایک یا دو عورتیں کھڑی ہوئیں تو انکی دونوں جانب متصل اور انکے پیچھے سیدھ میں صرف صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہوگی، دوسری تیسری صف والوں کی ہو جائے گی۔

بوقت ابتلا دائیں اور بائیں جانب والے مرد اپنی نماز کی یوں حفاظت کر سکتے ہیں کہ اپنے اور عورت کے درمیان ایک ہاتھ اونچی اور ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چھڑی وغیرہ گاڑ لیں یا اتنا آگے بڑھ کر کھڑے ہوں کہ عورت کے پاؤں کی انگلیاں مرد کی ایڑی سے پیچھے رہ جائیں یا پاؤں کے نیچے کوئی چیز رکھ کر اتنے اونچے ہو جائیں کہ مرد کا پاؤں عورت کے ٹخنے سے اونچا ہو جائے اور زیلعی کی تصحیح کے مطابق یہ بھی کافی ہے کہ عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ مرد کی ایڑی سے پیچھے ہو اور عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نماز تب صحیح ہوگی کہ اپنے سامنے اپنے پورے عرض میں ایک ہاتھ اونچا تختہ وغیرہ کھڑا کرے یا عورت کے سر سے زیادہ بلندی پر کھڑا ہو۔

اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں آخر صفوف تک کے مردوں کی نماز نہوگی، مردوں کے ساتھ ہوں تو دائیں بائیں جانب والے مرد کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

اگر عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے ایک ہاتھ اونچا کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو تو مردوں کی نماز کی صحت مختلف فیہ ہے قول صحت ادسح اور قول عدم صحت الزحج و احوط ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول بلندی پر ہو۔ اگر صف اول کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ اس کے پیچھے والی کسی صف کے سامنے ہے یا پیچھے والی کوئی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

ازالہ اشتباہات :

① اوپر للجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (ریاض) کی تحریر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین کے ہاں امامت نسا کی نیت ضروری نہیں، اس پر کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید وہ مذہب حنفی کی رعایت سے امامت نسا کی نیت کر لیتے ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت مذہب غیر کے اہتمام کی سعادت صرف حنفیہ کو حاصل ہے، غیر مقلدین اور ائمہ حرمین کی رعایت مذہب غیر سے بے اعتنائی بلکہ عمداً مخالفت عام مشہور و معروف ہے، معہذا دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں،



(۱) ان کے مذہب میں وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا واجب نہیں، صرف افضل ہے اور مذہب حنفی میں ناجائز ہے اور اس طرح وتر کا واجب ادا نہیں ہوتا، اسکا مقتضی یہ تھا کہ رمضان میں جماعت وتر میں احناف کی رعایت سے دوسری رکعت پر سلام نہ پھیریں، مگر یہ لوگ دوسری رکعت پر لازماً سلام پھیرتے ہیں اور احناف کو علیحدہ جماعت کی بھی اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ ان کو شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے، فتنہ و فساد اور احناف کی نماز کی بربادی قبول مگر رعایت مذہب غیر گوارا نہیں،

(۲) موسم حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امام حج قصر کرتا ہے حالانکہ انکے نزدیک یہاں قصر واجب نہیں سنت ہے اور مذہب حنفی میں غیر مسافر کیلئے قصر جائز نہیں، اسکے باوجود امام قصر ہی کرتا ہے، احناف کی نماز کی کوئی پردا نہیں، بندہ نے ایک بار امام حرم ابو السمع سے گزارش کی کہ آپ گاڑی پر بٹھریں مسافت سفر چکر لگا کر عرفات پہنچیں تو ہمیں بھی آپ کی اقتدار میں نماز کا شرف مل جائے مگر وہ اس اشار پر بھی تیار نہ ہوئے جس میں ان کا ذرہ بھر بھی کوئی حرج نہ تھا۔

(۲) بعض کا خیال ہے کہ ائمہ حرمین عدم امامت نسا کی نیت نہیں کرتے اور صحت صلوٰۃ نساء کے لئے اتنا کافی ہے، یہ خیال صحیح نہیں، شامیہ میں سکی ترجیح تحریر ہے کہ نیت امامت کی نفی نہ کرنا کافی نہیں بلکہ ایجاد نیت امامت ضروری ہے،

(۳) بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ امام کو یہ علم ہوتا ہی ہے کہ عورتیں اس کی اقتدار کر رہی ہیں بس یہی کافی ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں، امام کو اقتدار نسا کا علم کافی نہیں بلکہ امامت نسا کی نیت شرط ہے، علم و نیت میں فرق ظاہر ہے، قال فی التنویر لا (یشترط لصحة الاقتداء نية، شرح) امامة المقتدى لوام رجالا و انہ ام نساء فانہ اقتدت به محاذیة لرجل فی غیر صلوٰۃ جنازة فلا بد من نية امامیتھا وانہ لم تقتد محاذیة مختلف فیہ (رد المحتار ۳۹۵ ج ۱) لفظ لوام کے ساتھ اشتراط نیت کی بحث سے ثابت ہوا کہ علم اقتدار نیت کے قائم مقام نہیں، چنانچہ کسی منفرد کی کسی نے جہری نماز میں اقتدار کر لی اور اس کو علم بھی ہو گیا تو جب تک یہ نیت امامت نہیں کریگا اس پر جہر قرأت واجب نہ ہوگا، تنبیہ : ائمہ حرمین کا نیت امامت نسا نہ کرنا ہی بہتر ہے، اسلئے کہ اس صورت میں علیحدہ کھڑی ہونیوالی عورتوں کی نماز مشتبہ ہوئی جس سے احتراز ان عورتوں کے اختیار میں ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں جو انکے لئے افضل بھی ہے، اور نیت امامت نسا میں یہ فساد ہے کہ عورتوں کی محاذاة یا تقدم کی صورت میں مردوں کی نماز نہیں ہوگی، اور اس سے احتراز بھی متعسر ہے، مردوں کی نماز حرم کو فساد سے بچانے کی فکر ہی اس تحریر میں محنت و کاوش کا محرک بنی، تقبلہ اللہ بھدا المقلد ولا حول ولا قوة الا بہ (اشکال وجواب تتمہ میں) ۹ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۶ھ





كان النبي صلى الله عليه وسلم  
إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه (رواه البخاري)

# انصراف الامام الى جهة الانام

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام نماز فجر  
وعصر کے بعد دروازہ روئے وھیں بیٹھ کر پڑھنا  
چاہے تو اس کے لئے دریں یا بائیں رخ کرنے کی  
جائے مقتدیوں کی طرف رخ کرنا مسنون ہے۔

**تنبیہ:** اس تحریر میں کئی جگہ اوراد و ادعیہ اجتماعاً کا ذکر ہے،  
اس میں یہ عییل ہے کہ صورت ہیئت اجتماعیہ جائز ہے،  
امام اور مقتدیوں کا باہم ارتباط بدعت ہے، اس کی مدلل تحقیق  
رسالہ ”زبدۃ الکلمات“ میں ہے۔ (نظر ثانی)



## نماز فجر وعصر کے بعد انحراف امام کی ہیئت

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام دائیں جانب مڑ کر بیٹھے یا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دائیں جانب رخ کر کے بیٹھنا مستحب ہے اور مقتدیوں کی طرف استقبال خلاف استحباب ہے۔ کیا ان مولوی صاحب کا یہ خیال درست ہے؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل سے استحباب تیسرے کا شبہ ہو سکتا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمنی عن یمنہ (رواہ مسلم)  
وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
احببنا ان نكون عن یمینہ یقبل علینا بوجھہ (رواہ مسلم)

مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے بلکہ شراح حدیث نے اس کے دوسرے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث اول کی شرح میں فرماتے ہیں (کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ای احياناً (یمنی عن) ای عن مصلاہ (عن یمینہ) فی شرح السنۃ روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال اذا کانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان کانت عن یسارہ اخذ عن یسارہ فقلت اذا کان المصلیٰ لہ حاجتہ ینصرف الی جانب حاجتہ فان استویا بالجانبین فینصرف الی ائی جنب شاء والیمین اولی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی کل شیء وکان یقبل علی الناس اذا المرید الخروج من المسجد بوجھہ من جانب یمینہ (مرقاۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

اور دوسری حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (یقبل علینا بوجھہ) ای عند السلام اولاً قبل ان یقبل علی من علی یسارہ وقیل معناه یقبل علینا عند الانصراف (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲) حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ سے اٹھ کر کہیں تشریف لیجاتے وقت اور مسجد ہی میں بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیسرے کو پسند فرماتے تھے یعنی دائیں جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے تھے، نہ یہ کہ دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ البتہ بعض فقہاء حرمہم



تعالیٰ نے دوسری حدیث سے توجہ الی الیمین کا مفہوم بھی لیا ہے کما فی شرح المنیۃ ونصہ فاذا تمت صلوۃ الامام فهو بخیر ان شاء انحراف عن یسارہ وجعل القبلة عن یمینہ وان شاء انحراف عن یمینہ وجعل القبلة عن یسارہ وھذا اولیٰ لما فی مسلم عن حدیث البراء کنا اذا صلینا خلف النبی علیہ السلام احببنا ان نكون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ فان مفہومہ ان وجھہ عند الاقبال علیہم کان یقابل من هو عن یمینہ وذلك انما یكون اذا کان المسجد عن یمینہ والقبلة عن یسارہ (کبیری ض ۳۳) وفي مراقی الفلاح ان الامام انحراف عن یسارہ وجعل القبلة عن یسارہ وھذا اولیٰ لما فی مسلم کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نكون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ الخ معہذا ان حضرات نے دوسرے مفہوم بھی ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ علامہ حبیبی رحمہ اللہ تعالیٰ مفہوم بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وقیل معناه حتی یقبل علینا بوجھہ قبل من هو عن یسارہ فیفید الانصراف عن یمینہ لانه یجلس منحرافاً یستقبلہم فی القعود بعد الانصراف عن یمینہ کما فی حدیث النبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مسلم ایضاً کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (الی قولہ) والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلوۃ وھی القبلة اعم من ان یجلس بعدہ اولاً (کبیری ض ۳۳)

غرضیکہ اس حدیث کے مفہوم میں مختلف احتمالات ہیں۔ پس اگر احیاناً توجہ الی الیمین تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا جواز ثابت ہوا نہ کہ استحباب۔ آپ کی عام عادت شریفہ استقبال مأمومین کی تھی۔ کما روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوۃ اقبل علینا بوجھہ قال العلامة القاری رحمہ اللہ تعالیٰ قال الابھری والصحیح ان معناه انه علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا فرغ من الصلوۃ استقبل المأمومین (مرقاۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ :

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے۔ اسلئے امام اپنی ہیئت تبدیل کر لے جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلیٰ سے اٹھ کر چلا جائے یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھے۔ اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو ادا کرنے کے لئے مصلیٰ سے آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں طرف ہٹ کر پڑھے۔ امام کے اسی ہیئت پر مستقبل قبلہ رہنے میں نو وارد کو بقارجماعت کا اشتباہ ہو سکتا ہے خطرہ ہے



کہ کوئی اقتدار کر لے اور اسکی نماز صحیح نہ واسلئے امام کا ہیئت نہ بدنا مکروہ ہے۔ قال العلامة  
 الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا شغل الامام من الصلوة فلا یجوز ان کانہ صلوۃ  
 لا تصلى بعد ہاسنۃ کالفجر والعصر فان شاء الامام قام وان شاء قعد فی مکانہ یشغل  
 بالداء لا انہ لا تطوع بعد ہاتین الصلاتین فلا بأس بالعود الا انہ یکرہ المکث علی  
 ہیئۃ مستقبل القبلة لما روى عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کان اذا فرغ من الصلوة لا یمکث فی مکانہ الا مقدار ان یقول اللہم انت السلام ومنک  
 السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام وروی جلوس الامام فی مصلاۃ بعد الفراغ مستقبل  
 القبلة بدعة ولان مکث یوہم الداخل انہ فی الصلوة فیقتدی بہ فیفسد اقتداؤہ فکان  
 المکث تعریضاً لفساد اقتداء غیرہ بہ فلا یمکث ولكنه یستقبل القوم بوجہہ ان شاء  
 ان لم یکن یجد انہ احد یصلی لما روى ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من  
 صلاۃ الفجر استقبل بوجہہ اصحابہ وقال هل رأى احدکم رؤیا کأنہ کان یطلب رؤیا  
 فیہا بشری بفقہ مکہ فان کان یجد انہ احد یصلی لا یستقبل القوم بوجہہ لان استقبالہ  
 الصورة فی الصلوة مکروہ لما روى ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأى رجلاً یصلی  
 الی وجہ غیرہ فعلاہما بالدرة وقال للمصلی استقبل الصورة وللآخر استقبل المصلی  
 بوجہک وان شاء انخرف لان بالانخرف یزول الاشتباہ کما یزول بالاستقبال ثم  
 اختلف المشائخ فی کیفیۃ الانخرف قال بعضهم ینخرف الی الیسار لیکون یسارہ الی  
 الیمین وقال بعضهم ہو غیر ان شاء انخرف یمین وان شاء یسارہ وهو الصحیح لان  
 ما هو المقصود من الانخرف وهو زوال الاشتباہ یحصل بالامرین جمیعاً وان  
 كانت صلوۃ بعد ہاسنۃ یکرہ لہ المکث قاعداً وکراہتہ مرویۃ عن الصحابۃ رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہم وروی عن ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما کانا اذا فرغنا من الصلوة  
 قاما کأنہما علی الرضف ولان المکث یوجب اشتباہ الامر علی الداخل فلا یمکث ولكن  
 یقوم ویتنہی عن ذلک المكان ثم یتنفل لما روى عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ایجز احدکم اذا فرغ من صلوۃ ان  
 یتقدم او یتأخر وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کره للامام ان یتنفل فی مکان  
 الذی اقر فیہ ولان ذلک یؤدی الی اشتباہ الامر علی الداخل فینبغی ان یتنہی ازالۃ



للاشتباه واستكثارا من شهوده على ما روى ان مكان المصلی يشهد له يوم القيامة  
(بدائع الصنائع ص ۱۶ ج ۱)

غرضیکہ تبدیل ہیئت سے اصل مقصد ازالہ اشتباه ہے جو مذکورہ بالا سب صورتوں  
میں حاصل ہے اسلئے امام کا مصلی سے اٹھ کر چلے جانا یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف  
مڑ کر بیٹھنا فی نفسہ تحصیل مقصد کے لئے یہ سب صورتیں برابر ہیں، مگر بعض وجوہ کی بنا پر  
مقتدیوں کے استقبال کی صورت رائج ہے۔

### وجوہ ترجیح :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارکہ استقبال مأمومین کی تھی کما روینا  
عن سمرة بن جندب رضى الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا  
صلى صلوة اقبل علينا بوجهه (رواه البخاري)

ولما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من صلوة الفجر استقبال  
بوجهه اصحابه الخ (بدائع الصنائع)

② قال في الهندية ويستقبل بوجهه اذا لم يكن مجذاه مسبوق فان كان  
ينصرف يمنة او يسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح كذا في الخلاصة  
(عالمگیریہ ص ۱۶ ج ۱)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اصل حکم استقبال مأمومین ہے اور دائیں یا بائیں طرف انحراف  
محاذیہ مسبوق کے عارض کی حالت میں ہے۔ امداد الفتاویٰ میں فقہ حنبلی سے بھی صرف استقبال  
مأمومین کی صورت منقول ہے۔ ونصہ ویکرہ للامام استقبال القبلة بل يستقبل المأمومين  
لما تقدم انه ينصرف اليهم اذا سلم (امداد الفتاویٰ ص ۵ ج ۱)

③ تيامن وتياسر میں بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت بن جاتی ہے جو حرمت مسلم  
کے خلاف ہے۔ استدبار کعبہ واستقبال مأمومین کی حکمت حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان  
فرماتے ہیں کہ حرمت مسلم حرمت کعبہ سے زیادہ ہے۔ تيامن وتياسر میں اگرچہ استدبار جیسی قباحت نہیں  
مگر کسی قدر صورت اعراض ضرور پائی جاتی ہے۔

④ شرعاً سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا رابطہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے سلام  
کے بعد کی مجلس عام مجالس کی طرح ہے اور عام مجلس میں تقابل کی بجائے کسی کا پہلو تہی اختیار کرنا



معیوب اور آداب مجلس کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

غرضیکہ تیا من سے استقبال اولیٰ و افضل ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں تیا من کی اولویت بیان فرمائی ہے وہ بنسبت تیا سر کے ہے۔ کما هو ظاہر من عبارة الحلبي رحمہم اللہ تعالیٰ۔ استقبال تیا من سے بھی اولیٰ ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بوجہ ذیل تیا من مکروہ اور بدعت ہے۔  
 (۱) آجکل تیا من کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ اس کے تارک پر نیکر کی جاتی ہے، حالانکہ امر مندوب بھی التزام کی وجہ سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا يجعل احدكم للشيطان شيئاً من صلواته يري ان حقاً عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره (متفق عليه) قال الطيبي و فيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال (مرواة ۳۵۳ ج ۲)

(۲) اس زمانہ میں فرائض سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا سے فراغت تک امام اور مقتدی آپس میں رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اوراد اور دعا میں اشتراک و اجتماع کی صورت ہوتی ہے مقتدیوں کے ساتھ اس تعلق کا مقتضی یہ ہے کہ بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت نہ پائی جائے۔ کما لا يجوز الاعراض عن البعض في صورة التعليم قال في اعلام السنن شارحاً لكيفية انصرافه صلى الله عليه وسلم واذا اراد تعليم القوم استقبلهم جميعاً وجعل ظهره نحو القبلة ولا يجزى احتمال التعليم في الوجهين الاولين (التيا من والتيا سر) لان فيهما الاقبال على البعض دون البعض وهذا يخالف ما ثبت في حديث الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما عند الترمذی في شمائله من عاداته صلى الله عليه وسلم انه كان صلى الله عليه وسلم يعطى كل جلسائه نصيبه حتى لا يحتسب جلساءه ان احداً اكرم عليه منه (اعلام السنن ص ۱۹۹ ج ۳)  
 (۳) اوراد و دعا میں مقتدیوں کے ساتھ اشتراک کا مقتضی یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کیا جائے مگر اس کے باوجود تیا من کو ترجیح دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی مزید خصوصیت اور زیادہ ثواب کا عقیدہ ہے لہذا یہ عمل بدعت ہو جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اجتماعی دعا کا ذکر فرمایا ہے وہاں صرف صورت استقبال ہی بیان فرمائی ہے۔ تیا من و تیا سر کو ذکر نہیں فرمایا اور جہاں استقبال کے ساتھ تیا من و تیا سر مذکور ہے وہاں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، قال العلامة الشرنبلالی رحمہم اللہ



تعالیٰ ویستحب للامام بعد سلاطین ان یتحول الی یسارۃ لتطویر بعد الفرض وان یتقبل بعد الناس یتغفرون الله ویقرؤن آية الكرسي والمعوذات ویسبحون الله ثلاثاً وثلاثین ویحمدونه کذلک ویکیبونه کذلک ثم یقولون لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على کل شیء قدير ثم یدعون لانفسهم وللسمین رافعی ایدھم ثم یمسحون بها وجوھہم فی اخرہ (نور الانصاف ص ۷۷)

عبارت مذکورہ میں اجتماعی صورتیں اوراد و دعا مذکور ہے اسلئے تیامن و تیا سر کی صورتیں بیان نہیں فرماتیں بلکہ صرف استقبال کا ذکر فرمایا ہے۔ مراقی الفلاح میں اس مقام پر تیامن، تیا سر اور ذہاب بھی مذکور ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ذہاب کی طرح تیامن و تیا سر بھی اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدیوں کے مابین کوئی رابطہ نہ ہو۔ اجتماعی دعا کی تبدیع ”زبدۃ الکلمات“ میں ہے۔

(۴) آجکل بالعموم یہ خبر سننے میں آرہی ہے کہ اکثر لوگ اس حالتیں استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں اور امام کو تیامن پر مجبور کرتے ہیں یہ دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ دوی الامام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمالہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم یکرہون ان یتقبلوا بفروجهما القبلة فقال اراہم قد فعلوها استقبلوا بمقعد فی القبلة۔ اس روایت کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ لوگ بول و براز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی استقبال و استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھنے لگے تھے، اس غلو فی الدین کی اصلاح اور زعم باطل کی تردید کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلس میں میری نشستگاہ کو قبلہ رخ کر دیا جائے۔ (ہدیۃ المجتہد)

غرضیکہ امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہو تو اسکا استقبال مکروہ ہے لہذا اس صورت میں تیامن یا تیا سر کرے۔ اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہو تو اسکے استقبال کے جواز میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ قول کراہت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں واستظہر ابن امیر خاج فی الحلیۃ خلاف ہذا فقال الذی یظہر انہ اذا کان بین الامام والمصلیٰ یحذانہ رجل جالس ظہرہ الی المصلی لا یکرہ للامام استقبال القوم لانه اذا کان سترۃ للمصلی لا یکرہ المرور ورائہ فکذا ہنا وقد صرحوا بانہ لوصلی الی وجہ انسان و بینہما ثالث ظہرہ الی وجہ المصلی لم یکرہ ولعل محمد ارحمہ اللہ تعالیٰ لم یقید بذلک للعلو بہ (رد المحتار ص ۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰۔ ردی قعدہ سنہ ۹۷، بحری

الحاق: عقد الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب یتقبل الامام الناس اذا سلم، واورد اثبات ثلاثۃ



احادیث۔ قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وسیاق سمرۃ ظاہرہ اندکان یواظب علی ذلک، قیل الحکمۃ فی استقبال المؤمنین ان یعلمہم ما یحتاجون الیہ فعلیٰ ہذا یختص بمن کان فی مثل حالہ صلی اللہ علیہ وسلم من قصد التعلیم والموعظۃ (فتح الباری ج ۲) و ذکر الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً نحو ذلک من الحکمۃ والاختصاص (عمدة القاری ج ۲) وقال الشیخ الجتجہی رحمہ اللہ تعالیٰ اراد بذلک الباب اثبات ان ذلک جائز لا ضیر فیہ واما اثبات المداومۃ علیہ وانہ السنۃ فغیر مقصود ہما وان کان صحیحاً فی نفسہ (لامع الدراری ج ۳) وقال الشیخ النور رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم ان الامام اذا اراد الانصراف الی بیتہ سلم وانصرف وان اراد القعود فالسنۃ لہ ان یستقبل القوم وبہ جزم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصرح بہ الجوزجانی فی مبسوطہ واما التیاسر والتیاسر المعلوم بہما فی زماننا فلیسا من السنۃ فی شئ، وانما ہما عند ارادۃ الانصراف الی البیت لا عند الجلوس بعد الصلوۃ فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند التوبیخ انہ قال ان کانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان کانت حاجتہ عن یسارہ اخذ عن یسارہ قہما عند الانصراف لحاجتہ وما عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند ابی داود من جہم بکونہم فی یمینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فہو ان یقع بصرہ علیہم عند التسلیم اولاً وعند الجلوس بعد الصلوۃ دائماً وغلط فیہ الناس عن عبارات بعض المتأخرین مع انہم ارادوا بیان الجواز الفقہی فحملوہ علی بیان السنۃ فان کنت ترید السنۃ فالسنۃ فی الاستقبال وان کنت ترید الجواز فافعل ما شئت (فیض الباری ج ۲) ان عبارات سے ثابت ہوا کہ امام بخاری، عسقلانی، عینی، حضرت گنگوہی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف استقبال ہی مسنون ہے۔ عسقلانی و عینی کی عبارت میں مذکورہ حکمت بصیغہ تملیض منقول ہے اس کو وجہ اختصاص قرار دینا غیر معقول ہے اس لئے کہ مقتدیوں کے حالات سے اطلاع اور ان کی اصلاح ہر امام کے ذمہ ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اگرچہ ترجمہ الباب سے اثبات سنیت کو غیر مقصود قرار دیا ہے مگر معہذا نفس سنیت کی تصریح فرمائی ہے، حاشیہ لامع الدراری اور اعلام السن میں احادیث انصراف میں مختلف احتمالات اور ان کے تحت مختلف خیالات لکھے ہیں وہی ماذکرنا کفایۃ ونسأل اللہ ہدایۃ، ولہ الحمد فی البدایۃ والنہایۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

عہ تیاسر و تیاسر فی نفسہ جائز ہے مگر اس کو سنت سمجھنا اور سنیت کو اس میں منحصر قرار دینا، اس پر اصرار اور سنت استقبال سے انکار نیز اجتماعی اوراد و دعا کے باوجود مقتدیوں سے اعراض بدعت ہے۔ ۱۲ منہ



## باب المسبوق واللاحق

مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا:

سوال :- زید مقتدی نے امام کے ساتھ ایک سجدہ کر کے دوسرا سجدہ نہ کیا، یعنی دوسرے سجدہ میں سو گیا، اور دوسرے سجدہ کے بعد آنکھ کھل تو امام کے ساتھ قیام کیا، تو آیا زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟ نہیں ہوئی تو کس طرح ادا کرے، از سر نو ادا کرے یا آخر میں بعد سلام امام کے ایک سجدہ کر کے سجدہ سہو کرے تو مذکورہ طریقہ پر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص لائق ہے، اس پر واجب تھا کہ آنکھ کھلنے کے بعد دوسرا سجدہ کر کے امام کا اتباع کرتا، اس وقت سجدہ نہیں کیا تو امام کے سلام پھرنے کے بعد ایک سجدہ کر کے تشہد دوبارہ پڑھ کر سلام پھرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی، مگر ترک واجب سے گنہگار ہوگا، سجدہ سہو واجب نہیں، کیونکہ مقتدی کے ترک واجب سے سجدہ سہو یا اعادہ واجب نہیں ہوتا، نقل فی الشامیۃ عن البحر وحکمہ ائمہ یبدؤ بقضاء ما فاتہ بالعدو ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لاشطحتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فاتہ یأتی بالثالثۃ بلا قراءۃ فاذا فرغ منها صلی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منها الامام صلاھا وحده بلا قراءۃ ایضاً فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد سلام الامام صح وانشاء (رحمہ اللہ) ص ۵۵ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۸ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے:

سوال :- کیا مسبوق پر بھی امام کی متابعت میں تشہد پڑھنا واجب ہو؟ اگر نہیں پڑھا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں اور گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے، چھوٹنے سے گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی،



لما فی واجبات الشامیة والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر  
واجبة (رح المحتار ص ۱۳۲۹) فی العلائق بخلاف سلامه اوقیامه لثالثه قبل اتمام  
المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولولم يتم جائزاً وفي الشامیة وشمل باطلاق  
مالواقندی به فی اثناء التشهد الاول والاخير الخ (قوله ولولم يتم جائزاً) ای صحیح مع کراهة  
التحریم كما افاده ح الخ (رح المحتار ص ۱۳۲۱) وفي سجود السهو من الشامیة عن شرح المنیة  
عن القنیة من ادراك الامام فی القعدة الاولى فقعد معه فقام الامام قبل شروع المسبوق  
فی التشهد فانه يتشهد تبعاً للتشهد امامه ام (رح المحتار ص ۱۳۹۸) فقط والله تعالى اعلم  
۲۰ ربيع الاول ۱۲۸۸ھ

مسبوق کے بیٹھتے ہی امام قعدہ اولی سے اٹھ گیا:

سوال :- اگر کسی شخص کے بیٹھتے ہی امام قعدہ اولی سے کھڑا ہو گیا اور یہ شخص التیات نہ پڑھ سکا  
تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا قوجروا!

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مسبوق تشہد پورا کر کے اٹھے، بدون تشہد پورا کئے امام کا اتباع مکروہ تحریمی ہے  
مگر نماز ہو جائے گی، آخری قعدہ میں شریک ہونے والے کا بھی یہی حکم ہے، کہ اس کا تشہد پورا ہونے  
سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو تشہد پورا کر کے کھڑا ہوا، قال فی الدر بخلاف سلامه اوقیامه لثالثه  
قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولولم يتم جازر فی الشامیة  
قوله فانه لا يتابعه الخ) ولو خاف ان تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به  
فی الظہیریة وشمل باطلاقه مالواقندی به فی اثناء التشهد الاول والاخير  
فحين قعد قام امامه وسلم ومقتضاه انه يتم التشهد ثم يقوم ولما رده صریحاً  
ثم رأیته فی الذخيرة ناقلاً عن ابی الیث المختار عندی انه يتم التشهد وان لم یفعل  
اجزاء ام والله الحمد (قوله ولولم يتم جازر) ای صحیح مع کراهة التحریم كما افاده ح (رح المحتار)  
فقط والله تعالى اعلم  
۲۱ جمادی الآخرہ ۱۲۸۸ھ

مسبوق نے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ نہ کیا:

سوال :- زید مسبوق امام کے ساتھ آخری قعدہ میں نہ بیٹھا، اور کھڑا ہو گیا، اور چاروں رکعات



ادا کر لیں اور آخری قعدہ کر کے سجدہ سہو کر لیا تو زید کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور امام کی متابعت قصداً یا سہواً نہ کرنے سے کسی قسم کا گناہ ہوگا؟ بینوا تو حیروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل مسبوق نے جو قراءت، قیام وغیرہ ارکان ادا کئے وہ معتبر نہیں، قدر تشہد سے امام کی تشہد سے فراغت مراد نہیں، بلکہ اتنا وقت مراد ہے جس میں جلدی سے جلدی تشہد پڑھا جاسکتا ہے، اگر ایک یا دو رکعتوں میں مسبوق ہو اور اس نے امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قدر ماتجوز بہ الصلوٰۃ تلاوت کی ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی، ورنہ نہیں، اور اگر تین یا چار رکعات میں مسبوق ہے تو اس کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد بھی مسبوق کے قیام کا کچھ حصہ پایا جائے اگرچہ اس میں قدر ماتجوز بہ الصلوٰۃ قراءت نہ کی ہو بشرطیکہ اس کے بعد دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے،

بصورت عدم متابعت امام کا گناہ ہوگا، ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، سجدہ سہو بہر صورت واجب نہیں، اس لئے کہ مقتدی کا ترک واجب موجب سجدہ سہو نہیں، قال فی العلائقہ ولو قام قبل السلام هل یعتد بإدائعه ان قبل قعود الامام قدر التشہد لا وان بعدہ نعم وکرم تحریمًا الا لعذر، و فی الشامیۃ (قوله لا) ای لا یعتد بما اداہ قبل قعود امامہ من قیام وقراءۃ و انما یعتد بما اداہ بعدہ قال فی الفتمہ ولو قام قبلہ ای قبل قدر التشہد قال فی النوانیل ان قرأ بعد فراغ الامام من التشہد ماتجوز بہ الصلوٰۃ جاز و الا فلا، ہذا فی المسبوق برکۃ اور رکعتین فان کان بثلاث فان وجد منه قیام بعد تشہد الامام جاز وان لم یقرأ لا<sup>۳</sup> سبقر ا فی الباقیتین والقراءۃ فرض فی رکعتین ام<sup>۴</sup> (المختار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۷ شعبان ۱۳۸۷ھ

### مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟

سوال:- مسبوق اپنی باقی نماز پوری کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟ امام کے دائیں جانب سلام پھیرنے کے ساتھ ساتھ، یا بعد، یا امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد؟ بینوا تو حیروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنی تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہو نامعلوم ہو جائے، قال فی الہندیۃ ویستغنی للمسبوق ان یمکث ساعة بعد



سلام الامام لجواز ان يكون على الامام سهو (المكبرية ص ۱۶۶ ج ۱) وفي العلائقية وينبغي ان يصبر حتى يفهم انه لا سهو على الامام (المختار ص ۱۶۵۵۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم  
۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

امام پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے؟

سوال:- مندرجہ ذیل فتویٰ تصدیق طلب ہے؛

اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو تو مسبوق اس کی پیروی نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھ کر انتظار کرے، اگر امام لوٹ آئے تو مسبوق اس کے ساتھ سجدہ سہو کر کے امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے اور اگر امام نہ لوٹے تو مسبوق اپنی نماز پوری کر لے، لیکن بعد میں جبکہ مسبوق نے ابھی ایک رکعت نہ پڑھی ہو امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو، اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، رالدر المختار ص ۱۵۷ ج ۱، البحر الرائق ص ۱۶۲ ج ۱ اور اگر امام تعدہ اخیرہ کئے بغیر زائد رکعت میں کھڑا ہو گیا تو بھی مسبوق انتظار کرے، اگر امام پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو مسبوق سجدہ سہو کے بعد امام کے سلام پر کھڑا ہو جائے اور اپنی نماز پوری کرے، لیکن اس صورت میں اگر امام نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی (امداد الفتاویٰ ص ۱۶۲۳ ج ۱) اور دونوں صورتوں میں اگر مسبوق بغیر امام کا انتظار کئے اپنی نماز پوری کرنا شروع کر دے تو مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے اور مسبوق ابھی تک فارغ نہیں ہوا ہو تو اب امام کے ساتھ ہو جائے اور سجدہ سہو کے بعد امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لے، اور اگر امام کے ساتھ شامل نہ ہو تو اپنی نماز کے آخر میں اسے سجدہ سہو کرنا لازم ہے،

الجواب باسم ملہم الصواب

تحریر مذکور میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں:-

① مسبوق کے انتظارِ عودِ امام کی حد نہیں بتائی گئی، اس کو امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ تک انتظار کرنا چاہئے،

② امام کے تعدہ اخیرہ کے بعد قیام کی صورت میں لکھا گیا ہے ”اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا“ اس میں یہ تسامح ہے کہ تعدہ اخیرہ کے بعد نفل ہو جانے کا کوئی احتمال نہیں، یہ احتمال



ترکِ قعدہ اخیرہ کی صورت میں ہے،

(۳) امداد الفتاویٰ سے جو حکم بطلان نقل کیا گیا ہے اس سے بطلانِ فرضیت مراد ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام کی نماز نفل ہو گئی، جس مقتدیِ مدرک نے سلام پھیر دیا خواہ امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پھیرا یا بعد ہر صورت اس کی نماز باطل ہو گئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رتمۃ) یتفرع ایضاً علی قولہ والحبرۃ للامام مافی البحر عن الخانیۃ لو تشهد لمقتدی وسلم قبل ان یقید الخامسة بالسجدة ثم قید ہا بہا فسدت صلوٰتہم جمیعاً (رد المحتار ص ۱۹۹ ج ۱) مدرک یا مسبوق نے امام کا اتباع کیا تو اس کی نماز نفل ہو گئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تبیل باب الاستخلاف فان قید ہا بسجدة انقلب صلوٰتہ فلاً فان ہم انہا سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضى ما سبق بہ وتكون له نافلة كالامام ولا قضاء علیہ لو افسدہ لانہ لم یشرع فیہ قصد، ارحمۃ (رد المحتار ص ۱۶۰ ج ۱) مسبوق نے بقیہ نماز افراداً شروع کر دی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی، لانہ قام الی قضاء ما سبق بہ قبل تشهد الامام،

(۴) پانچویں رکعت میں اتباع امام کا حکم نہیں لکھا گیا، اس میں یہ تفصیل ہے کہ امام قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہوا اور مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو اس کی نماز اسی وقت فاسد ہو گئی، اور امام بدون قعدہ کے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے امام اور مسبوق و مدرک سب کی نماز نفل ہو گئی، قال فی العلائق ولو قام امامہ لخامسة فتابعہ ان بعد القعود ففسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة وفي الشامية (قولہ والآل) ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوٰتہ لان ما قام الیہ الامام علی شرف الرقص ولعدم تمام الصلوٰة فان قید ہا بسجدة انقلب صلوٰتہ فلاً فان ضم الیہا سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضى ما سبق بہ وتكون له نافلة كالامام (رد المحتار ص ۱۶۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ زیقعدہ ۹۲

امام قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا، مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہو گئی؛

سوال :- آخری قعدہ کے بعد امام سہوا کھڑا ہو گیا، اس کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہو گیا، نغمہ ملنے پر امام نے واپس آکر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لی، مسبوق نے بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا اور امام کے سلام کے بعد اپنی باقی نماز پوری کر لی، تو اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی، اس پر لازم تھا کہ بیٹھا رہتا اور امام کے ٹوٹنے کا انتظار کرتا، قال فی شرح التتویر قبیل باب الاستخلاف ولو قام امامہ الخامسة فتابعه ان بعد لتعود تفسد والا لا حتى یقید الخامسة بسجدة، وفي الشامية ر قوله ان بعد القعود ای قعود الامام القعدة الاخيرة (قوله تفسد) ای صلوٰۃ المسبوق لانه اقتداء فی موضع الافراد ولان اقتداء المسبوق بغيره مفسد کما مر ر قوله والا ای وان لم یقید وتابعه المسبوق لا تفسد صلوٰۃ لان ما قام الیه الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوٰۃ فان قیدها بسجدة انقلبت صلوٰۃ نفلاً فان ضم الیها سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعه ثم یقضى ما سبق به وتكون له نافلة کالامام ولا قضاء علیه لو افسد لانه لم یشر ۶ فیه قصداً، جمعی، (رحۃ المحارر، ص ۵۶۰ ج ۱) فقط وادّٰہ تعالیٰ اعلم،

۹ شعبان ۹۹ھ

لاحق کی فوت شدہ نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا؛

سوال :- لاحق کو تعدد آخری ملا اور اتنے وضو کر کے آیا اتنے میں ایک رکعت نکل گئی، تو کیا یہ لاحق ایک رکعت پہلے ادا کرے، یا امام کے ساتھ تعدد آخری میں شامل ہو کر بعد سلام امام کے ایک رکعت ادا کرے؟ کیونکہ اگر پہلے رکعت پڑھے گا تو امام سلام پھیر کر نماز ختم کر دے گا، شرعاً کیا حکم ہو؟  
بینوا تو جردا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ شخص شرائط بناء سے واقف نہیں یا اس نے شرائط کی پابندی نہیں کی، تو یہ لاحق نہیں بلکہ مسبوق ہے، اس لئے نئی نیت کر کے امام کے ساتھ شرکت کرے اس کے بعد فوت شدہ رکعت پڑھے، البتہ جو شخص شرائط بناء سے واقف ہو اور ان شرائط کی پابندی بھی کرے تو وہ لاحق ہے، لاحق اولاً فوت شدہ رکعت ادا کرے، اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے، ورنہ تنہا ادا کرے، قال فی العلائق وید أبقضاء ما فاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادراکہ والا تابعہ ثم صلی ما قام فیه بلا قراءۃ، وفي الشامية ر قوله ان امکنہ ادراکہ) قید لقوله وید أثم یتابع وقوله والا تابعہ الخ تصریح بمفہوم هذا الشرط ولیس بصحیح والصواب ابدال قوله ان امکنہ ادراکہ بقوله ان ادراکہ مع اسقاط بعد



ومن العبد ان يقول ويبدأ بقضاء ما فاتته بلا قراءة عكس المسبوق ثم يتابع امامه  
ان ادرك ثم ما سبق به الخ ففي شرح المنية وحكمه انه يقضى ما فاتته اولاً ثم يتابع  
الامام ان لم يكن قد فرغ وفي التنف اذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الامام به ثم ان  
ادرك الامام في شيء من الصلاة يصلّي معه ام وفي البحر وحكمه انه يبدأ بقضاء ما  
فاتته بالعذر ثم يتابع الامام ان لم يفرغ وهذا واجب لا شرط حتى لو عكس يصح الخ  
(رجح المختار ص ۵۵) فقط والله تعالى اعلم

۲۳ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ

مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟

سوال :- مسبوق کو امام کے قعدہ اخیرہ میں درود شریف و دعا بھی پڑھنی چاہئے یا نہیں؟  
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعا نہ پڑھے، بلکہ تشہد سے فراغت کے بعد  
خاموش رہے، یا کلمہ شہادت یا تشہد کا تکرار کرے، سب بہتر یہ ہے کہ تشہد ٹھیک ٹھیک پڑھے، تاکہ امام  
کے سلام کے ساتھ تشہد سے فراغت ہو، قال فی شرح التنبیہ واما المسبوق فیتروسل لیفرغ عند  
سلام امامہ وقیل یتروسل ینکر کلمۃ الشہادۃ، وفي الثامیۃ (قوله فیتروسل) اسی  
یتھل وهذا ما صحتہ فی الخانیۃ وشرح المنیۃ فی بحث المسبوق من باب السہو و  
باقی الاقوال مصحح ایضاً قال فی البحر وینبغی الافتاء بما فی الخانیۃ کما لا یخفی لعل  
وجہہ کما فی النہر انه یقضى آخر صلواته فی حق التشہد ویأتی فیہ بالصلوۃ والدعاء  
وهذا لیس آخراً قال ۲ وھذا فی قعدۃ الامام الاخیرۃ کما هو صریح قولہ لیفرغ عند  
سلام امامہ واما فیما قبلہا من القعدات فحکمہ السکوت کما لا یخفی ام ومثلہ فی  
الحلیۃ (قوله وقیل یکرر کلمۃ الشہادۃ) کذا فی شرح المنیۃ والذی فی البحر والحلیۃ  
والذخیرۃ یکرر التشہد تأمل (رجح المختار ص ۴۷) فقط والله تعالى اعلم

۱۳ شعبان ۱۲۹۷ھ

مدرک اور مسبوق کے لئے شمار کا حکم:

سوال :- مدرک اور مسبوق نماز میں امام کی قرأت شروع ہونے کے بعد شریک ہو تو اس کو  
شمار پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی جہری قراءت کے ساتھ نہ پڑھے، اگر مسبوق ہو تو قضاء مافات کے وقت پڑھ لے، ستری نماز میں امام کے ساتھ بھی پڑھے، اور قضاء مافات کے وقت بھی دوبارہ پڑھ لے، قال فی التور الا اذا كان مسبوقاً وامامه يجهر بالقراءة فلا يأتي به، وفي الشامية وينبغي التفصيل ان الامام يجهر لا يثنى وان كان يسر يثنى فكان المعتمد ما مشى عليه المصنف فافهم رد المحتار (ص ۲۵۶) وقال الحلبي رحمه الله تعالى في الغنية والمسبوق يأتي بالثناء اذا ادرك الامام حالة المغافته ثم اذا قام الى قضاء ما سبق به يأتي به ايضا كذا ذكره في الملتقط ووجهه ان القيام الى قضاء ما سبق كتعريضة اخرى للخروج به فاحكم الاقتداء الى حكم الانفراد الخ (كبيري، ص ۲۹۷) فقط والله تعالى اعلم.

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۷۷ھ

مسبوق امام کی ستری قراءت کے ساتھ ثناء پڑھ سکتا ہے:

سوال :- امام ستری نماز کی قراءت کر چکا ہو، اس کے بعد کوئی شخص نماز میں شریک ہو تو وہ اسی حال میں ثناء پڑھ لے؟ اس پر یہ اشکال ہے کہ جب امام کی ستری قراءت کے ساتھ بھی مقتدی کو قراءت فاتحہ جائز نہیں تو ثناء کیونکر جائز ہے؟ تشفی بخش جواب کے ممنون فرمائیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

قراءت جہریہ میں تو مقتدی پر استماع قراءت کے لئے انصات فرض ہے، مگر قراءت ستریت میں حکم انصات اس لئے ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے، چونکہ امام کی ثناء مقتدی کی ثناء نہیں اس لئے مقتدی ثناء پڑھے گا، قال ابن عابدین رحمه الله تعالى وعلمه في الذخيرة بما حاصله ان الاستماع في غير حالة الجهر ليس بفرض بل يسق تعظيماً للقراءة فكان سنة غير مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم في غير حالة الجهر لا لوجوب الانصات بل لان قراءة الامام له قراءة واما الثناء فهو سنة مقصودة لذاتها وليس ثناء الامام ثناء للمؤتم فاذا تركه يلزم ترك سنة مقصودة لذاتها لانصات الذي هو سنة تبعاً بخلاف ترك حالة الجهر (رد المحتار، ص ۴۵۶، ج ۱) فقط والله تعالى اعلم.

۲ شوال ۱۴۷۹ھ

راج یہ ہے کہ ثناء نہ پڑھے خواہ قراءت جہریہ یا ستریت تفصیل تہم میں ہے۔



تین رکعات کا مسبوق قعدہ اولیٰ کب کرے؟

سوال :- ایک شخص نماز رباعی میں چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اس نے باقی تین رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ پہلی رکعت پر قعدہ کی بجائے دوسری رکعت پر قعدہ کیا، اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟  
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیٰ یہ ہے کہ مسبوق ایک رکعت کے بعد قعدہ کرے، اگر دوسری رکعت کے بعد قعدہ کیا تو بھی کچھ حرج نہیں، قال فی العلائقہ و یقضى اول صلوة فی حق قراءة و آخرها فی حق تشهد، فمن رک رکعة من غیر فجر یا تی برکتین بفاتحة و سورة و تشهد بینہما و برابعة الرباعی بفاتحة، ولا یقعد قبلہما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ہذا قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی مبسوط السخی و علیہ اقتصر فی الخلاصة و شرح الطحاوی و الاسبیجانی و الفتح و الدرر و البحر و غیرہم رالی قولہ) و فی الفیض عن المستصفی لو ادرکہ فی رکعة الرباعی یقضى رکعتین بفاتحة و سورة ثم یتشهد ثم یأتی بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة و قال الرکعة بفاتحة و سورة و تشهد ثم رکعتین اولہما بفاتحة و سورة و ثانیتهما بفاتحة خاصة وظاہر کلامہم اعتماد قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بقولہ و تشهد بینہما، قال فی شرح المنیة و لو لم یقعد جاز استحسانا لا قیاسا و لم یلزمہ سجود السہو لكون الرکعة اولی من وجہ ام، (رد المحتار ص ۵۵۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

لاحق نے اتباع امام کے بعد فوت شدہ نماز پڑھی:

سوال :- للاحق نے مسبوق کی طرح مافات کو بعد فراغ الامام ادا کیا، تو نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں، جبکہ اس کو مافات ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق پر واجب ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو، اس کے خلاف سے گنہگار ہوگا، مگر نماز ہو جائے گی، مقتدری کا ترک واجب موجب اعادہ نہیں، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ و یبید ابقضاء مافاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادرکہ و الا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءة و قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ و فی البحر



وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعدر ثم يتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط  
حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثة واستیقظ فی الرابعة فانه یأتی بالثالثة بلا قراءة فاذا  
فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاھا وحده بلا قراءة ایضاً فلو تابع  
الامام ثم قضی الثالثة بعد سلام الامام صح وأیثم رجم المحتار ص ۱۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۸ جمادی الآخرہ ۱۴۹۹ھ

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن و آداب ادا کرے :  
سوال :- لاحق جب ماسبق کو قضا کرے گا تو فقط فرائض و واجبات ادا کرے امام کے ساتھ  
شامل ہونے کی کوشش کرے، یا کہ ہر رکن کو مع سنن و آداب کے ادا کرے، اگرچہ اس میں امام  
کے سلام پھیرنے کا خطرہ ہو؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن و آداب ادا کرے، اس کے بعد امام کو نماز میں پالیا، تو اس کے  
ساتھ شریک ہو جائے ورنہ منفرداً نماز پوری کرے، قال فی الہندیۃ اللاحق اذا عادی بعد الرضوء  
یذنی لہ ان یشغل اذ لا یقض ما سبقہ الامام بغیر قراءۃ، یقوم مقدار قیام الامام و رکوعہ  
وسجودہ ولو زاد او نقص فلا یضر، فہکذا فی شرح الطحاوی (عالمگیریۃ، ص ۹۲ ج ۱)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۸ جمادی الآخرہ ۱۴۹۹ھ





وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

# القول السافر عن حكم المسبوق خلف المسافر

امام

مسافر

كے

پیچھے



مقیم مسبوق یا قی ماندہ رکعات کیسے پڑھے؟





## تحقیق نیت متعلق مسبوق مقیم مقتدی بالمسافر

سوال : مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہوا تو باقی رکعتیں کیسے ادا کرے؟ یہاں کے علماء اس بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں لہذا مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں۔

### الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ شخص اٹھ کر پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے اور آخری دونوں رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ یہ مسئلہ علماء فحول میں معرکہ الارباب ہے اس سے متعلق ان معادن علم و معرفت کی تحریریں احقر کو پیر شیر محمد شاہ صاحب مدظلہم سامن گھوٹکی (سندھ) سے دستیاب ہوئیں جو اہل علم کے ذوق تحقیق کی خاطر حوالہ قلم کی جاتی ہیں۔

استفتاء۔ از شیخ رشید احمد صاحب دہلوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی چار رکعت والی نماز پڑھتا ہے۔ مقتدی مذکور امام مذکور کے ساتھ اول رکعت میں شریک ہوا ہو تو مقتدی اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور جو دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو کس طرح نماز پوری کرے اور جو احتیاط میں ملا ہو تو کس طرح اپنی نماز پڑھے۔ بلیغنا نوجروا

الجواب۔ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہمار پوری قدس اللہ سرہ۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس پر منحصر ہے کہ پہلے یہ متحقق ہو جائے کہ مقتدی کس وقت مدرک ہے اور کس وقت مسبوق یا لاحق۔ یا مسبوق اور لاحق۔ پس واضح ہو کہ جس مقیم مقتدی نے پہلی رکعت میں امام مسافر کی اقتدار کی ہو وہ لاحق ہے۔ چنانچہ درمختار کے اس قول کی شرح میں (و مقیم اثم بمسافر) صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں قوله ومقیم ای فہو لاحق بالنظر الی الاخیوتین۔ نیز اس پر لاحق کی تعریف بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واللاحق من فائتہ الركعات کلھا او بعضھا لکن بعد اقتدائہ بعد الزم تو یہ مقتدی جب لاحق ہے تو امام کی نماز سے جدا ہو کر اپنی دو رکعت بلا قراۃ ادا کرے۔ چنانچہ درمختار میں ہے وحکمہ کمؤتم فلا یأتی بقراۃ ولا سہواً بناءً علیہ یہ مقتدی جس نے پہلی رکعت میں اقتدار کی باعتبار آخر کی دو رکعتوں کے صرف لاحق ہے اور پچھلی دونوں صورتوں میں (جبکہ دوسری رکعت میں اقتدار کی ہو یا تشدد میں اقتدار کی ہو) ان دونوں صورتوں میں وہ مقتدی صرف مسبوق ہے۔ دوسری صورت میں تین رکعتوں میں



مُسْبُوق ہے۔ اور تیسری صورت میں چاروں رکعتوں میں مسبوق ہے چنانچہ اس پر مسبوق کی تعریف صادق آتی ہے والمُسْبُوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها (در مختار) لہذا یہ مقتدی اقتدار سے علیحدہ ہو کر منفرد ہو جائے گا۔ اس کو چاہئے کہ پہلی رکعت میں شہادتین اور فاتحہ و سورت پڑھے۔ اور اگر مسبوق تمام رکعات کا ہے تو دو رکعت سورت کے ساتھ پڑھے اور دو رکعت باقی ماندہ میں (خواہ مسبوق ثلاث رکعات ہو یا ربع رکعات) صرف فاتحہ پڑھے۔ در مختار میں ہے والمُسْبُوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكوافيتها مفتاح السعادة فيما يقضيه أي بعد متابعتها لإمامه اور عالمگیری میں ہے وتجب الطائفة الثانية إلى مكان صلواتهم فمن كان مسافراً يصلي ركعة بقراءة لاند مسبوق ومن كان مقيماً يصلي ثلاث ركعات الأولى بفاتحة الكتاب وسورة لاند كان مسبوقاً فيهما وفي الآخر بين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلماً احکم۔

املاہ بلسانہ۔ خلیل احمد عفی عنہ

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۳ھ

الجواب صحیح : عنایت الہی عفی عنہ

فتویٰ مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کا خط

شیخ رشید احمد صاحب دہلوی کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم ————— انرا بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ

بخدمت بابرکت جناب شیخ رشید احمد صاحب مد فیضہم۔ بعد ہدیہ سلام مسنون عرض ہے۔ آپ جو تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتدار مقیم خلف المسافر چھوڑ گئے تھے ان کو دیکھا اور اصل روایت عالمگیری کو بھی دیکھا، صلوٰۃ الخوف میں فتح القدیر اور خود شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ حکم خلاف قاعدہ کلیہ جو کہ مسبوق لاحق کے لئے مقرر ہے جس کی تفصیل میں نے پہلے لکھی ہے شاید صلوٰۃ خوف کے لئے خاص ہے۔ یا بنا بر ثانیہ روایت کے ہے جو اقتدار مقیم خلف المسافر میں ہے جسکو بعض مشائخ نے اعتبار فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مقیم خلف المسافر اپنی دو رکعت باقی ماندہ کو قرأت سے پوری کر لے۔ مگر یہ خلاف اصح ہے۔ کذا فی الہدایۃ وغیرہا۔ باقی عالمگیری میں علی الروایات لکھا کہ یہ مطلب ہے کہ اس موقع صلوٰۃ خوف میں جملہ روایات اسی طرح ہیں کہ طائفہ ثانیہ اپنی رکعات قرأت سے پوری کرے،

عہ فی الشامیۃ تحت (قوله لا ینہک لاحقون) وعمر کلامہ المقیم خلف المسافر حتی یقضى ثلاثاً بلا قراءة

ان کان من الطائفة الاولى بقراءة ان کان من الثانية ۱۳ رشید احمد لدھیانوی



اگرچہ قاعدہ مسبوق لاحق کے خلاف ہے۔ مگر اتباع روایت سے یہ حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور عالمگیریہ میں ایک رکعت کو فاتحہ اور سورت سے پڑھنے کے بعد یہ لکھنا ”لانہ کان مسبوقا فیہا“ اس کا مؤید ہے کہ مسبوق صرف اسی ایک رکعت میں ہے ورنہ آخر میں لکھتے ”لانہ مسبوقا فیہا“ اے فی جمیع الركعات اور قاعدہ کلیہ جو احقر نے شامی کے حوالہ سے نقل کیا تھا اس کو صاحب فتح القدیر نے بھی مسبوق و لاحق کی بحث میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص مسبوق بھی ہو اور لاحق بھی وہ حسب ترتیب عرض کردہ احقر رکعات کو پورا کرے گا اور جو تطبیق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے تحریر فرمائی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس میں تامل ہے۔ میں نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب و مولانا النور شاہ صاحب کو بھی دکھلایا۔ سب حضرات نے بعد غور یہی فرمایا کہ اقتضاء قاعدہ کلیہ کا وہی ہے جو پہلے لکھا گیا۔ بندہ اسی تامل میں تھا کہ پرسوا ایک صاحب حافظ عبدالرحمن منڈاوری نے وہی سوال بعینہ لکھ کر اسکے نیچے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب نقل کیا ہے جو مطابق جواب احقر کے ہے مع قلیل تغیر کے بندہ نے ان سے بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ آپ کے پاس اصل فتویٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا موجود ہے یا آپ نے کہیں سے نقل کیا ہے۔ اگر موجود ہو تو اسکو بھیج دیجئے بعد ملاحظہ واپس کر دیا جائے گا۔ سوال و جواب ان کا بعینہ بغرض ملاحظہ مرسل ہے۔ ان کی غرض بھی اختلاف کا رفع کرنا ہے۔ کیونکہ انھوں نے ایک دوسرا جواب اسکے خلاف کتاب علم الفقہ سے نقل کیا ہے وہ سب مرسل خدمت ہیں۔ انتہی۔

خط از اصل مجیب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ۔ بنام شیخ رشید احمد صاحب ہلوی عنایت فرمایم جناب شیخ رشید احمد صاحب

السلام علیکم۔ عنایت نامہ مع تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتدار مقیم بالمسافر پہنچا۔ میں نے بغور ان تمام تحریرات کو دیکھا، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تمام بڑے اور چھوٹے حضرات کو اس مسئلہ میں درمختار اور شامی کی اس عبارت سے جو مسبوق و لاحق کی بحث میں لکھی ہے دھوکہ واقع ہوا ہے۔ وجہ اس اشتباہ کی یہ ہوئی کہ فقہاء نے مقیم خلف المسافر کے مسئلہ کو اس قدر مختلف مواقع اور مظان بعیدہ میں لکھا ہے کہ جن کی طرف انساب خیال نہیں ہوتا، چنانچہ صلوۃ الخوف اور سجدہ سہو اور صلوۃ المسافر اور بحث مسبوق و لاحق وغیرہ میں اس مسئلہ کو لکھا ہے۔ چونکہ تبادر اس مسئلہ میں بحث مسبوق و لاحق کی طرف ہے۔ لہذا اس مجمل عبارت کو دیکھ کر حضرت



مفتین اکتفا فرما لیتے ہیں اور دوسرے مواقع غیر متبادرہ کی طرف التفات اور تتبع کی نظر نہیں فرماتے پہلے خود میرا مسلک بھی اس عبارت کی بنا پر وہی تھا جو اور سب حضرات کا ہے لیکن غور کر نیچے بعد میرے خیال میں تغیر واقع ہوا اور یہ خیال ہوا کہ مقیم خلف المسافر جبکہ پہلی رکعت میں اقتدار کرے تو باعتبار رکعتین آخرین کے بحق قرارة بحکم لاحق ہے لیکن جب کہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں اقتدار کرے تو ان دونوں صورتوں میں وہ منفرد محض بحکم مسبوق ہے اور بحکم لاحق بالکل نہیں ہوتا چونکہ اس مسئلہ میں متعدد حضرات علماء میرے اس خیال کے خلاف ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنا مدعا مع تمام استدالات کے مفصلاً لکھ کر حضرات علماء کرام کی خدمت میں پیش کر دوں اور التماس کروں کہ اگر یہ صحیح ہے تو قبول فرماویں ورنہ جو امر صحیح ہو اور محقق ہو بدلائل مطلع فرمادیں کہ بندہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول حق سے ذرا بھی انحراف و انکار نہ ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق وسیلۃ ازمۃ التحقيق۔

محل نزاع یہ ہے کہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ رباعی میں خواہ وہ پہلی رکعت میں اقتدار کرے یا دوسری میں یا تشہد میں وہ باعتبار رکعتین آخرین مسبوق ہے یا لاحق، یا لاحق اور مسبوق دونوں کے پس واضح ہو کہ تصریحات محققین فقہاء سے ثابت ہے کہ مقیم خلف المسافر اگرچہ اس نے رکعت اولیٰ میں اقتدار کی ہو نہ حقیقۃً مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق۔ بلکہ بعض فقہاء اسکو مثل مسبوق کے کہتے ہیں، اور بعض مثل لاحق کے، اور قول اول کو محققین فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے۔ اول تو لفظ مسبوق اور لفظ لاحق کا مدلول اور ان کی تعریف خود اس پر دال ہے۔ کیونکہ مسبوق وہ ہے جس کا امام اس سے پہلے کُل یا بعض رکعات ادا کر چکا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم و تعریف خلف المسافر پر باعتبار رکعتین آخرین صادق نہیں آتی اور لاحق وہ ہے جو اپنی فوت شدہ رکعات جو بعد اقتدار امام کے کسی وجہ سے فوت ہو گئی ہوں ادا کر کے امام کے برابر ہو جاتا ہے اور مقیم خلف المسافر پر یہ مفہوم بھی صادق نہیں آتا، کیونکہ اس نے بقدر صلوٰۃ امام کے نیت اقتدار کی تھی اس کو پورا کر دیا اور اس میں سے کوئی رکعت فوت نہیں ہوئی اور رکعتین آخرین نہ امام کی نماز میں تھیں اور نہ اس نے انہیں اقتدار کی تھی اور نہ وہ امام کی معیت و متابعت سے ہوئیں۔ لہذا یہ مقیم حقیقۃً لاحق بھی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں عبارات فقہاء رحمہم اللہ اس پر شاہد ہیں۔ درمختار کے باب سجود السہو میں لکھا ہے والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعداً فلیقضی ما فاتہ ولو سہا فیہ یسجد ثانیاً وکذا لاحقاً لکنہ یسجد فی آخر صلاۃ ولو سجد مع امامہ اعادہ والمقیم خلف المسافر کا مسبوق و قیل کا لاحق۔ علامہ طحاوی اس پر لکھتے ہیں۔ قوله کا مسبوق فیلزمہ السجود و صححہ فی



البدائع لاننا انما اقتدی بالامام بقدر صلوة الامام فاذا انقضت صلوة الامام صلنا منفرداً  
 فيما وراء ذلك وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين وقرأ الامام فيهما (بحر)  
 اس عبارت سے ہر سہ مسبوق ولاحق و مقيم خلف المسافر کا باہم تقابل اور نیز تشبیہ و مماثلت واضح  
 دلیل ہے کہ مقيم خلف المسافر نہ حقیقہً مسبوق ہے اور نہ حقیقہً لاحق۔ البتہ بعد اختتام صلوة امام  
 منفرد ہو جاتا ہے جیسا کہ مسبوق بھی منفرد ہو جاتا ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ جب  
 اس کو رکعتیں میں منفرد قرار دیا تو اس صورت میں ترک قرارة کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ فرض قرارة  
 رکعتیں اولیین میں اس کی طرف سے امام ادا کر چکا ہے اس وجہ سے وہ اس جگہ قرارة ترک کرے۔ اور بدائع کی  
 عبارت یہ ہے۔ واما المقيم اذا اقتدى بالمسافر ثم قام الى اتمام صلاته وسها هل يلزمه سجود السهو  
 ذكره في الاصل وقال انه يتابع الامام في سجود السهو واذا سها فيما يتم فعليه سجود السهو ايضاً وذكر  
 الكرخي في محضره انه كالا حق لا يتابع الامام في سجود السهو واذا سها فيما يتم لا يلزمه سجود السهو لاننا  
 مدارك اول الصلوة فكان في حكم المقتدى فيما يؤديه بتلك التحريم كالا حق ولهذا لا يقرأ  
 كالا حق و الصحيح ما ذكر في الاصل لانه ما اقتدى بالامام الا بقدر صلوة الامام فصار منفرداً فيما  
 وراء ذلك وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين وقد قرأ الامام فكانت قراءة  
 له۔ اور صاحب رد المحتار نقلاً عن البحر تحریر فرماتے ہیں۔ قوله والمقيم الخ ذكر في البحران  
 المقيم المقتدى بالمسافر كالمسبوق انه يتابع الامام في سجود السهو ثم يستقل بالامام۔  
 واما اذا قام الى اتمام صلوة وسها ذكر الكرخي انه كالا حق فلا سجود عليه بدليل  
 انه لا يقرأ وذكر في الاصل انه يلزمه السجود و صححه في البدائع لاننا اقتدى بالامام بقدر  
 صلوة الامام فاذا انقضت صار منفرداً وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين  
 وقرأ الامام فيهما ان عبارات سے مقيم مقتدى بالمسافر کا حقیقہً مسبوق ولاحق نہونا واضح ہو گیا  
 نیز یہ بھی صاحب رد المحتار بعد نقل عبارات تحریر فرماتے ہیں۔ قال في النهرويه هذا علم انه  
 كالا حق في حق القراءة فقط۔ اس عبارت نے مسئلہ کے چہرہ سے بالکل پردہ اٹھا دیا اور  
 اس سے ثابت ہو گیا کہ اس کا ترک قرارة کرنا اس کے حکم مسبوق ہونے کے مزاحم نہیں۔ بلکہ اس  
 کو حکم لاحق صرف قرارة کے بارے میں قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تمام احکام میں وہ مثل مسبوق کے  
 منفرد ہے۔ ان عبارات نے واضح کر دیا کہ وہ منفرد ہو کر پہلے رکعات اخیرہ کو مثل مسبوق کے ادا

سہ یعنی اولیین کو جو بحکم لاحق قرار دینے والوں کے خیال میں اخیرہ ہیں۔ ۱۲ رشید احمد



کرے گا۔ نہ مثل لاحق کے۔ اسی مضمون کو صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں و اذا صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلم واقم المقيمين صلاتهم لان المقتدى التزم الموافقة في الركعتين فينصرف في الباقي كالمسبوق الا ان لا يقرأ في الاصح لان مقتد تحريمه لا فعلا والفرض صلا مؤدا فيتركها احتياطاً بخلاف المسبوق لان ادراك قراءة نافلة فلم يتأد الفرض فكانت الايتان اولى۔ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے اعتراض مذکور کے جواب میں اپنی عادت کے موافق راہ تدقیق اختیار کی ہے اور ترک قراۃ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مقيم خلف المسافر باعتبار تحريمه کے مقتدى ہے اور باعتبار فعل کے غير مقتدى۔ تحريمه اقتدار پر نظر کر کے اس کو قراۃ پڑھنا جبکہ امام کی اول صلوٰۃ کا ادراک کر چکا ہو مکروہ تحریمی ہے اور فعلاً غير مقتدى ہونے پر نظر کر کے اس کے لئے قراۃ مستحب ہے اور جبکہ فعل مستحب و حرام میں دائر ہوا تو اس کا ترک احتیاطاً لازم ہوا۔ بخلاف مسبوق کے کہ اس نے فرض قراۃ کو نہیں پایا بلکہ قراۃ نافلہ کا ادراک کیا ہے۔ لہذا اس کو ترک قراۃ ناجائز ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ قوله احتياطاً فان بالنظر الى الاقتداء بتحريمه حين ادركوا اول صلوٰۃ الامام يكره القراءة تحريماً وبالنظر الى عدمه فعلاً اذ لم يفتهم مع الامام ما يقضون وقد ادركوا فرض القراءة تستحب واذا دار الفعل بين وقوعه مستحباً او محرماً لا يجوز فعله بخلاف المسبوق فانه ادرك قراۃ نافلة اگرچہ عبارات بدائع اور طحطاوی اور شامی وغیرہ سے واضح تھا مگر ہدایہ کی عبارت نے بہت زیادہ وضاحت کر دی کہ وہ مقيم خلف المسافر جس نے تحریم میں اقتدار کی ہو، ہر دو رکعت اخیرہ میں مثل مسبوق منفرد ہے اور بقول صحیح لاحق نہیں اور باوجود منفرد ہونے کے اس کو بوجہ ایک عارض کے ترک قراۃ کا حکم ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اس کا ترک قراۃ اس کے لاحق ہونے کو مقتضی نہیں اور اس کی لاحق کے ساتھ مماثلت صرف حکم ترک

عہ الظاهر ان هذا ليس قيداً للكرهية القراءة بالنظر الى الاقتداء بتحريمه لان من لم يدرك اول صلوٰۃ الامام بل ادرك الركعة الثانية او التشهد فهو ايضا مقتد بتحريمه قراۃ واللہ اعلم لان المقصود ههنا بيان حكم مدارك الامام المسافر في الركعة الاولى لان المدرك بعد هاليس بمقتد تحريمه۔ فالقيد لبيان الواقع لا للاحتراز و لما كان ذلك كذلك لا يرد عليه انه يقتضي ان لا يقرأ في الاخيرين المقيم المقتدى بالمسافر بعد الاولى ايضاً وكن المقتدى بالمقيم اذا كان مسبوقة بثلاث ركعات فصاعداً ويمكن الجواب باننا لما اسقطنا اعتبار الاقتداء بتحريمه لاداء القراءة الواجبة في الاوليين لا يبعد اعتبارها في الاخيرين۔ واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد لدھیانوی



قرارة میں ہے نہ دوسرے احکام میں۔ کیونکہ دوسرے احکام میں یہ شخص منفرد مثل مسبوق ہے نیز یہ حکم ترک قرارة مخصوص اس مقيم مقتدی بالمسافر کے ساتھ ہے جس نے اپنے امام کی تحریمہ میں اقتدار کی ہے۔ اور جس نے تحریمہ میں اقتدار نہیں کی اور ادراک اول صلوٰۃ امام کا نہیں کیا بلکہ رکعت ثانیہ یا تشهد میں شریک ہوا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ وہ بھی ترک قرارة کرے بلکہ اس کے لئے قاعدہ مذکورہ کے موافق قرارة کرنا مستحب ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے قرارة سے مانع تحریمۃ اقتدار تھا اور مسبوق برکعت یا برکعتین کے حق میں وہ مانع مرتفع ہو گیا جو موجب کراہت تحریم قرارة تھا۔ صرف استحباب باقی رہا۔ علاوہ ازیں اس پر اور متعدد عبارات و روایا دلالت کرتی ہیں۔ فتح القدیر کی صلوٰۃ الخوف میں ہے۔ قولہ لا تلزم مسبوق ویدخل فی حکمہ المقیم خلف المسافر حتی یقضی ثلاث رکعات بلا قرارة ان کان من الطائفة الاولى وبقراءة ان کان من الثانية۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے وان کان الامام مسافراً والقوم مقيمين ومسافرين صلى الامام بالطائفة الاولى ركعة ثم انصرفوا بازاء العدو وجاءت الطائفة الثانية وصلى بهم ركعة فمن كان مسافراً خلف الامام بقى الى تمام صلاة ركعة ومن كان مقيماً بقى الى تمام صلاة ثلاث ركعات ثم ينصرفون بازاء العدو ورجع الطائفة الاولى الى مكان الامام فمن كان مسافراً يصلى ركعة بغير قراءة لانه مدرک اقل الصلوٰۃ ومن كان مقيماً يصلى ثلاث ركعات بغير قراءة في ظاهر الرواية فاذا تمت الطائفة الاولى صلا تهم ينصرفون بازاء العدو وتجيئ الطائفة الثانية فمن كان مسافراً يصلى ركعة بقراءة لانه مسبوق وان كان مقيماً يصلى ثلاث ركعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانه كان مسبوقاً فيها وفي الاخرين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها۔ اس عبارت عالمگیریہ میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے جو اشکال پیش کیا ہے اور فرمایا ہے لانه كان مسبوقاً فيها کو مقدم بیان کیا ہے۔ اگر رکعتین آخرین میں بھی مسبوق ہوتا تو یہ دلیل اس موقع پر نہ بیان کی جاتی بلکہ وفي الاخرين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها کے لکھنے کے بعد لکھی جاتی۔ اس اشکال کا جواب بندہ ناچیز کی تحریر سے بالکل صاف اور واضح ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جس کے بعد دلیل لانه كان مسبوقاً فيها لکھی ہے وہ شخص حقیقۃً مسبوق ہے۔ اس لئے اس کے بعد یہ دلیل لکھی اور چونکہ رکعتین آخرین میں حقیقۃً مسبوق نہیں اس لئے اس کے بعد یہ دلیل نہ لکھی اگر رکعتین کے بعد یہ دلیل لکھی جاتی



تو واہمہ پیدا ہوتا کہ مقیم تینوں رکعتوں میں حقیقتہً مسبوق ہے والحالہ اندلیس کذلک  
 کما حققناہ من قبل۔ بندہ کی گزشتہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ مقیم خلف المسافر حقیقتہً  
 مسبوق ہے نہ حقیقتہً لاحق بلکہ وہ رکعات باقیہ میں منفرد بحکم مسبوق ہے پس جن عبارات  
 میں اس کو لاحق یا مسبوق کہا گیا ہے وہ اطلاق مجاز ہے۔ چنانچہ درمختار بحث لاحق و مسبوق  
 میں لکھا ہے واللہ لاحق من فاتتہ الركعات کلھا او بعضها بعد رکعة واحدة ورحمة اوسبق  
 حدث ومقیم اثم بمسافر اور شامی میں ہے ومقیم اثم الخ ای فہو لاحق بالنظر  
 الی الاخیرتین وقد یكون مسبوقاً ایضاً کما اذا فاتتہ اولی صلاة امامہ المسافر  
 (طحطاوی) ان دونوں عبارتوں میں مقیم مقتدی بالمسافر پر لفظ لاحق اطلاق ہوا ہے۔  
 پس یہ اطلاق مجاز ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حکم ترک قراۃ میں بمنزلہ لاحق ہے۔ یہ  
 عبارت ہے جس سے مفتی صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند مولانا عزیز الرحمن صاحب سلمہ نے  
 کہا ہے کہ مقیم خلف المسافر خواہ اس نے تحریمہ میں اقتدار کی ہو یا بعد فوت رکعت بہر حال  
 بجمیع احکام لاحق ہے اور دعویٰ فرمایا ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے اور بطور شبہہ یہ بھی فرمایا ہے کہ صلوة الخوف  
 میں جو حکم لکھا ہے وہ شاید صلوة الخوف کے ساتھ خلاف قاعدہ کلیہ مخصوص ہو مگر دعویٰ  
 کلیۃ قاعدہ اور دعویٰ اختصاص محتاج دلیل ہے۔ حالانکہ اسکے مثبت کو دلیل نہیں ہے۔  
 علاوہ ازیں عبارات وتصریحات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ قضیہ جزئیہ ہے جس سے  
 مراد وہ مقیم ہے جس نے رکعت اولیٰ میں اقتدار کی ہو اور جو مسبوق برکعت یا برکتین ہو وہ  
 قطعاً اس میں داخل نہیں۔ نیز طحطاوی مطبوعہ مصر کی عبارت سے صاف واضح ہے۔  
 قوله ومقیم اثم بمسافر فہو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یكون مسبوقاً کما اذا  
 فاتتہ اولی صلاة امامہ المسافر۔ مقیم مقتدی بالمسافر کی دو حالتیں بیان کیں۔ اول وہ کہ جس  
 نے پہلی رکعت میں اقتدار کی ہو اس کو باعتبار رکعتین اخیر میں کے لاحق فرمایا۔ دوسری حالت  
 وہ ہے جس کو اول صلوة امام مسافر فوت ہو چکی ہو خواہ دوسری رکعت میں یا تشہد میں اقتدار  
 کی ہو اس کو صرف مسبوق قرار دیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مقیم اثم بمسافر قاعدہ کلیہ نہیں ہے  
 بلکہ مقیم اس جگہ وہ مراد ہے جس نے اول رکعت میں اقتدار کی ہو۔ چنانچہ اسی طرف بندہ نے  
 اپنی پہلی تحریر میں اشارہ کیا تھا۔ اور شامی نے طحطاوی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے مگر اصل  
 کے خلاف اس میں لفظ ایضاً زائد ہے طحطاوی میں ہے وقد یكون مسبوقاً اور شامی میں نقلاً



عن الخطاوی ہے۔ وقد يكون مسبوقاً ايضاً اور یہ لفظ ايضاً موجب خلعان اور موتہم خلاف مقصود تھا اسکی بھی توجیہ کر دی ہے کہ بشرط تسلیم مزاحم مقصود نہیں۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے اسکی توجیہ نہیں فرمائی۔ بعض اذکیار کا یہ خیال بھی سموع ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت علی خلاف القیاس ہے۔ لہذا اس پر دوسری نمازوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ توجہ حکم صلوٰۃ الخوف میں ہے ضروری نہیں کہ دوسری نمازوں میں بھی ہو۔ دیکھو چلنا پھرنا وغیرہ افعال صلوٰۃ الخوف میں مشروع ہیں اور دوسری نمازوں میں غیر مشروع بلکہ منفسد صلوٰۃ ہیں۔ جواب اس منع کا یہ ہے کہ یہ منع اسوقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے جب استدلال صرف صلوٰۃ الخوف سے ہو اور فی الحقیقت استدلال ان روایات سے ہے جنہیں مقیم خلف المسافر کو مثل مسبوق قرار دیا گیا ہے اور روایات صلوٰۃ الخوف بطور تائید و تقویت لکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ الخوف میں جو افعال من غیر جنس صلوٰۃ جائز کئے گئے ہیں وہ افعال ہیں جن کی بوقت خوف ضرورت پڑتی ہے یہ ہرگز نہیں کہ تمام افعال صلوٰۃ خوف خلاف قیاس بضرورت مشروع ہوئے ہیں اور افعال مجبوث فیہ ان افعال میں سے نہیں ہیں جن کی مشروعیت بضرورت خوف خلاف قیاس ہوئی ہو۔ لہذا یہ خیال بھی اس بحث میں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ معہذا بالفرض و التسلیم کوئی حکم معدول عن القیاس بدون نص نہیں ہو سکتا تو لامحالہ ایسی نص کا موجود ہونا ضروری ہے جو صلوٰۃ الخوف میں حکم لاحق کے لئے صارف عن القیاس ہو۔ اگر کسی صاحب کو معلوم ہو تو براہ کرم مجھ کو بھی مطلع فرما کر شکر گزار احسان فرمائیں حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں ایک فتویٰ جس کو حضرت سیدی و مولائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ایک علم الفقہ کا جواب جو غالباً مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تالیف ہے نقل فرمایا ہے۔ جب ایک حکم روایات فقہیہ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہو گیا تو ان کے متعلق کچھ لکھنے اور عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ بلسنہما الاحقر خلیل حمد وفقہ اللہ لتزود غدا

اقول ونقل عن العلامة المحدث محمد ہاشم السنوی (قدس سرہ) مثل قول مولانا خلیل حمد (قدس سرہ) وزاد فیہ جواب شہتہ ونصہ فان قلت قد ذکر ایضاً صاحب المحیط والسراج والجمهور ان الامام اذا جعل لناس فی صلوٰۃ اربع طوائف فصلی لكل طائفة رکعة فصلوۃ الاول والثالث فاسدۃ لانہم انصرفوا عن القبلة فی غیر اوان الانصراف و صلوٰۃ الثانیۃ والرابعۃ صحیحۃ و یقرأ کل طائفة فیما سبقت ولا یقرأ فیما لحقت فاذا عادت الطائفة الثانیۃ صلوٰۃ الرکعة الثالثۃ

عہ یعنی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کما سیاتی عن امداد الفتاویٰ ۱۲ رشید احمد



والرابعة بغیر قراءۃ لانہم فیہا لاحقون ثم الركعة الاولى بقراءۃ لانہم فیہا مسبوقون فكان هذا مناقضا لما ذكرتموه أولا (رای الروایۃ النخاوردھا مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ من الہندیۃ نقلھا المخذوم رحمہ اللہ من الجوهرة والحیط والظہیریۃ والخزانۃ) قلنا لا منا قضاۃ لان هذه المسألة الاخيرة مصورة فيما اذا كان الامام والمقتدون مقيمين كما صرح به في تلك الكتب فكان ذلك مسألة المسبوق صلا لا حقا بخلاف ما ذكرنا اولاً فانه مصور فيما اذا كان الامام مسافرا والمقتدى المسبوق مقيما۔ فكان اختلاف الاجوبة لاختلاف موضوع المسألة فليتأمل اه  
ارسل الى تحریر المخذوم قدس اللہ تعالیٰ سرہ مولانا احمد الہالائی ناقلًا عن کراستہ ابيه  
مولانا محمد الہالائی رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔ اسکے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اسکے بعد مسافر امام کا اقتدار کیا ہو۔ مدرسہ سہارنپور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے تو یہ شخص اپنی نماز میں قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے (یعنی جن میں قراءۃ فرض ہے آخرین میں قراءۃ فرض نہیں مندوب ہے۔ رشید احمد) اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے اسلئے غیر قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر ادلی کہتا تھا وہ فتویٰ سہارنپور میں واجب ہے اور جس کو بندہ اولی کہتا تھا وہ اس فتویٰ میں ناجائز ہے اور فتویٰ دیوبند موافق مشہور کے ہے۔ ناظرین اسکی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کر لیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً وعادۃً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جائے۔ اور یہ موافق ہوگا میرے قول اول یعنی ہر دو کے جواز کے جسکے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کیلئے متعین ہو جاوے گی اور ازلہ جانبین کے بعض تو استنباطات ہیں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں۔ چنانچہ مظاہر العلوم کی دلیل عالمگیر یہ کی صلوۃ الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول سوال میں مذکور ہے جس میں یہ عبارت ہے۔ وتجنّی الطائفة الثانية الى مكان صلواتهم فيصلون ثلاث ركعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانهم مسبوقون فیہا والاخریین بفاتحة الكتاب جس سے معلوم ہوا کہ غیر ادلی میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور دارالعلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے وقد یكون رای المقیم



المؤثر بالمسافر) مسبوقاً ايضاً كما اذا فاتت اول صلوة امامه المسافر طرماً ۱۲ ج ۱، احكام المسبوق والمدرك واللاحق۔ مگر مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے (نقلہا الشافعی: رشید احمد) جو فصل ہذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے والمسبوق ان ادرك ركعة من الشفع الاول فهو من اهل الاول والا فمن الثانية (ج ۱ ص ۸۸۶ صلوة الخوف) یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم (کہ شفعہ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفہ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس کو قرارت سے منع کیا گیا۔ چنانچہ طائفہ اولیٰ بقیہ نماز میں قرارت نہیں کیا کرتا ہے لہذا لاحقہ حقیقۃً کمدرك الركعة الاولى او حکماً کمدرك الركعة الثانية من الشفعة الاولى) اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقۃً کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قرارت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا۔ اسی طرح عالمگیریہ کا یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قرارت کرے اسکے عدم لاحقیت حقیقۃً کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قرارت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً لاحق کہیں اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہیں گے اور جب نہر کا حکم صلوة الخوف کیساتھ خاص ہوگا عدم التعدیۃ اسی طرح عالمگیریہ کے حکم کو بھی صلوة الخوف کیساتھ مخصوص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہونگے جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیہ مقیم خلف المسافر صلوة الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی۔ پس وہ مقدمہ کہ صلوة خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہو گیا ۱۲ (حاشیہ امداد الفتاویٰ مبوب ج ۱ ص ۳۵)

**اقول** نہر کے جزئیہ کا یہ مطلب نہیں کہ رکعت ثانیہ میں شریک ہوئیو الا باقی تینوں رکعتوں میں قرارت نہ کرے اور اس حکم میں وہ طائفہ اولیٰ کی طرح ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ذہاب و ایاب میں اور ترک القراءة فی الاخرین میں طائفہ اولیٰ کے حکم میں ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی و ہذا ظاہر جداً۔ فتح القدیر کے دو جزئیہ بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

ولو جعلهم ثلاث طوائف (ای فی صلوة المغرب) و صلی بکل طائفة ركعة فصلاة الاولى فاسلة وصلوة الثانية والثالثة صحيحة والمعنى ما قد منا وتقضى الثانية والثالثة اولاً بقراءة لا نهمه حقون فيها وتشهد واثم الركعة الاولى بقراءة لا نهمه مسبوقون (وبعد سطرین) ولو جعلهم اربعاً فی الرباعية و صلی بکل ركعة فسدت صلوة الاولى والثالثة دون الثانية والرابعة ثم تقضى الطائفة الثانية والثالثة والرابعة اولاً بغیر قراءة ثم الاولى بقراءة



والطائفة الرابعة تقضى ركعتين بقراءة ويتخير في الثالثة لانهم مسبقون بثلاث ركعات (فتح القدير ج ۱ ص ۴۴۴) وكذا في الهندية ايضاً - مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہ کے فتویٰ میں بھی یہ جزئیہ محیط اور سراج و جوہرہ سے گزر چکا ہے۔

نیز نہر کا یہ جزئیہ مقیم خلف المسافر سے متعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ خلف المسافر مدرک رکعت ثانیہ طائفہ ثانیہ سے ہوگا۔ اسے طائفہ اولیٰ سے شمار کرنے کے کوئی معنی نہیں اور یہ ”والا داعی ان لم يدرك الركعة الثانية“ کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لئے کہ اگر نہر کے جزئیہ کو خلف المسافر سے متعلق کہا جائے تو یہ بعینہ عالمگیریہ کے جزئیہ کا مفہوم ادا کرے گا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے گا۔ حالانکہ دونوں کے حکم میں تباین کلی ہے کہ نہر کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں ترک قرارة کا حکم متصور ہے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں قرارة کرنے کا حکم ہے۔ غرضیکہ نہر کا جزئیہ نہ ہی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی خلف المسافر ہونے میں عالمگیریہ کے جزئیہ کے ساتھ مشترک ہے۔ پس مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے جزئیہ سے جو شبہ پیدا ہو گیا تھا وہ مرفوع ہو گیا۔ علاوہ ازیں سہارنپور کی تحقیق میں صلوٰۃ الخوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے دلائل ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی تصریح کے مطابق اصل دلائل دوسرے ہیں۔ صلوٰۃ الخوف کا جزئیہ محض تائیداً لکھا گیا ہے اسکے مقابلہ میں دارالعلوم کی دلیل کا جواب مظاہر العلوم کی تحریر میں موجود ہے۔ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہ کے جواب کا مظاہر العلوم کے جواب سے موافق ہونا اور گزر چکا ہے۔ پس جب تحقیق ادلہ سے مظاہر العلوم کا جواب راجح ثابت ہو گیا تو عمل اور تعلیم کے لئے یہی متعین ہوگا۔ فقط واللہ الحمد علی توفیقہ لہذا التحریر وهو علی ما یشاء قدیر فانتہی وتفکر وعلی الحق لا یعلو فتشکر۔ وھذا ما جاء فی فہم ھذا الفقیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر۔

رشید احمد

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۱۲۹۹، جبری



## باب مفسدات الصلوة والمکروہات

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم :

سوال :- نماز میں بحالت سجدہ اگر دونوں پیر زمین سے جدا ہو جائیں تو فسادِ صلوٰۃ کے حکم سے واجب الاعادہ ہے یا نہیں ؟ نیز اگر فسادِ صلوٰۃ کا حکم ہے تو کس بنا پر مع الدلیل تفصیل وار جواب طلب ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بحالت سجدہ پاؤں زمین پر رکھنے کے بارہ میں میں قول ہیں۔ فرض، واجب، سنت۔ قول جو جامع ہے۔  
دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جسز بقدر تسبیحہ واحدہ رکھنا کافی ہے، پس اگر پوئے سجدہ  
میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جسز زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائیگا،  
اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی، واضح رہے کہ ظہر قدم  
یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائیگا، مگر مکروہ ہے، اس لئے کہ  
دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، قال ابن عابدین  
رحمہ اللہ تعالیٰ والحاصل ان المشہور فی کتب المذہب اعتماد الفرضیۃ والارجح  
من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیۃ وكذا قال فی العنایۃ والدرر انہ الحق  
ثم الاوجه حمل عدم الفرضیۃ علی لوجوب اللہ اعلم وبعداً اسطر قال فی الفیض ولو  
وضع ظہر القدم دون الاصابع بان کان المكان ضیقاً او وضع احد اھما دون الاخری  
لضیقہ جاز کما لو قام علی قدم واحد وان لم یکن المكان ضیقاً یکرہ الی قولہ المصرح بہ  
ان توجیہھا (الاصابع) نحو القبلة سنة یکرہ ترکھا کما فی البرجندی القماری المعاری ۴۶

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ



## نماز میں ستر کھل جانے کا حکم:

سوال :- ایسی صدری پہن کر نماز ہوگی یا نہیں جس سے کہ رکوع و سجود میں جاتے وقت ناف سے نیچے کا حصہ کھل جائے جس کو ڈھکنا فرض ہے، اور نماز واجب الاعادة ہے یا نہیں؟ ستر کی کتنی مقدار کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس صدری میں ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود اس میں نماز پڑھی، یا غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور رجب عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی خواہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے ستر کھلا ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر ستر کھل گیا تو اس میں یہ تفصیل ہو کہ اگر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک رجب عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار ہو یا وقت اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، جو عضو کھلا ہو اس کی چوتھائی معتبر ہے، اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر رجب ہو گیا تو مفسد ہوگا، اور اگر متعدد اعضا کھل جائیں تو سب کا مجموعہ ان میں سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کے برابر ہونا مفسد ہے، ناف کی محاذات سے لے کر عانہ تک چاروں طرف ایک ہی عضو شمار ہوتا ہے، عانہ کی ابتداء ناف سے نیچے مدور خط سے ہوتی ہے، فی شرح التنبیر وتجمع بالاجزاء لوفی عضو واحد والا فبالقدر فان بلغ رجب اذناہا کاذن منع، وفی الشامیۃ فی بیان اعضاء عورة الرجل الثامن ما بین السرة الى العانة مع ما یحاذی ذلك من الجنبین والظهر والبطن، (رحمہم اللہ ص ۳۸۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۶ محرم ۱۴۰۸ھ

## تحقیق مسئلہ بالا:

سوال :- بخدمت مخدومی حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہو مزاج سامی بعافیت ہوں گے، ایک

سوال تحقیق طلب ارسال خدمت ہے، محقق جواب ارقام نسرا کر احسان فرمایا جائے، امراض ظاہر و باطن سے شفا کے لئے دعا فرما کر مزید احسان فرمایا جائے، فقط والسلام

عبدالستار مقیم دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۱/۹۵ھ

اصلی بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ :- اگر نماز پڑھتے وقت چوتھائی پنڈلی یا چوتھائی ران..... کھل جائے اور



اتنی دیر کھل رہی تھی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکے تو نماز جاتی رہی (حصہ دوم، ص ۱۳)

اس مسئلہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ زمان کثیر کی یہ مقدار (تین بار سبحان اللہ کہہ سکتا سمجھ کر یا نہیں؟ منہ الخالق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین تسبیحات رکوع یا سجدے والی ہیں، وہ عبارت یہ ہے: (وقدر الکثیر ما یؤدی فیہ رکن) ای بسنتہ کما قید فی المنیۃ قال شارحہا ابن امیر حاج ای بمالہ من السنۃ ای بما هو مشروع فیہ من الکمال السنۃ کالتسبیحات فی الركوع والسجود مثلاً وهو تقييد غريب ووجهه قريب ولما اقت على التقييد بكونه قصيراً او طويلاً أم ای تقييد الرکن ای هل المراد منه قدر رکن طویل بسنتہ کالقعود الاخير او القيام المثل علی قراءة المسنون او قدر رکن قصیر کالركوع او السجود بسنتہ ای قدر ثلاث تسبیحات وبالثانی جزم البرهان الحلبي فی شرح المنیۃ حیث قال وذلك مقدار ثلاث تسبیحات أم فاذا دان المراد اقصر رکن دکانہ لانہ الاحوط والله اعلم (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ص ۱۲۸ ج ۱)

الغرض منیہ، کبیری، منہ الخالق وغیرہ کی عبارات سے بندہ کے فہم نارسا میں جو تحقیق آتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ائمہ ثلاثہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انکشاف عورت، قیام علی النجاستہ، تقدم علی الامام اور ان کے دیگر نظائر کا زمان قلیل کے لئے پایا جانا دفع حرج کی غرض سے معاف ہے، ہاں اگر یہ امور زمین کثیر کے لئے باقی رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی،

**زمین کثیر کی تحقیق** | زمین کثیر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: اسی حالت انکشاف وغیرہ میں بالفعل ایک رکن ادا کر لیا جائے، اور شیخین رحمہما اللہ کے

نزدیک بالفعل ادا رکن ضروری نہیں بلکہ ادائیگی رکن بالفعل یا اتنا وقت جس میں ادا رکن ہو سکے زمین کثیر ہے، اب چونکہ ارکان صلوٰۃ بعض طویل ہیں کالقعود والاخیر اور بعض قصیر ہیں کالركوع والسجود تو تحقیق مذہب شیخین کے لئے اس کی تشریح ضروری ہوئی، کہ رکن طویل کی ادائیگی بالقوة کا زمانہ معتبر ہے یا رکن قصیر کی ادائیگی کا، تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتیاطاً احتمال ثانی کو لے لیا ہے، فاذا دان المراد اقصر رکن دکانہ لانہ الاحوط (منحة) کما مر۔ لیکن اس تشریح کے باوجود مذہب شیخین میں ابھی ابہام باقی ہے، کیونکہ قصیر رکن مثلاً رکوع کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں:

- ① درجہ فرض و رکیت میں ادائیگی،
- ② تعدیل و اطمینان واجب سے ادائیگی،



۴) رکوع کے ذکر مسنون کے ساتھ اس کی ادائیگی،

ان احتمالات میں سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتمال ثالث کو متعین فرمادیا ہے، جیسا کہ منیہ وغیرہ میں مصرح ہے، درمختار و شامی میں ہے قدر اداء رکین ای بسنتہ ۱۵، البحر الرائق مع نخلة النبی میں ہے: وقد را لکثیر مایؤدی فیہ رکن ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیة ۱۵ اس تفصیل و تشریح سے مذہب شیخین یہ محقق و منقح ہوا کہ زمین کثیر اتنا وقت ہے کہ جس میں رکوع یا سجدان کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کیا جاسکے، اور یہ تین مرتبہ تسبیحات رکوع یا سجدہ کہہ سکے کا زمانہ ہے، کیونکہ رکوع و سجدہ کا ذکر مشروع و مسنون تسبیحات رکوع و سجدہ ہی ہیں، نہ کہ سبحان اللہ پس رکوع کو اس کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کرنے کا زمانہ تین بار سبحان ربی العظیم کا زمانہ ہو سکتا ہے، پس یہی زمین کثیر ہے، نماز کے بارے میں خود مصلیٰ کے لئے تسبیح کا لفظ عموماً جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تسبیحات رکوع و سجدہ ہوتی ہیں، کیونکہ نماز میں یہی تسبیح مشروع ہے، سنن صلوٰۃ میں فرماتے ہیں، والتسبیح فیہ ثلاثا، سجدہ کے متعلق فرماتے ہیں والتسبیح فیہ ثلاثا ۱۵ (درمختار) مراد یہی مخصوص تسبیح ہے، تعدیل ارکان و اطمینان کے متعلق لکھتے ہیں، ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الركوع والسجود ۱۵ (درمختار) وقال فی العنا و مقدار الطمانینۃ بمقدار تسبیحة ۱۵ و فی شرح الوقایۃ و قدر بمقدار تسبیحة ۱۵ ان عبارات میں تسبیح سے مراد تسبیح رکوع یا سجدہ ہے، نہ کہ سبحان اللہ، کما قال فی عمدة الرعاۃ، ای قدر الاطمینان الواجب بمقدار تسبیحة واحدة من تسبیحات الركوع والسجود ۱۵ (شرح وقایہ سعیدی، ص ۱۶۳) پس اسی طرح اس مقام پر بھی ثلاث تسبیحات سے مراد تسبیحات رکوع و سجدہ ہی ہوں گی، لہذا اس سے عموم مراد لیتے ہوئے اکتفاء علی الاولیٰ (یعنی سبحان اللہ) کرنا محل نظر ہے، نیز سبحانہ یا سبحانک، سبحان اللہ سے بھی مختصر ہے، پھر یہ کیوں مراد نہ لیا جائے؟

اگر کسی فقیہ نے رکن بلا سنتہ کو مقدار سبحان اللہ کیا ہے تو اس سے رکن بسنتہ کو بھی مقدار سبحان اللہ کرنا لازم نہیں آتا، کیونکہ رکن قصر کے اندر کوئی ذکر درجہ فرض واجب میں فرض واجب نہیں اس لئے خارج سے تعین سبحان اللہ کی حاجت ہوگی، لیکن قدر اداء رکن بسنتہ جس کی تشریح ای بحالہ من السنۃ ہے، اور جس کی توضیح ای بسما هو مشروع فیہ من ۲۴ الکمال السنی ہے، اور جس کی تمثیل کالتسبیحات فی الركوع والسجود ہے، اس کی تقدیر



بسم اللہ کی کیا حاجت و ضرورت ہے؟ نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان دونوں میں سے افقہ واقدم کون ہے؟ فقط

### الجواب باسم ملہم الصواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ! بخیریت ہوں، مسئلہ مرسلہ میں آپ کی تحقیق صحیح ہے، آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا کرتا ہوں، فقط والسلام علیکم

رشید احمد

۱۳ محرم ۱۴۰۵ھ

### نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم:

سوال:- نماز کی حالت میں عورت کے ٹخنے کھلے رہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہو اربع عضوین بار سبھان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور قصد اربع عضو ایک لمحہ بھی کھلا چھوڑ دیا تو نماز فاسد ہو گئی، رابع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہو یا عمدًا، تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہر حال مفسد نہیں، ٹخنے پینڈلی کے ساتھ مل کر ایک عضو ہے اور رابع عضو سے کم ہے اس لئے نماز ہو جائے گی، قال فی العلانیۃ ویمنع کشف ربع عضو قد راداء رکن بلا صنعہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو بہ فسدت فی الحال عندہم قنیۃ قال ح ای وان کان اقل من اداء رکن ام وفی الغانیۃ اذا طرح المقتدی فی الرحمۃ امام الامام اوفی صفت النساء او مکان نجس او حولہ عن القبلة او طرحوا ازارہ او سقط عنه ثوبہ او انکشف عورتہ ففیما اذا تعدد ذلك فسدت صلواتہ وان قل والآ فان اذی رکنًا فکذلک والآ فان مکث بعد ولا تفسد فی قولہم والا ففی ظاہر الروایۃ عن محمد تفسد ام رد المحتار، ص ۹، ۳ ج ۱ وقال بعد ذکر الاعضاء الثمانیۃ من عورة الرجل وفي الحرة هذه الثمانیۃ ویزاد فیہا ستة عشر الساقان مع الکعبین الخ رد المحتار، ص ۸۰ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۴۰۵ھ

### باریک دوپٹے میں نماز نہیں ہوتی:

سوال:- باریک قمیض یا دوپٹے اور پردہ عورت نے نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا



## الجواب باسم ملهم الصواب

ایسے باریک دوپٹے میں نماز نہیں ہوتی جس سے بالوں کی رنگت نظر آئے، اسی طرح قمیص میں سے عورت کے بدن کا رنگ جھلکے تو نماز نہ ہوگی، قال فی شرح التویر وللحرة جسیع بدنہا حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والكفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد (رد المحتار ص ۳۶۷) وقال فی الشامیة (قوله لا یصف ماتحتہ) بان لا یرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقیق ونحو الزجاج (رد المحتار ص ۱۷۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ربیع الاول ۱۲۸۷ھ

چست لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال :- آجکل مغرب زدہ عورتیں ایسا تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ اس میں سے مخفی اعضاء کی صورت و شکل نمایاں ہوتی ہے، کیا اس طرح عورت کو اپنے اعضاء دکھانا جائز ہے؟ اور ان کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے لباس میں نماز درست ہے؟ بینوا تو جو را

## الجواب باسم ملهم الصواب

ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے، اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام اور دیکھنا بھی حرام، اگرچہ بلا شہوت ہو، ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو اس میں اگرچہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی، عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کی چست پتلون زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ عورت نے چست کرتے کو چادر یا دوپٹے سے چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں، قال ابن عابد رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یضرب التصاقہ ای بالالیة مثلاً وقوله وتشکله من عطف السبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظاً لا یرى منه لون البشرة الا انه التصق بالعضو وتشکل بشکله فصارت شکل العضو مرئیاً، فینبغی ان لا یستعم جوار الصلوة لحصول الستراہ قال ط وانظر هل یحرم النظر الی ذلك المتشکل مطلقاً او حیث وجدت الشهوة اھ قلت سنتکلم علی ذلك فی کتاب العطر والذی یظهر من کلامہم هناك هو الاول، (رد المحتار ص ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ صفر ۱۲۸۷ھ



مرد کو نماز میں ٹخنے ڈھانکنا:

سوال :- نماز میں اگر ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو نماز میں کیا اثر پڑتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد کے لئے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ٹخنے ڈھانکنا ناجائز اور گناہ ہے، حدیث میں اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، نماز کے اندر گناہ کا ارتکاب اور بھی زیادہ برا ہے، نماز میں ٹخنے ڈھانکنا سے اگرچہ نماز ہو جائے گی، مگر متکبرین کا شعار ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور واجب الاعادہ ہے، قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی المکروہات وکذا اماہو من عادة اهل التكبر (طحاوی علی المراقی ص ۱۸۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنے ڈھانکے، ڈاڑھی کٹانے اور گانے بجانے کو ان بد اعمالیوں کی فہرست میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب آیا، (در منثور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال :- ناپاک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھی، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ کپڑا اتنا موٹا ہو کہ نیچے سے نجاست نظر نہ آتی ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولو کان رقیقاً وبسطہ علی موضع نجس ان صلح سائر اللعورة تجوز الصلوٰۃ کافی البحر عن الخلاصة (رد المحتار ص ۳۷، ۳۸ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۶ شوال ۹۶ھ

ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا:

سوال :- کسی ناپاک جگہ پر شیشہ کا تختہ بچھا کر اس پر نماز پڑھ لی تو درست ہے یا نہیں جبکہ

شیشہ کے نیچے کی ناپاکی نظر آتی ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي القنية لوصلي

علی زجاج یصف ماتحتہ قالوا جميعاً يجوز اھ (رد المحتار ص ۳۷، ۳۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الآخر ۹۶ھ



وترکی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی:

سوال:- بھولے سے دو ترپڑھ کر سلام پھیر دیا، اور نفلوں کی نیت باندھ لی، پھر یاد آیا کہ دو رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً نیت توڑ کر کھڑا ہو گیا، اور ایک رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی، تو وتر ہوتے یا نہیں؟ یا پھر سے پڑھنا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر دو بارہ پڑھنا واجب ہے، البتہ اگر نفل کی نیت نہ باندھی ہوئی اور بھی کوئی کام و کلام مفسد نماز نہ کیا ہو تا تو سجدہ سہو کر کے نماز صحیح ہو جاتی، قال فی الہندیۃ ومن صلی من المغرب رکعتین وقد قدر التشہد وزعم انه اتہا فسلم ثم قام فکبر ونوی الدخول فی سنۃ المغرب وقد سجد للسنۃ اولاً فصلوۃ المغرب فاسدۃ لانه صار متقللاً من الفرض الی النفل قبل فراغہ، اما اذا سلم وتذکر انه لم یتم فحسب ان صلواتہ فسدت فقام وکبر للمغرب ثانیاً وصلی ثلاثاً ان صلی رکعۃ وقد قدر التشہد اجزاء المغرب والا فلا (عالمگیریہ ص ۱۰۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ

فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا:

سوال:- زید نے بھولے سے فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اور دعا میں مشغول ہو گیا، اللہم انت السلام الخ پڑھنے پایا تھا کہ یاد آیا کہ تین رکعت پر سلام پھیرا ہے فوراً کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر دی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ نہ قبلہ سے سینہ پھرا اور نہ کسی سے گفتگو کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۴ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ

نماز ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے:

سوال:- زید نے نماز کا ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ بکرا گے سے نکل گیا، تو بکر گنہگار ہو گیا یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے، لہذا بکر گنہگار ہوگا، تو کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب :- اس سورت میں بکر گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ



الحرم الشريف

نمازیں ڈکار آنا،

سوال :- دورانِ نماز اگر ڈکار آجائے جس سے آواز پیدا ہو، تو نماز درست ہوگی؟ بینوا تو حجل

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز درست ہو جائے گی، مگر حتی الامکان آواز کو روکنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ شعبان ۱۲۹۲ م

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال ۱۔ زید نے وضو کرنے کے لئے آستین چڑھائی تھی، اب رکعت جانے کے خوف سے

جلدی میں بغیر آستین اتارے جماعت میں شامل ہو گیا، تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اگر

مکر وہ ہوگی تو تنزیہیہ یا تحریمیہ! بینوا تو جروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بلادِ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لئے یا وضو

کے لئے آستینیں چڑھائی تھیں اور اسی طرح نماز شروع کر دی، یا اس کی ہیئت ہی ایسی ہے تو اس

کی کراہت میں اختلاف ہے، بہر صورت بہتر یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی عمل قلیل سے آستینیں کھول دے

قال في شرح التفسير وكساه كفه أي رفعه ولول التراب كشمركم أو ذيل، وقال ابن عابدين

رحمہ اللہ تعالیٰ ای کما لو دخل فی الصلوۃ وهو مشرک وہ اذیلہ و اشار بذلک الی



ان الکراہۃ لا تختص بالکف وهو فی الصلوة کما افادہ فی شرح المنیۃ لکن قال فی القنیۃ  
واختلف فیمن صلی وقد شمرکیمہ لعمل کان یعملہ قبل الصلوة او ہیئتہ ذلک ام،  
ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لادراک الركعة مع الامام واذا دخل فی الصلوة كذلك  
وقلتا بالکراہۃ فهل الا فضل ارخاء کیمہ فیہا بعمل قليل او ترکہما لم ارہ والاضہر الاول  
بدلیل قوله الاتی ولو قطت قلنسوتہ فاعادتها افضل تأمل ہذا وقید الکراہۃ فی  
الخلاصۃ والمنیۃ بان یكون رافعا کیمہ الی المرفقین وظاہرہ انہ لا یکرہ الی ما دونہما  
قال فی البحر والظاہر الاطلاق لصدق کف الثوب علی کل ام وکذا قال فی شرح  
المنیۃ الکبیر ان التقیید بالمرفقین اتفاقی قال وهذا الوشمرها خارج الصلوة ثم شرع  
فیہا کذلک اما الوشمر وهو فیہا تفسد لانه عمل کثیر رردا لمحتار، ص ۱۷۵۹۹، وقال  
ایضا تحت رقلہ ای رفعہ) وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراہۃ فیہ تحریمیۃ (رضی ۵۹۸)  
فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۹ محرم ۱۲۸۵ھ

سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- بعض لوگ نماز میں عارۃً سجدہ میں جاتے وقت پاجامہ یا تہبند کو اٹھا لیتے ہیں  
یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ وکرة کفہ ای رفعہ ولولتراب کشرکما و ذیل  
وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای سراء کان من بین یدیه او من خلفہ عند الانحطاط  
للسجود، بحر و حرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراہۃ فیہ تحریمیۃ (رد المحتار، ص ۱۷۵۹۸)  
فقط والله تعالیٰ اعلم  
، جمادی الآخرہ ۱۲۸۵ھ

آدھی آستین کے کرتے میں نماز مکروہ نہیں:

سوال :- آدھی آستین والا کرتے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کو درسیان  
صف سے نکالنا چاہئے یا نہیں؟

بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر اس کو ثیابِ بذر میں شمار کیا جاتا ہو اور اس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو مکروہ ہے، بہر صورت ان کو صفت سے نکالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

## رد مال و عقالِ سدل میں دخل نہیں:

سوال:- سر پر کپڑا ڈال کر اگر اس پر عقال باندھ دیا جائے، جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے، یہ سدل میں شمار ہو گا یا نہیں؟ نیز اس سے نماز مکروہ ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

سدل کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی کراہت کی تین وجوہ ہیں:

① اہل کتاب سے تشبہ

② کشف عورت کا خطرہ، اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ صرف سر پر کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جائے

اور ازار وغیرہ نہ ہو،

③ لبس غیر معتاد،

رد مال سر پر ڈال کر جو عقال باندھا جاتا ہے یہ لبس معتاد ہے، اس میں کشف عورت کا بھی خطرہ نہیں، اور تشبہ بآہل کتاب بھی نہیں، اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

## نمازی کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جا سکتا ہے:

سوال:- اگر کوئی شخص کسی مصلیٰ کے سامنے بیٹھا ہو تو وہ اٹھ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

جا سکتا ہے، قال فی رد المحتار تحت عنوان رتمة عن القنیۃ اراد المرءین یدی لمصلی فان کان معہ شیء یضعہ بین یدیہ ثم یمر ویأخذہ ولو مر اثنان یقوم احدهما امامہ وسیر الآخر ویفعل الآخر

فکذا ویمران (رد المحتار ص ۵۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ صفر ۱۴۱۹ھ



نمازی کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر یا چار صف چھوڑ کر نکلنا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرے یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اسکا کل رقبہ ۱۶۰۰ ہاتھ = ۳۳۴ ر ۲۵۱ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گزرے یا دور سے، بہر حال گناہ ہے۔ البتہ اگر کھلی فضا میں یا ۳۳۴ ر ۲۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے میں یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گزرنا جائز نہیں، اس سے ہٹ کر گزرنا جائز ہے، بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے ایک صف کے قریب ہوا، لہذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار (تقریباً آٹھ فٹ = ۲ ر ۲۴ میٹر) چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، قال شارح التنبیہ فی مفسدات الصلوة ومرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح او مرورہ بین یدیه الی حائط القبلة فی بیت ومسجد صغیر فانه کبقعة واحدة، فی الشامیة (رقولہ فی الاصح) هو ما اختارہ شمس الاثمہ وقاضی خان وصاحب الہدایة واستحسنہ فی المحيط وصححہ الزیلعی ومقابلہ ما صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخر الاسلام ورجحہ فی النہایة والفتح انه قد رما یقع بصرہ علی المار لوصلی بخشوع اسی رامیاً ببصرہ الی موضع سجودہ وارجح فی العنایة الاول الی الثانی بحمل موضع السجود علی القریب منه وخالفہ فی البحر وصح الاول وکتبت فیما علقتہ علیہ عن التجنیس ما یدل علی ما فی العنایة نراجعہ (رقولہ فی بیت) ظاہراً ولو کبیراً و فی القہستانی وینبغی ان یدخل فیہ اسی فی حکم المسجد الصغیر الدار وال بیت (رقولہ ومسجد صغیر) هو اقل من ستین ذراعاً وقیل من اربعین وهو المختار كما اشار الیہ فی الجواهر قہستانی (رح المختار ص ۱۳۵۹۳) وقال الرافعی (رقولہ ظاہرہ ولو کبیراً الخ) لکن ینبغی تقيیدہ بالصغیر كما تقدم فی الامامة تقيید الدار بالصغيرة حیث لم یجعل قدر الصغیرین مانعاً من الاقتداء بخلاف الکبيرة وفي المتانة مغزى الجواهر الفتاوى سئل قاضینا رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدار ان له حکم المسجد ام حکم الصحراء فی حکم اتحاد المکان واختلافہ قال اختلفوا فیہ بعضهم قالوا ان کان ستین ذراعاً فی ستین ذراعاً بذراع الشاہجہان



فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ وبعضہم قالوا ان کان اربعین ذراعاً فی اربعین ذراعاً فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ ہذا ہوا المختار ہکذا افتاء (المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۱۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

رومال یا چھڑی کا سترہ بنانا:

سوال :- ایک شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کر کے اس کے پیچھے سے گزر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزیئہ نہیں ملا، ونصہ واذا کان معہ عصا لا تقف علی الارض بنفسہا فامسک بما بییدہ ومر من خلفہا ہل یکفی ذلک لم ارہ (رد المحتار ص ۵۹۵ ج ۱) بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں، لہذا بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ عند البعض لکڑی زمین پر لٹا دینا یا خط کھینچ دینا بھی سترہ کے لئے کافی ہے، علاوہ ازیں مسجد کبیر اور صحرائیں موضع سجود کے ساتھ کراہت مردور کی تخصیص کا قول بھی صحیح ہے، بوقت ضرورت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۳۸۶ھ

بوقت ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں:

سوال :- اگر نمازی اپنے سامنے دستی بیگ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لے تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سترہ کم از کم ایک ہاتھ اونچا ہونا چاہئے، اس سے کم اونچائی کے اکتفا میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ بقدر ذراع سترہ میسر نہ ہو تو اس سے کم بھی کافی ہے، بوقت ضرورت سترہ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً

① کوئی ایسی چیز جو ایک ذراع سے کم بلند ہو،

② چھڑی وغیرہ لٹالینا، اگر کھڑی نہ ہو سکے،

③ سامنے خط کھینچ لینا،

چھڑی اور خط طویل یعنی قبلہ رخ ہونا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ عرضاً بھی جائز ہے،



④ جانمازیاکپڑا بچھا کر اس پر نماز پڑھنا،

⑤ اگر دو آدمی گزرنا چاہیں تو ایک نمازی کے سامنے اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو جائے دوسرا گزر جائے، پھر وہ اسی طرح نمازی کے سامنے ہو جائے اور پہلا گزر جائے،

⑥ ایک قول مصحح یہ بھی ہے کہ ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۲۵۱ × ۳۳۴ مربع میٹر، یا اس سے بڑی مسجد اور صحرائیں موضع سجود سے ہٹ کر گزرنا بدون سترہ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رمضان ۱۴۰۸ھ

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا؛

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا کیسا ہے؟ کیا اس کا حکم دوسری مساجد کی طرح ہے یا کہ مختلف ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم المہم الصواب

اس مسئلہ میں مسجد حرام کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ دوسری بڑی مساجد کی طرح اس میں بھی نمازی کے مقام سے دو صفوں کی جگہ چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، اس حد کے اندر گزرنا جائز نہیں، مگر طواف کرنے والے موضع سجود چھوڑ کر گزر سکتے ہیں، قال فی الشامیۃ (تنبیہ) ذکر فی حاشیۃ المدنی لا یمنع المارد اخل الکعبۃ وخلف المقام وحاشیۃ المطاف لما روی احمد وابوداؤد عن المطلب بن ابی وداعۃ انه رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی متاہلی باب بنی سہم والناس یمرّون بین یدیه ولیس بینہما سترة وهو محمول علی الطائفین فیما یظہر لان الطواف صلوة، فصار کم بین یدیه صفوف من المصلّین انتھی، ومثلہ فی البحر العمیق وحکاء عزالدین بن جماعة عن مشکلات الآثار للطحاوی ونقلہ المنلا رحمۃ اللہ فی منسکہ الکبیر ونقلہ سنان افندی ایضاً فی منسکہ اہ، وسیأتی انشاء اللہ تعالیٰ تأیید ذلک فی باب الاحرام من کتاب الحج (۵۹۲) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لا یمنع المارد داخل الکعبۃ الخ) المرور بین یدی المصلّی فی موضع سجودہ داخل الکعبۃ لا شک فی کراہتہ وان ورائہ او خلف المقام او حاشیۃ المطاف فلا یتوہم فیہ الکراہۃ حیث کان لا فی موضع السجود ہذا معلوم من کلام المصنّف فان المسجد کبیر ولا حاجة حینئذ الیٰ حصل الوارد علی الطائفین (التحریر المختار ص ۱۶۸۳) ،



قلت حمل الوارد علی الطائفین محمول علی ان منع المثرغیر مختص بموضع السجود بل هو قد ما يقع بصره علی المار لو صلی بخشوع ای رامیاً ببصره الی موضع سجوده، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۲ محرم ۹۹ھ

فساد وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا؛

سوال :- زید اول جماعت میں شریک تھا کہ ریح خارج ہو گئی، اب زید نمازیوں کے سامنے سے نکل کر وضو کرنے جائے تو سامنے سے نکلتا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ درمیان سے گزرنا مشکل ہو بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، بلکہ صف کو درمیان سے چیرنے کی نسبت سامنے سے گزرنا اہمّون واولیٰ ہے،

فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۵ رجب ۹۹ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا؛

سوال :- گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز ادا کرنا باوجودیکہ نیچے جگہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اوپر بھی ایک منزل مسجد کا برآمدہ ہو، بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فی الہندیۃ فی الباب الخامس من الکراہیۃ الصعود علی سطح المسجد مکروہ، ولمذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقاً الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب اھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس میں یہ تفصیل بنظر فقہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اوپر مسقف منزل نہ ہو تو چھت پر چڑھنا اور نماز پڑھنا بہر کیف مکروہ ہے، اور اگر اوپر بھی مسقف ہے تو اس میں منفرداً نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اور نجلی منزل میں جگہ ہوتے ہوئے اوپر کی منزل میں جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، ہذا عندی لعل عند غیری احسن منه، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۸۸ھ

نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم؛

سوال :- مسجد میں سامنے دیوار کے پاس الماریاں رکھی ہوئی ہیں، جن میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں، اور الماریوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں، جو شخص صفت میں ان کی محاذات میں ہوتا ہے



اس کا عکس نظر آتا ہے، ایسا عکس نہیں جیسا کہ منہ دیکھنے کے آئینہ میں نظر آتا ہے، بلکہ ایسا عکس ہے جیسا کہ پانی میں نظر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا عکس نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا  
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز میں اس کی طرف توجہ جاتی ہو اور بھسوتی میں مغل ہو تو ایسا شیشہ لگانا مکروہ ہے، ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ مصلیٰ کا سایہ بحالت نماز سامنے پڑنا موجب کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رجب ۱۴۰۷ھ

ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:- اگر مرد سونا یا ریشم پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم دہلی جلد ہفتم دہشتم ص ۲۳۵ میں درج ہے کہ ”سونا اور ریشم پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے“ اس بارہ میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ وستر عورتہ ولو بما لا یحل لبسہ کثوب حریر وان اشم بلا عذر کا الصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ رد المحتار ص ۵۷۲ ج ۱ مگر حالت ارتکاب کبیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ متکبرین اور فساق کا لباس ہے، لہذا یہ نماز واجب الاعادہ ہے، لہذا فی مکروہات الصلوٰۃ من الهدایۃ والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ (فتح القدیر ص ۲۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ شوال ۱۴۰۷ھ

لہسن یا پیاز کھا کر گھریں بھی نماز مکروہ ہے:

سوال:- لہسن پیاز کھا کر اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پیاز یا لہسن کھانے کے بعد منہ کی بدبو زائل کئے بغیر گھریں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ دربار خداوندی کی عظمت کے خلاف ہے اور بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز کھانے سے منع فرمایا ہے، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الثوم الا مطبوخاً (الترمذی مشکوٰۃ ص ۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ محرم ۱۴۰۸ھ



حالت نماز میں بیڑی سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال :- مسجد میں بیڑی، سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت میں جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
نماز میں چلنا:

سوال :- مشی فی الصلوة کس صورت میں مفسد ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی شرح التنویر (فروع) مشی مستقبل القبلة هل تفسد ان قد رصف ثم وقف قد رکن ثم مشی، ووقف كذلك وهكذا الا تفسد وان کثر ما لم یختلف المكان وقیل لا تفسد حالة العذر ما لم یستدبر القبلة استحساناً ذکره القمستانی وفي الشامية (قوله ما لم یختلف المكان) ای بان خرج من المسجد او تجاوز الصفوف لوالصلوة فی الصحراء فحينئذ تفسد كما لو مشی قد رصفین دفعة واحدة، قال فی شرح المنية وهذا بناء على ان الفعل القليل غیر مفسد ما لم یکرر متوالياً وعلى ان اختلاف المكان مبطل ما لم یکن اتصالاً<sup>هما</sup> وهذا اذا كان قد اتمه صفوف، واما ان كان اماماً فجاز موضع سجودہ فان بقدر ما بیته و بین الصف الذی یلیه لا تفسد وان کثر فسدت، وان منفرداً فالمعتبر موضع سجودہ فان جاوزہ فسدت والآ فلا، والبيت للمراة كما المسجد عند ابی علی النسفی وكالصحراء عند غیرہ ام وقال تحت (قوله وقیل لا تفسد حالة العذر) وذكر فی الحلیة ایضاً فی فصل المکروهات ان الذی تقتضیه القواعد، المذهبية المستندة الى الادلة الشرعية ووقع به التصريح فی بعض الصور الجزئية ان المشی لا یخلو اما ان یتكون بلا عذر او بعذر فالاول ان کان كثيراً متوالياً تفسد وان لم یستدبر القبلة وان کان كثيراً غیر متوال بل تفرق فی رکعات او کان قليلاً فان استدبرها فسدت صلواته للمنافی بلا ضرورة والآ فلا، وكره لما عرفت ان ما افسد كثيراً قليله بلا ضرورة وان بعذر فان کان للطهارة عند سبق



الحديث في صلوٰۃ الخو لم يفسد ها ولم يكره قل اوكثر استدبر اولاً وان لغير ما ذكر فان استدبر معه فسدت قل اوكثر وان لم يستدبر فان قل لم يفسد ولم يكره وان كثيراً متلاحقاً افسد واما غير متلاحق ففي كونه مفسداً او مكروهاً خلاف وتأمل اهم ملخصات في هذا الباب والذي يظهر ان الكثير الغير المتلاحق غير مفسد ولا مكروه اذا كان لعذر مطلقاً، ر (رد المحتار ص ۸۵ ج ۱) وفي باب الاستخلاص من الحلائية استخلف ما لم يجاوز الصفوف لوني الصحراء ما لم يتقدم فحده السترة او موضع السجود على لمعتمد كالمفرد وما لم يخرج من المسجد او الجبانة او الدار لو كان يصلي فيه وفي الشامية (قوله ما لم يتقدم الخ) تخصيص لما في المتن كالهداية وحاصله ان حده الصفوف ان ذهب يمينه ويساره او خلفاً واما ان ذهب اماماً فحده السترة او موضع السجود ان لم تكن سترة قال في الفتح انه الوجه وفي البدائع انه الصحيح قال في البحر فما في الهداية من ان الامام اذا لم يكن بين يديه سترة فالمعتبر مشيه مقدار الصفوف خلفه ضعيف اهم لكن قال الخیر الرملي ان اغلب الكتب على اعتماد ما في الهداية فكيف يكون ضعيفاً (قوله كالمفرد) فان الاعتبار فيه موضع سجوده من الجوانب الاربع الا اذا مشى امامه وبين يديه سترة فيعطى لدخولها حكم المسجد بحر عن البدائع (قوله او الدار) كذا اطلقها في الزيلعي والبحر والظاهر ان المراد منها الصغيرة لما قد مناه في موانع الاقتداء ان الصغيرة كالسجد والكبيرة كالصحراء وان المختار في تقدير الكبيرة اربعون ذراعاً تأمل (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۱) وقال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله هو اقل من ستين ذراعاً) وفي حاشية عبد الحليم الصغير ما يكون اقل من جريب كما في البرجندی اهم والجريب ستون ذراعاً في ستين بذراع كسرى سبع قبضات تأمل (التحرير المختار ص ۸۳ ج ۱)

عبارت بالا کا خلاصہ یہ ہے:

- ① بلا عذر مشی کثیر متوالی مفسد ہے،
- ② بلا عذر مشی غیر متوالی خواہ کثیر ہو یا قلیل، مفسد نہیں مکر وہ ہے، البتہ اختلاف مکان مفسد ہے،
- ③ عذر طہارت اور صلوٰۃ خوف میں مشی بہر کیفیت نہ مفسد ہے نہ مکروہ،
- ④ عذر مذکور کے سوا کسی اور عذر سے مشی کثیر متوالی مفسد ہے،
- ⑤ بلا عذر مشی کثیر غیر متوالی اور مشی قلیل نہ مفسد ہے نہ مکروہ،



- ⑥ انحراف عن القبلة عذر طہارت و صلوة خوف کے سوا ہر حال میں مفسد ہے،
- ⑦ بقدر در وصف مشی کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے،
- ⑧ عدم اختلاف مکان سے مراد یہ کہ مسجد یا ۹۰ مربع فٹ = ۸۰۰ مربع میٹر سے چھوٹے مکان سے باہر نہ نکلے، اور بڑے مکان یا صحرار میں ہو تو مقتدی جو جانب اربعہ میں صفوف سے تجاوز نہ کرے، اور امام جانب قبلہ کے سوا باقی تین اطراف میں صفوف سے اور جانب قبلہ میں سترہ سے تجاوز نہ کرے، اگر سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے آگے نہ بڑھے، اور ایک قول کے مطابق امام اور اس سے پچھلی صف کے درمیان جتنا فاصلہ ہو اس قدر امام آگے نہ بڑھے، تیسرا قول یہ ہے کہ پیچھے تمام صفوں کے مقام کے برابر آگے نہ بڑھے، اور منہ فرد چاروں طرف موضع سجود سے برابر مقام سے تجاوز نہ کرے، البتہ سامنے سترہ ہو تو سامنے کی طرف سترہ سے آگے نہ بڑھے،

عبارت رافعی میں ستون فی ستین سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعون ذراعاً سے بھی اربعون فی اربعین مراد ہے، مگر عام کتب کی عبارات کا مفہوم متبادر چالیس مربع ہاتھ ہے،

⑨ مشی غیر متوالی سے مراد یہ ہے کہ قدر کثیر سے قبل کم از کم بقدر رکن توقف کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، ربيع الآخر ۸۹ھ

نماز میں بلا ضرورت کھلانا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: نماز میں کھلانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت ایک بار بھی کھلانا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعدادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھلانے نماز میں یکسوئی نہ ہو تو ایک یا دو بار کھلانا بلا کراہت جائز ہے، اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں تین بار بلا ضرورت کھلانا بھی مفسد ہے

فی مکروہات الصلوة من العلامیة وعبثہ بہ ای بثویہ و بجسدہ للنہی الا للحاجة

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله للنہی) وهو ما اخرجہ القضاء عنہ صلی اللہ

علیہ وسلم ان اللہ کرہ لکم ثلاثا العیث فی الصلوة والرفث فی الصیام والضحک فی

المقابر وہی کراہة تحریم کافی البحر قوله الا للحاجة) کحک بدنہ لشیء ماکلہ واضرہ

وسلت العرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لو بدون عمل کثیر (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱)

وفی مکروہات المراقی کعبثہ بثویہ و بدنہ لانه ینافی التحشوع الذی ہو روح الصلوة



فكان مکروها (الی قولہ) درای علیہ الصلوة والسلام رجلاً یبث بلحیتہ فی الصلوة فقال لو خشع قلبہ لغشعت جوارحه، وقال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (فکان مکروها) ای تحریمًا افادہ السید وغیرہ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۸۹) وقال فی البدایة ویکبر للمصلی ان یبث بشوبہ او بجسدة فی الشرح والصلوة جائزة فی جمیع ذلك لاستجماع شرائطها وتعداد علی وجه غیر مکروه وهذا الحکم فی کل صلوة ادیت مع الکراهة وقال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وتعداد) متح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذکور اعنی قوله وتعداد یفیدہ ایضًا علی ما عرفت والحق التفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریم فتجب الاعداء او تنزیہ فتستحب (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱) - مطلق کراہت سے کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے، اور شامیہ سے بحوالہ بحرار طحطاوی سے بحوالہ سید وغیرہ کراہت تحریمیہ کی تصریح گزر چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

مسلسل تین بار کھلانا مفسد نماز ہے :

سوال :- فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکن میں تین دفعہ کھلانے سے نماز فاسد ہوگی، اگر کسی کو خارش کا مرض ہو، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جبکہ بغیر کھلانے نہ رہا جائے، کیونکہ یہ تو معذور ہے، شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جہودا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین دفعہ کھلانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھاؤ اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھا بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی، کذا ذکرہ ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ ونصہ قال فی الفیض الحک بید واحدة فی رکن ثلاث مرّات یفسد الصلوة ان رفع یدہ فی کل مرّة وفي الجوہرۃ عن الفتاویٰ اختلافوا فی الحکم هل الذہاب والرجوع مرّۃ او الذہاب مرّۃ والرجوع اخری (رد المحتار، ص ۵۹۹ ج ۱) نیز اگر تین بار اس طرح کھلایا کہ تسیری حرکت سے پہلے تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت گزر گیا تو اس طرح تین بار کھلانا بھی مفسد نہیں، لان المفسد هو کون الحركات الثلاث متوالیة کما فی الشامیۃ ۵۸۳، زیادہ مجبوری کی حالت میں نماز کو اس طرح مختصر کیا جاسکتا ہے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرے، سنن واداب کو ترک کر دے، قیام میں ثناء، تعویذ، اور تسمیہ چھوڑ دے، سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد تیس حروف تک قراءت کرے، رکوع اور سجود صرف ایک تسبیح کی مقدار ادا کرے، اور آخری قعد میں



صرف تشہد اور اس کے بعد اللہم صل علی محمد تک پڑھ کر سلام پھیر دے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر درود شریف فرض ہے، بہتر ہے کہ سلام سے قبل رَبِّ اغْفِرْ لِي جیسی مختصر دعا بھی پڑھ لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ سوال نمبر ۳۰

### عمل کثیر کی تعریف:

سوال :- عمل کثیر جو مفسدِ صلوة ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ اگر مثال سے واضح فرمادیں تو سمجھنے میں سہولت ہوگی، بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں :-

- ① ایسا عمل کہ اس کے فاعل کو دروسے دیکھنے والے کو ظن غالب ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں، جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو بلکہ شبہ ہو وہ قلیل ہے،
- ② جو کام عادتاً درود ہاتھوں سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند باندھنا، اور عمامہ باندھنا وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے، اور جو عمل عادتاً ایک ہاتھ کیا جاتا ہو وہ دونوں ہاتھوں سے بھی کرے تو قلیل ہے، جیسے ازار بند کھولنا اور ٹوپی سر سے اتارنا،
- ③ تین حرکات متوالیہ یعنی تین بار سبحان ربی الا علی کہنے کی مقدار وقت میں ہوں تو عمل کثیر ہی ورنہ قلیل
- ④ ایسا عمل کثیر ہے جو فاعل کو ایسا مقصود ہو کہ اس کو عادتاً مستقل مجلس میں کرتا ہو، جیسے حالت نماز میں بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا،

⑤ نمازی کی رائے پر موقوف ہو وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے،

پہلے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں، اور درحقیقت تینوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس لئے کہ قول ثانی و ثانیہ میں مذکور عمل کے فاعل کو دیکھنے سے غیر نماز میں ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، قال فی العلانیۃ ویفسدھا کل عمل کثیر لیس فی اعمالہا ولا لاصلاحہا فیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالایشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انتہ لیس فیہا وان شک انتہ فیہا ام لا فقلیل، قال فی الشامیۃ رقلہ وفیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالایشک الخ صححہ فی البدائع وتابعہ الزیلعی واللواحی وفی المحيط انتہ الاحسن وقال الصدر الشہید انتہ الصواب وفی المنانیۃ والخلاصۃ انتہ اختیار العامة وقال فی المحيط وغیرہ رواہ الشیخ عن اصحابنا حلیۃ القول الثانی



ان ما يعمل عادة باليدین کثیر وان عمل بواحدة كالتميم وشد السراويل وما حصل  
بواحدة قليل وان عمل بهما كحل السراويل ولبس القنسوة ونزعهما الا اذا تكرر ثلاثا  
متوالية وضعفه في الجربانه قاصر عن افادة ما لا يعمل باليد كالمضغ والتقبيل،  
الثالث الحركات الثلاث المتوالية کثیر والا فقليل، الرابع ما يكون مقصودا للضاعل  
بان يفرد له مجلسا علیحدة قال في التارخانية وهذا القائل يستدل بامرأة صلت  
فلمسه ازوجها او قبلها بشهوة او مص سبي ثوبا بها وخرج اللبن تفسد صلاتها، الخامس  
التفويض الى رأى المصلى فان استكثره فكثیر والا فقليل، قال القهستاني وهو شامل  
للكل واقرب الى قول ابی حنیفة فانه لم يقدر في مثله بل يفرض الى رأى المبتلى له  
قال في شرح المنية ولكنه غير مضبور وتفويض مثلا الى رأى العوام مما لا ينبغي واكثر  
الفروع ارجحها مفع على الاولين والظاهر ان ثانيهما ليس خارجا عن الاول لان  
ما يفام باليدین عادة يغلب ظن الناظر انه ليس في الصلوة وكذا قول من اعتبر  
التكرار ثلاثا متوالية فانه يغلب الظن بذلك فلذا اختاره جملة المشايخ (مجموع الفتاوى ج ۵ ص ۵۸۳)  
**فائدة:** بعض عبارات میں ثلاث حركات متوالية کی بجائے ثلاث حركات فی رکن  
ہے، اس میں رکن سے مقدار رکن مراد ہے، یعنی جتنے وقت میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے،  
ظاہر ہے کہ اتنے وقت میں تین حركات واقع ہوئیں تو وہ متوالیہ ہی ہوں گی، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ  
وحدة رکن کے ساتھ تو الی بھی شرط ہے، سو کسی طویل رکن میں تین حركات کا اس طرح وقوع کہ آخری  
حركات بقدر رکن وقت کے بعد ہو مفسد نہیں، قول ادل جو اصل الاقوال واضح ہے اس کے مطابق بھی ثلاث  
حركات متوالیہ مفسد ہوں گی، اس لئے کہ ثلاث حركات غیر متوالیہ دیکھنے والے کو غیر نماز میں ہونے کا  
ظن غالب نہیں ہوتا، اگرچہ یہ تینوں حركات ایک ہی رکن میں ہوں، بالخصوص جبکہ رکن طویل ہو اور حركات  
کے درمیان وقفہ بھی زیادہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجاءوی الآخرہ ۸۹ھ

نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا:

سوال:- دوران نماز میں ٹوپی اگر حالت سجدہ میں گر جائے تو دونوں ہاتھوں سے سر پر رکھنے

سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس قسم کی ٹوپی ہو جو عادتاً ایک ہاتھ سے سر پر رکھی جاتی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسی ٹوپی ہو جو عادتاً دو ہاتھوں سے پہنی جاتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، قال فی شرح التنویر ویفسد ہا کل عمل کثیر لیس من اعمالہا ولا لاصلاحہا وفيہ اقوال خمسۃ اصحہا لا یشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انہ لیس فیہا، وفي الشامیۃ القول الثانی ان ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وان عمل بواحدۃ کالتعمیم وشد الس او مل وما عمل بواحدۃ قلیل وان عمل بہما کحل الس او مل ولس القلنسۃ ونزعہا الا اذا تکرر ثلاثاً متوالیۃ (رو بعد اسطر) عن شرح المنیۃ والظاهر ان ثانیہما لیس خارجاً عن الاول لان ما یقام بالیدین عادۃ یغلب ظن الناظر انہ لیس فی الصلوة (رد المحتار ص ۱۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، صفر ۱۲۹۹ھ

## حالت نماز میں سانپ مارنا:

سوال: زید نے دوران نماز ایک سانپ کو مار دیا، اور سینہ قبلہ سے نہ پھیرا، اور مار کر پھر نماز پوری کی، تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ جبکہ سانپ بھی قبلہ کی طرف بھاگا، ادھر ادھر نہ ہوا، مشرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

سانپ مارنے میں عمل کثیر ہو، یعنی دو سے زیادہ ضربیں لگائیں یا قبلہ کی طرف اتنا چلا کہ مقام سجدہ سے آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہو گئی، ورنہ فاسد نہ ہوگی، اگر سانپ سے خوف ایذا ہو تو نماز میں عمل قلیل سے مارنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، بحالت خوف ایذا عمل قلیل سے مارنا ممکن نہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، مقام سجدہ سے تجاوز کا مذکور حکم منفرد کے لئے ہے، مقتدی کی نماز جب قائم ہوگی کہ سامنے کی دو صفوں تک چلے، اور امام کی اس صورت میں کہ اس کے اور اس سے پچھلی صف کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے، قال فی العلائیۃ لا یکرہ قتل حیۃ ادعرب ان خاف الاذی (الی قولہ) مطلقاً ولو بعسل کثیر علی الاظهر لکن صحیح الحلبي الفساد، وفي الشامیۃ (قولہ لکن صحیح الحلبي الفساد) حیث قال تبعاً لابن الہمام فالحق فیما یظہر هو الفساد والامر بالقتل لا یتلزم صحت الصلوة مع وجودہ کما فی صلوۃ الخوف بل الامر فی مثله



لاباحۃ مباشرتہ وان کان مفسداً للصلوة اھ ونقل کلام ابن الہمام فی الحلۃ والبحر والنہر واقروہ علیہ وقالوا ان ما ذکرہ الترخی ردة فی النہایۃ بانہ مخالف لما علیہ عامۃ رواۃ شرح الجامع الصغیر ومبسوط شیخ الاسلام من ان الکثیر لا یباح اھ  
رحمہ المعازضیہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رذیقہ ۵۹

نماز میں لاحول پڑھنا:

سوال :- اگر کوئی شخص عادت کی وجہ سے ہر وقت لاحول ولا قوۃ پڑھتا رہتا ہو وہ شخص اگر نماز کے اندر بھی ایک دم ۔ کسی خیال کی وجہ سے پڑھ لے تو نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا  
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امور دنیا سے متعلق کوئی وسوسہ آنے کی وجہ سے لاحول پڑھ لے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امور آخرت سے متعلق پڑھ لے تو فاسد نہ ہوگی، قال فی العلائقہ ولو حوّل لدفع الوسوسۃ ان لا مورد دنیا تفسد لالا مورد الاخرۃ (رد المحتار، ص ۵۸۱ ج ۱)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا نیت ہی زبان سے الفاظ مذکورہ نکل گئے تو نماز نہ ٹوٹے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۹ شعبان ۸۸ھ

سینما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- سینما کی چھت پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ نماز بلا کراہت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا  
الجواب باسم ملہم الصواب

وہاں جانا ہی حرام ہے تو نماز بطریق اولیٰ مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ یہ موضع ہو لعوب و جمع شیطین ہے، کما قالوا فی الصلوة فی معابد الیہود والنصارى، اگر یہ عمارت سینما کی آمدنی یا اور کسی قسم کے مال حرام سے بنائی گئی ہو تو اس کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا، اور نماز میں مزید کراہت کا باعث ہوگا، اس نماز کا اعادہ بہر حال واجب ہے، قال شارح البدایۃ فی مکروہات الصلوة والصلوة جائزۃ فی جمیع ذلك لا یستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھذا الحکم فی کل صلوة ادیت مع الکراہۃ (فتح القدیر، ص ۲۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان ۸۸ھ



مُصَلّیٰ کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی:

سوال :- مُصَلّیٰ کا ایک کونہ ناپاک ہو گیا تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟ یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مُصَلّیٰ کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں نماز ہو جائے گی، صرف دونوں پاؤں، دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے، فی شرط الصلوٰۃ من التتویر ہی طہارتہ بد نہ من حدث وخبث و ثوبہ ومکانہ وفي الشرح ای موضع قد میہ او احداہما ان رفع الاخری وموضع سجودہ اتفاقاً فی الاصح لا موضع ین یہ و رکبتیہ علی الظاہر الا اذا سجد علی کفہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول الشارح وکذا ما یتحرک بحرکتہ ای شئ متصل بہ یتحرک بحرکتہ رالی قولہ، بخلاف ما لم یتصل کبساط طرفہ نجس وموضع الوقوف والجبۃ طاهر فلا یمنع مطلقاً قولہ ومکانہ، فلا تمنع النجاسة فی طرف البساط ولو صغیراً فی الاصح وقولہ علی الظاہر، ای ظاہر الروایۃ کافی البحر لکن قال فی منیۃ المصلی قال فی العیون ہذہ روایۃ شاذۃ ام فی البحر واختار ابو اللیث ان صلوٰۃ تفسد وصححہ فی العیون ام فی النہر وهو المناسب لاطلاق عامۃ المتون وایدہ بکلام الخانیۃ قلت وصححہ فی متن المواہب ونور الایضاح والمنیۃ وغیرہا فکان علیہ المعول قال فی شرح المنیۃ وهو الصحیح لان اتصال العضو بالنجاسة بمنزلۃ حسلہا وان کان وضع ذلک العضو لیس بفرض رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ سوال ۳۸۸

نماز میں ہنسنا:

سوال :- ایک شخص نماز باجماعت پڑھ رہا ہے، اچانک ہنس گیا، دانت ظاہر ہو گئے ہیں مگر آواز نہیں نکلی، اس صورت میں نماز ہوئی یا فاسد ہوئی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ہنسی میں فقط دانت کھل گئے آواز بالکل نہیں نکلی تو نہ وضو ٹوٹا نہ نماز گئی، اور اگر اتنی آواز نکلی کہ خود یا بالکل قریب والے شخص نے بھی سُن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر اتنی زور



سے ہنسنا کہ اہل مجلس نے آواز سن لی، تو وضو بھی جاتا رہا بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا۔ قال صاحب التنویر فی نواقض الوضوء وقہقہة بالغ، وفي الشامیة واحترز به عن الضحك وهو لغة اعم من القہقہة واصطلاحاً ما کان مسموعاً لہ فقط فلا ینقص الوضوء بل یبطل الصلوة وعن التتسم وهو ما لا صوت فیہ أصلاً بل تبدل ولسنانه فقط فلا یبطلہما وتسامہ فی البحر ولم ارم من قدر الجواز بشئ، ومقتضی تعریف الضحك بما کان مسموعاً لہ فقط ان القہقہة ما یسمعہا غیرہ من اہل مجلسہ فہم جیرانہ لاخوس من عن یمینہ او عن یسارہ لان کل ما کان مسموعاً لہ یسمعه من عن یمینہ او یسارہ تأمل (۱۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲/ محرم ۱۳۸۹ھ

ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی نچلی جانب نجس ہو:

سوال :- پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے، اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہو جائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہو، بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو، کما قالوا فی الزجاج، البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس مین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بدبو محسوس ہو تو اس پر نماز درست نہیں، قال فی الشامیة عن البدائع لوصلی علی حجر الریحی او باب او بساط غلیظ او مکعب اعلاہ طاہر وباطنہ نجس عند ابی یوسف لا یجوز نظراً الی اتحاد المحل فاستوی ظاہرہ وباطنہ کالثوب الصفیق وعند محمد یجوز لانه صلی فی موضع طاہر کثوب طاہر تحتہ ثوب نجس بخلاف الثوب الصفیق لان الظاہر نفاذ الرطوبة الی الوجه الآخر وظاہر ترجیح قول محمد وهو الاشبه روي عن سطر، وذكر فی المنیة وشرحہا اذا كانت النجاسة علی باطن اللبنة او الابرقة وصرح علی ظاہرہا جاز وکن الخشبۃ ان كانت غلیظة بحيث یمکن ان تنشر نصفین فیما بین الوجه الذی فیہ النجاسة والوجه الآخر والا فلا، وذكر



فی العلّیۃ ان مسأله اللبنة والأجرة علی الاختلاف الماریینہما وانہ فی الخانیۃ جزم بالجواز وهو إشارة الی اختیارہ وهو حسن متجہ وكذا مسألة الخشبۃ علی الاختلاف وان الاشبه الجواز علیہا مطلقاً ثم ایدہ باوجه فراجعہ، وإيضاً فیہا تحت رقلہ مبسوط علی نجس الخ عن شرح المنیۃ وكذا الثوب اذا فرش علی النجاسة اليابسة فان كان رقیقاً یشف ما تحته او توجد منه رائحة النجاسة علی تقدیر ان لها رائحة لا تجوز الصلوٰۃ علیہ وان كان غلیظاً بحيث لا یكون كذلك جازت اھ، (رد المحتار ص ۱۳۵۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب الاول ۱۲۸۹ھ

اللہ اکبار کہنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام آٹھ اکبر اس طرح ادا کرتا ہے کہ بڑ کی بجائے بار سمجھ میں آتا ہے، اس کی اپنی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ تکبیر میں اسم ذات اللہ اور اکبر کے الف کو کھینچ کر پڑھنا مفسد نماز ہے، اور لام کو اتنا کھینچنا کہ ایک الف مزید پیدا ہو جائے مکروہ ہے، مفسد نہیں، اسی طرح ہاء کو کھینچنا مکروہ ہے، بار کی مد کے مفسد ہونے میں اختلاف ہی، اور رار پر پیش کھینچ کر پڑھنا مفسد ہے،

مگر غلبہ جہل کی وجہ سے متاخرین کا یہ فیصلہ ہے کہ اعراب اور مد کی غلطی مفسد نہیں، البتہ اگر کوئی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور غلط خواں کو امام بنانا بہر صورت ناجائز ہے، بجز اس مجبوری کے کہ کوئی صحیح پڑھنے والا موجود نہ ہو، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الارشاد الی مخرج الضاد" میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ رجب ۱۲۸۹ھ

سلام علیکم کہنا:

سوال :- ایک مسجد کا امام السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم ہر نماز ختم کرتے وقت کہتا ہے، الف لام ادا نہیں کرتا، شریعت کا ایسے امام کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

سلام علیکم خلافت سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، امام کو سمجھایا جائے کہ تصحیح کر لے،  
 قال فی الشامیة (قوله هو السنة) قال فی البحر وهو علی وجه الاکمل ان یقول السلام  
 علیکم ورحمة الله مرتین فان قال السلام علیکم او السلام او سلام علیکم او علیکم  
 السلام اجزاء وکان تارکاً للسنة وصرح فی السراج بکراهة الاخیراه قلت تصریحه  
 بذلك لا ینافی کراهة غیره ایضاً ما خالف السنة (رحمہم المختار ص ۴۹)، فقط والله تعالیٰ اعلم  
 ۱۸ رجب ۱۲۸۹ھ

کتایا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی:

سوال :- ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے کتایا لگدھایا عورت نکل جائے تو  
 نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیتے ہیں، اس کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ حدیث  
 صحیح ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ حدیث جعل ہے یا متردک ہے یا ضعیف ہے؟ بینوا تو جروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اعد لتسونا بالکلب والحصار لقد  
 رأیتنی مضطجعة علی السیر فیجی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی توسط السیر فیصلی  
 فاکرہ ان اسنحه فانسئل من قبل رجلی السیر حتی انسئل من لحافی (بخاری ص ۲۱۴)  
 ② عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یفرش لی حیاں مصلی رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وانی حیالہ (طحاوی ص ۲۲۳ ج ۱)

③ عن میمونة بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان فراشی حیال مصلی  
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوقع ثوبہ علی وانا علی فراشی (بخاری ص ۲۴ ج ۱)

④ عن عبد الله بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اقبلت راكباً علی حمار  
 اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس  
 بمنی الی غیر جدار فمررت بین یدئ بعض الصف فتزلت وارسلت الاتان تترج  
 ودخلت فی الصف فلم ینکر ذلك علی احد (بخاری ص ۱ ج ۱)

⑤ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم عباساً فی بادية لنا ولنا کلبة وحمارة ترعى فصلی النبی صلی اللہ وسلم العصر



رہا بین یدینہ فلم یزجرا اولہ فی غمراہ (نسائی ص ۱۳۷، ابوداؤد، ص ۱۳۷)

پہلی تین حدیثوں میں ہے کہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بستر مختلف اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے سامنے ہوتا تھا، اور آپ اُن کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے،

چوتھی حدیث میں ہے کہ حالتِ نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گدھی گزری مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا،

پانچویں حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور کتیا اور گدھی آپ کے سامنے تھیں،

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت یا گدھا یا کتا سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور جس حدیث میں فسادِ نماز کا حکم کردہ منسوخ ہے، کیونکہ اس حدیث مذکورہ بالا احادیث متاخر ہیں، دلیل تاخیر یہ ہے کہ پہلی تین احادیث کو حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روایت کر رہی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ان ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نزدیک عورت کا سامنے ہونا مفسدِ نماز نہیں، اور جس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ منسوخ ہے، باقی رہا گدھے اور کتے کا حکم سو حدیث فساد کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ گدھا اور کتا مفسدِ نماز نہیں، عن عکرمۃ قال ذکر عند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما یقطع الصلوٰۃ قالوا لا ملکب والحصار فقال ابن عباس الیہ یصح الکلم الطیب وما یقطع ہذا ولکنہ یکرہ (طحاوی ص ۱۳۲۲) خود راوی حدیث کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا دلیل نسخ ہے،

قول نسخ کی بجائے یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ قطع نماز سے مراد یہ ہے کہ یہ اشیاء قاطعِ توجہ ہیں اور یکسوئی میں مغل ہیں، اس لئے کہ عورت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے، اور گدھے اور کتے کی شرارت کی وجہ سے اس طرف دھیان ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول ولکنہ یکرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب ۱۲۸۹ھ

تصویر والے مقام میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے:

سوال :- جس کھر میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے، اب اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟  
بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

تصوير الی مقام میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، فی مکروہات الصلوة من التنویر ولبس ثوب فيه تماثل وان يكون فوق رأسه او بين يديه او بعدائه تماثل واختلف فيما اذا كان خلفه والاظهر الكراهة (رد المحتار ص ۶۱۶)، وفي قضاء الفوائت من الشامية عن البحران من ترك واجباً من واجباتها اوارتكب مكروهاً تحريمياً لزمه وجوباً ان يعيد في الوقت فان خرج اشم ولا يجب جبر النقصان بعده فلو فعل فهو افضل اه وبعد اسطر واما كونها واجبة في الوقت مندوبة بعده كما فهمه في البحر وتبعه الشارح فلا دليل عليه وقد نقل الخیر الرملی فی حاشیة البحر عن خط العلامة المقدسی ان ما ذكره في البحر يجب ان لا يعتمد عليه لطلا قولهم كل صلوة ادیت مع الكراهة سبيلها الاعادة اه، قلت ای لانه يشمل جوبها في الوقت وبعده ای بناءً علی ان الاعادة لا تختص بالوقت وظاهره ما قد مناه عن شرح التحرير ترجیحه وقد علمت ایضاً ترجیح القول بالوجوب فيكون المنزح وجوب الاعادة في الوقت وبعده ويشير اليه ما قد مناه عن الميزان من قوله يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال ای كمال ما نفسه منها وذلك ليعم وجوب الاتيان بها كاملة في الوقت وبعده كما مر، ثم هذا حيث كان النقصان بكراهة تحریم لما في مكروهات الصلوة من فتح القدير ان الحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحریم فتجب الاعادة او تنزيه فتستحب اه ای تستحب في الوقت وبعده ايضاً، (رد المحتار ص ۱۶۶، ۹) وفي الهداية في مكروهات الصلوة ويكره ان يكون فوق رأسه في السقف او بين يديه ارجح انّه تصاویر او صورة معلقة (الی قوله) والصلوة جائزة في جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد على وجه غير مكروه وهذا الحكم في كل صلوة ادیت مع الكراهة وفي الفتح (قوله وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشيخ قوام الدين الكاكي في شرح المنار ولفظ الخبر المذكور اعني قوله وتعاد يفيد ايضاً على ما عرف والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحریم فتجب الاعادة او تنزيه فتستحب فان كراهة التحريم في رتبة الواجب فان الظن ان اذا المنع مدالة قطعية اعني بطريق الحقيقة مجرد عن القرائن الصارفة عنه فالثابت



کراهة التحريم وان افاد الزام الفعل كذلك فالوجوب وان افاد ندب المنع فتتريمية  
او الفعل فالندوب ولذا كان لازمهما معنى واحداً وهو ترتب الاثم بترك مقتضاهما  
(فتح القدیر ص ۱۷۲۹۶) فقط والله تعالى اعلم

۱۳ ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

ارض منصوبہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال ۱۔ ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی اس میں نماز  
پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کذا فی الشامیۃ  
قبیل باب الاذان، اس لئے اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ  
فی مکروہات الصلوة من شرح البدایۃ والصلوة جائزۃ فی جمیع ذلك لاستجماع  
شأن الطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وهذا الحكم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراهۃ  
(فتح القدیر ص ۱۷۲۹۵) فقط والله تعالى اعلم

۲۲ صفر ۱۲۹۱ھ

نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر سے لگنے کا حکم:

سوال ۱۔ اگر عورت کا سر مرد کے پاؤں سے بوقت سجدہ لگ جائے اور مرد میں یا عورت  
میں یا دونوں میں شہوت پیدا ہو جائے تو کیا مرد کی نماز یا عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے سر پر لازم دپٹ ہوگا، اس کے اوپر سے مرد کا پاؤں لگے گا، جو کسی حال میں بھی نماز کے  
لئے مفسد نہیں، البتہ اگر بلا حائل مس ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد میں شہوت پیدا ہو جائے تو مرد اور  
عورت دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر صرف عورت میں شہوت ہوئی تو کسی کی نماز فاسد  
نہ ہوگی، کتب فقہ میں اس مقام پر بلا حائل کی قید نظر سے نہیں گزری، مگر حرمت مصاہرت اور شہوت  
رجعت میں یہ قید مصرح ہے، اس لئے یہاں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی، لان العلة كونه من دواعی  
الجماع، ایک قول یہ بھی ہے کہ مرد کے مس بالشهوة بلا حائل سے بھی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی  
قال فی الدر او مستہ بالشهوة او قبلہا بد ونہا ضدت لا لو قبلتہ ولم یشتہا والفرق



ان فی تقبیلہ معنی الجماع و فی الشامیۃ عن البحر عن شرح الزاہدی انہ لو قبل المصلیۃ لا تفسد صلوٰتہا ومثلہ فی الجوہرۃ وعلیہ فلا فرق (۲۰) المختار ص ۵۸۸ (۱۳۵۸)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان ۱۲۹۲ھ

ٹٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ ٹٹائی اور ہر وہ چیز جو یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان ہو مسلمان کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جبروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمان کے لئے دوسری اقوام کا مخصوص لباس اور وضع قطع اختیار کرنا ہر حالت میں ناجائز اور حرام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من تشبہ بقوم فهو منهم، نمازیں ایسا لباس پہننا اور بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعدادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الآخر ۱۲۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک دینی مدرسہ کا متعلم ہے، وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مدرسہ کے لئے چرم فستر بانی کا کام کرتا ہے، جس میں جو چرم بغیر سید یا رسید سے ملتا ہے، لیکن تھوڑا بہت بدل کر اپنے اندازے کے مطابق جائز مصرف پر خرچ کرتا ہے، مثلاً شلوار کرتہ وغیرہ، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان اشیاء سے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟ یہاں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ صحیح جواب دے کر عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنے،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس لباس کا استعمال زید کے لئے حرام ہے، اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعدادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ رزدالحج ۱۲۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ مال حرام جیسے سودی کاروبار یا شراب کا کاروبار کرنے والا قالین مسجد میں ڈال دے



کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ واپس کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے قالین پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعداء ہے، کسی مسکین پر صدقہ کر دیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ر صفر ۱۳۹۲ھ

چورمی کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- زید نے ایک رد مال خریدا، زید کو اس کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ یہ چورمی کا مال ہے، خرید سے چند روز کے بعد علانیہ طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ رد مال اموال مسروقہ میں سے ہے، زید مذکور رد مال میں اب تک نماز پڑھتا رہا، جاننے کے بعد بھی، عندا شرع اس کی نماز کیسی ہوگی؟ بینوا باللیل توجروا عند الجلیل،

### الجواب باسم ملہم الصواب

چورمی کا علم ہو جانے کے بعد اس رد مال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعداء ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، غرۃ محرم ۱۳۹۳ھ

پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ:

سوال :- امام صاحب کی پیشانی پر عمامہ اس قدر نیچے آجاتا ہے کہ پیشانی ڈھکی رہتی ہے اور پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا، ایسے امام کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عمامہ کا وہ حصہ زمین سے لگا جو پیشانی سے اوپر سر پر ہے، پیشانی زمین سے نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوا، قال شارح التنویر بکرة تنزیہا بکورة عمامته الا لعن روان صم عندنا بشرط كونه على جبهته کلمها او بعضها کما مر اما اذا کان الکور علی رأسه فقط وسجد علیہ مقتضی ای و لم تصب الارض جبهته ولا انفه علی القول به لا یصح لعدم السجود علی محلہ رد المحتار، ص ۲۶۸ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ شوال ۱۳۹۳ھ



قضاء حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی آدمی کو نماز کے وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہوئی، اب اگر وہ آدمی حاجت پوری کر لے تو اندیشہ ہے کہ اس کی نماز قضاء ہو جائے گی۔ یا کم از کم جماعت تو ضرور فوت ہو جائے گی، تو اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے، یعنی حاجت پوری کر لے یا جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھ لے، اور اگر قضاء ہونے کا خطرہ نہیں صرف جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہی، تو قضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھے، ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، نماز شروع کرنے کے بعد تقاضا ہو تو بھی اسی حال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر واجب ہے کہ اس وقت نماز قطع کرے اور فراغت کے بعد پڑھے، کما فی مکرہات الصلوة من التثویر و صلواتہ مع مدافعة الاخبثین، وفي الشامية قال فی الخزان سواء کان بعد شروعه او قبله فان شغله قطعها ان لم یخف فوت الوقت وان اتبھا اثم ام (و بعد سارین) بقی ما اذا خشی فوت الجماعة ولا یجد جماعة غیرها فهل یقطعها کما یقطعها اذا رأى علی ثوبه نجاسة قد رآه درهم لیغسلها اولاً کما اذا كانت النجاسة اقل من الدرهم والصواب الاول (رد المحتار، ص ۶۰۰ ج ۱)، قلت والا قرب انه لا یجب غسل قد رآه درهم من النجاسة کما فی انجاس الشامية فلا یحل قطع الصلوة لغسلها، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۷ رذیقہ ۹۲ھ

نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا :

سوال :- اگر کاغذ پر کسی ولی اللہ کی قبر کا نقشہ ہو، اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حالانکہ نیت تقرب الی ولی اللہ نہیں ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الحلیۃ وتکرہ الصلوة علیہ رای علی القبر) والیہ لورود النہی عن ذلك رد المحتار ص ۸۴۶ ج ۱، وفي الدرر لغیر ذی روح لا یکرہ لانہا لا تعبد وفي الشامية فان قیل عبد الشمس والقمر



والکواکب والشجرۃ الغضراء قلنا عبد عینہ لا تمثاله فعلی هذا ینبغی ان یکرہ استقبال  
عین هذه الاشیاء معاج ای لانہما عین ماعبد بخلاف ما لو صورتها واستقبل صورتها  
(رد المحتار ص ۶۱۱) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن  
قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا مضر نہیں، کیونکہ قبر کے نقشہ کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم میں  
رسم ہو تو اس میں بھی کراہت ثابت ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی الحجہ ۹۴ھ

گزرے پر سجدہ کا حکم:

سوال ۱۔ ہسپتال میں چار پائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، اُن پر سجدہ کرنے سے  
نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گدے اس کے مکمل بوجھ کو برداشت کر لے تو اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر  
برداشت نہ کر سکے بلکہ دبنا ہی چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، قال فی شرح التئویر وان یجد حجم  
الارض فی الشامیة تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلك  
(رد المحتار ص ۱۳۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم ۹۵ھ

نماز میں غیر عربی میں دُعا مکروہ ہے:

سوال ۱۔ اگر کسی نے نماز میں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں دُعا کی تو نماز صحیح  
ہو جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں یمن قول ہیں، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہت تحریمیہ کا قول ارجح و  
اوسط ہے، لہذا اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال شارح التئویر رحمہ اللہ تعالیٰ ودعاء  
بالعربیة وحرم بغیرہا، نہرو قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعد کرا لا قال ولا  
یبعد ان یكون الدعاء بالفارسیة مکروہا تنزیہی فی الصلوة وتنزیہا خارجا عنہا فلیتأمل  
ولیراجع (رد المحتار ص ۱۳۲۸) خارج نماز میں غیر عربی میں دُعا مکروہ تنزیہی اس صورت  
میں ہے کہ قلبی توجہ میں عربی و غیر عربی دونوں برابر ہوں، اگر غیر عربی زیادہ توجہ کا باعث ہو تو اس میں



کوئی کراہت نہیں بلکہ یہی افضل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۱، رزی تعدہ ۹۵ھ

نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا:

سوال :- ایک شخص نماز میں حدیث النفس میں مبتلا ہو گیا، اور اس حالت میں اس کی زبان سے اردو یا فارسی یا عربی زبان کے کسی شعر یا نثر کے صرف دو یا تین الفاظ نکل گئے، تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر کسی کو نماز جماعت میں یہ صورت پیش آئے تو کیا کرے؟ پہلی نماز کا عدم سمجھ کر دوبارہ نیت کرے اور باقی نماز امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے یا امام کے ساتھ اس نماز کو پوری کرے، اور بعد میں فرض کی پوری نماز بلا جماعت پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں اردو یا فارسی میں دعاء یا حمد و ثناء کے الفاظ کہنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعداء ہے، عربی دعاء یا حمد و ثناء کے بے موقع الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے، مگر نماز کا اعادہ واجب نہیں، دعاء اور حمد و ثناء کے سوا کوئی اور کلمہ کہنا جو کلام الناس سے ہو مفسد نماز ہے، خواہ کسی بھی زبان میں ہو، فساد صلوٰۃ کی صورت میں از سر نو تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرے، اور سابقہ رکعات فراغ امام کے بعد پڑھے، البتہ کراہت تحریمہ کی صورت میں یہ نماز امام کے ساتھ پوری کرے، پھر بعد میں اس کو لوٹائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹، ربیع الآخر ۹۹ھ

انفرادی نماز میں عورت کی محاذاة مکروہہ:

سوال :- عجاٹیں عورت مرد کے بالکل سامنے دائیں بائیں طرف ملی نہ کھڑی ہوں بلکہ ایک مرد کی جگہ خالی ہو، تو مرد کی نماز ہو جاتی ہے؟ بلا جماعت کے عورت اور مرد ایک کمرہ میں نماز پڑھ رہے ہوں اور فرض نماز ہو تو کیا جب بھی عورت اور مرد کے درمیان ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دی جائے؟ اگر نفل نماز مرد پڑھ رہا ہو اور عورت بھی نفل نماز پڑھتی ہو تو مرد اور عورت محرم بالکل پاس کھڑے ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، مگر مرد اور عورت کا متصل کھڑا ہونا مکروہہ ہے، قال فی الدرفحاذاة المصلیۃ لمصل لیس فی صلوٰتہا مکروہۃ لا مفسد فتح رحمہ اللہ ۵۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، شعبان ۹۳ھ



## شرائط صحت بنا رہ

سوال :- اگر نماز مغرب یا کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تین رکعتیں یا دو رکعتیں پڑھ چکا ہو، اس کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ دوبارہ وضو کرنے گیا تو پوری نماز پڑھے گا یا دو رکعتیں یا ایک رکعت جو رہتی ہے وہ پڑھے گا؟ کن صورتوں میں بنا رہ جائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

جواز بنا رہ کے لئے تیرہ شرائط ہیں :-

① حدث میں یا اس کے سبب میں کسی انسان کا کوئی دخل نہ ہو، اگر عمداً وضو توڑا یا کسی نے زخم کر کے خون نکال دیا تو بنا رہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پہلی صورت میں نفس حدث اور دوسری میں سبب حدث یعنی زخم انسان کی طرف سے ہے، کھانسنے سے خروج ریح بنا رہ سے مانع ہے، اور چھینکنے سے خروج ریح کا مانع ہونا مختلف فیہ ہے،

② حدث نمازی کے بدن سے ہو، اگر خراج سے کوئی نجاست اس پر گر گئی تو بنا رہ درست نہیں،

③ حدث موجب غسل نہ ہو، اگر نماز میں نیند آگئی، اور احتلام ہو گیا تو بنا رہ صحیح نہیں،

④ حدث نادر الوجود نہ ہو، مثلاً قہقہہ یا بیہوشی،

⑤ حدث کے ساتھ کوئی رکن ادا نہ کرنا، اگر حالت سجدہ میں حدث ہوا اور اتمام سجدہ کی نیت

سے سر اٹھایا، یا وضو کے لئے جاتے ہوئے قرات میں مشغول رہا تو بنا رہ نہیں کر سکتا،

⑥ چلنے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرنا، مثلاً وضو کے بعد لوٹتے ہوئے قرات کرنا، ہاں آتے

جاتے تسبیح پڑھنا مانع نہیں،

⑦ نماز کے منافی کوئی کام نہ کرنا، مثلاً قدرتی حدث کے بعد عمداً حدث یا کلام وغیرہ یا کنوئیں

سے پانی کھینچنا،

⑧ بے ضرورت کام نہ کرنا، مثلاً وضو کے لئے قریب جگہ چھوڑ کر دو صف سے زیادہ دور جانا،

ہاں قریب مقام پر ازدحام یا نسیان کی وجہ سے دور جانے میں حرج نہیں،

⑨ بلا ضرورت تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تاخیر نہ کرنا، ازدحام کے عزلے سے یا

تکسیر وغیرہ کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر مضر نہیں،

وضو کی سنتیں بھی ادا کرے، اگر وضو کے صرف چار فرائض پر اکتفا کیا تو بنا رہ جائز نہیں،

⑩ حدث سابق کا ظاہر نہ ہونا، مثلاً موزہ پر مسح کی مدت ختم ہونا، متیمم کا پانی دیکھنا، خروج وقت مستحکم



- ⑪ صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد نہ آنا، البتہ اگر یاد آنے پر قضا نہ پڑھی بلکہ وقت کی بناء کرنی، پھر مزید چار یعنی مجموعہ چھ فرض نمازیں اس کے ذمہ قضا ہو گئیں، تو بنا دالی نماز صحیح ہو جائے گی،
- ⑫ اگر مقتدی کو حدث ہو یا امام کو ہو اور اس نے کوئی خلیفہ بنا دیا ہو، اور وضو سے فراغت تک جماعت ختم نہ ہوئی ہو اور مقام وضو ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے اقتدار صحیح نہ ہو تو یہ شرط ہے کہ یہ امام یا مقتدی ایسی جگہ پر آ کر بناء کرے جہاں سے اقتدار صحیح ہو، اگر مقام وضو لائق اقتدار ہو، یا وضو سے قبل جماعت ختم ہو چکی ہو، یا منفرد کو حدث ہو، یا ہو تو ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ مقام وضو ہی میں بناء کرے یا سابق مقام پر لوٹ کر آئے، مقام وضو ہی میں بناء افضل ہے،
- ⑬ امام کو حدث ہو تو اس کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یہ بھی منافی صلوٰۃ میں داخل ہے، جس کا بیان ۷ میں گزرا، مگر بوجہ خفاء اس کو مستقل ذکر کیا گیا ہے، درحقیقت شرائط بارۃ ہی ہیں،

شرائط مذکورہ سے بناء اگرچہ جائز ہے، مگر استیناف افضل ہے، البتہ وقت تنگ ہو تو بناء افضل بلکہ زیادہ تنگ ہو تو واجب ہے، استیناف کے لئے ضروری ہے کہ پہلی نماز کو سلام پھیر کر یا کسی فعل منافی سے ختم کرے، پھر نئی نماز شروع کرے، بدون سلام یا فعل منافی استیناف صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شعبان ۱۴۲۸ھ

سوتے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا؛

سوال :- کوئی شخص سو رہا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بدون سترہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ویسے ہی لیٹا ہو سو یا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں جائز ہے، البتہ نماز کی طرف توجہ میں مغل ہونے کا خطرہ ہو تو مکروہ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز میں بضرورت کرتہ درست کرنا مکروہ نہیں؛

سوال :- ایک امام صاحب جب بھی سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، تو ایک ہاتھ سے اور کبھی دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف کرتہ پکڑ کر درست کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا تو جروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

کرتہ درست کرنے کی ضرورت عموماً دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک یہ کہ کرتہ کمر بند کے اوپر اٹک جاتا ہے، جو بعض طبائع کے لئے مشوش اور خشوع میں مغل ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے سرین کے اندر کرتہ اٹک جاتا ہے، کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے کرتے کو کھینچ کر درست کرنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اس کے لئے ایک ہاتھ کافی ہے، دوسرا ہاتھ استعمال کرنا مکروہ ہے، اور بلا ضرورت ایک ہاتھ کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہے، اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے، قال فی التنبیہ وکفرہ کفہ رعبثہ بہ فی الشامیۃ (قوله وعبثہ) ہو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النہایۃ وحاصلہ ان کل عمل ہو مفید للمصلی فلا بأس بہ اصلہ ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرق فی صلوٰتہ فسلت العرق عن جبینہ اسی مسحہ لانہ کان یؤذیه فکان مفید او فی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبہ یمسحہ او یسحہ لانہ کان مفید اکی لا تبقی صورۃ فاما مالیس بمفید فهو العبث ام وقولہ کی لا تبقی صورۃ یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ کما فی الحواشی لسعد (۵۹۹) (۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

نماز میں چادر کندھے سے گر جائے:

سوال :- نماز کی حالت میں اگر چادر یا رزائی یا دوپٹہ بائیں کندھے سے گر جائے تو کیا اس کو دلہنے ہاتھ سے بائیں کندھے پر ڈال سکتے ہیں، یا اسی حالت میں رہنے دیں؟ بینوا تو جروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

کندھے پر ڈال لینا چاہئے، کپڑے کا ٹکنا نماز میں تشویش کا باعث ہے، اور ازالہ مشوش کے لئے ایک یا دو بار ہاتھ ہلانا جائز ہے، کحکۃ الید لسلت العرق وتسویۃ الحصال للسجود، نیز کپڑا ٹکنا سدل میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور اصلاح مکروہ بعمل قلیل مندوب ہی، کما قالوا فی ارخاء الکمین! لمشریین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

نماز میں تہبند درست کرنا:

سوال :- نماز میں تہبند کھل جانے کا اندیشہ ہو تو کیا اس کو دونوں ہاتھوں سے باندھ سکتے ہیں؟



یا کس سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے ایک ہاتھ سے ایک جانب کس لیں، پھر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی دیر تک توقف کرنے کے بعد دوسری جانب دوسرے ہاتھ سے درست کر لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

مسجد میں چٹائی کی ٹوپیاں رکھنا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ ثواب کی نیت سے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لئے رکھ دیتے ہیں، جس سے برہنہ سر لوگ نماز کے وقت اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو براہ کرم اس کی وجوہ تحریر فرمائیں، بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا جائز نہیں، اور ان کو سر پر رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے،

وجوہ درج ذیل ہیں:

① ایسی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا احترام مسجد کے خلاف ہے، بالخصوص جبکہ ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں، اور ان پر میل کی تہ نظر آتی ہے، اور پسینے اور میل کی بو آتی ہے، کیا کوئی شخص ایسی ٹوپیاں کو اپنے مکان کے زینت بنانے کو تیار ہے؟ اگر نہیں تو خدا کے گھر کے لئے اس کو کیونکر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

② اس قسم کی ضروریات مسجد میں رکھنے سے عوام کے ذہن میں یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ وہ مسجد کو عبادت گاہ کی بجائے خیراتی اور رفاہی ادارہ سمجھنے لگے ہیں، اور یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے، اور اس میں مسجد کی توہین ہے،

③ جو لباس پہن کر انسان کسی مجلس میں جانے سے شرماتا ہو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر دوام مکروہ تحریمی کے قریب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا:

سوال ۱۔ مسجد کے صحن میں باہر نماز باجماعت ادا کر رہے تھے، بارش زور سے شروع ہو گئی، تو



کیا نماز توڑ کر اندر مسجد میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب باسم ملہم الصواب

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں، البتہ بارش سے کسی کو مرض کا خطرہ ہو یا بھیگنے سے پشیمان  
گرام چاندی کی قیمت کے برابر مالی نقصان ہو رہا تھا، تو ایسا شخص نماز توڑ سکتا ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب ۱۲۹۸ھ

### نماز میں کھکھارنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تنخج مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو  
مطلقاً مفسد نہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طبعی ضرورت سے بلا اختیار کھانسی آگئی یا کسی صحیح غرض سے کھکھارا، مثلاً قرأت کے لئے آواز  
صاف کرنا، یا امام کو تنبیہ یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع مقصود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، قال العلاء  
رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوٰۃ والتنجح بحرفین بلاعد را ما بہ بان نشأ من  
طبعہ فلا اوبلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته اولیٰ یمتدی امامہ اوللا علام انه فی  
الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله بحرفین) یعلم  
حکم الزائد علیہما بالاولیٰ لکن یوہم ان الزائد لو کان بعد رفسد ویخالفہ ظاہر  
ما فی النہایۃ عن المعیط من انه ان لم یکن مدفوعاً الیہ بل لاصلاح الحلق لیتمکن  
من القلاءۃ ان ظہر لہ حروف نحو قوله اُح اُح وتکلف لذلك کان الفقیہ اسمعیل الزاهد  
یقول یقطع الصلوٰۃ عند ہا لانہا حروف مہجاء اہ ای والصحیح خلافہ کما یأتی (قوله  
بان نشأ من طبعہ) ای بان کان مدفوعاً الیہ، (در المحتار ص ۵۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۱۰ محرم ۱۲۹۹ھ

### سہو اسلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی:

سوال :- زید مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، جبکہ زید کی تین رکعت نماز ہوئی تھی  
دعا کے بعد زید نے سنتیں شروع کر دیں، سنتوں کی تکبیر تحریم کے بعد یاد آیا کہ امام کے پیچھے تین  
رکعت پر سلام پھیر دیا ہے، زید نے ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہو گئی، یا اعادہ



واجب ہے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملهم الصواب

سنتوں کی تکبیر تحریم کہنے سے فرائض کی تحریم باطل ہو گئی، اس لئے یہ نماز صحیح نہیں ہوئی، اعادہ فرض ہے، قال فی العلائیة ولا تبطل بنية القطع ما لم يكبر بنية مغايرة وقال ابن عابد رحمه الله تعالى وكذا بنية الانتقال الى غير هات (قوله ما لم يكبر بنية مغايرة) بان يكبر اذياً النقل بعد شروع الفرض وعكسه او الفائتة بعد الوقتية وعكسه والاقتداء بعد الانفراد وعكسه واما اذا كبر بنية موافقة كان نوى الظهر بعد ركعة الظهر من غير تلفظ بالنية فان النية الاولى لا تبطل ويبنى عليها ولو بنى على الثانية فسدت الصلوة (رد المحتار ص ۴۱۱) وفي العلائیة ويفسدها انتقاله من صلوة الى مغايرتها ولو من وجه حتى لو كان منفرداً فكبر بنوى الاقتداء أو عكسه صار مستأنفاً بخلاف نية الظهر بعد ركعة الظهر الا اذا تلفظ بالنية فيصير مستأنفاً مطلقاً، وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى (قوله ويفسدها انتقاله الخ) اى بان ينوى بقلبه مع التكبيرة الانتقال المذكور قال فى النهى بان صلى ركعة من الظهر مثلاً ثم افتتح العصر او التطوع بتكبيرة، فان كان مضاً ترتيباً كان شارعاً فى التطوع عند هاتين، خلافاً لمحمد، اولم يكن بان سقط للضيق او للكثرة صح شروعه فى العصر لانه نوى تحصيل ما ليس بحاصل فخرج عن الاول فساظ الخروج عن الاول صحة الشروع فى المغايرة ولو من وجه فلذا لو كان منفرداً فكبر بنوى الاقتداء أو عكسه او امامة النساء فسد الاول وكان شارعاً فى الثانى وكذا لو نوى نفلاً او واجباً او شرعاً فى جنازة فجئى باخرى فكبر بنويهما او الثانية يصير مستأنفاً على الثانية كذا فى فتح القدیر اهـ (قوله أو عكسه) بالنصب عطفًا على منفرداً (قوله بخلاف نية الظهر الخ) اى نيته مع التكبيرة كما مر قال فى البحر يعنى لو صلى ركعة من الظهر فكبر بنوى الاستئناس للظهر بعينها لا يفسد ما اداه ويحتسب بتلك الركعة حتى لو صلى ثلاث ركعات بعد هاتين لم يقعد فى اخرها حتى صلى رابعة فسدت الصلوة ولغت النية الثانية (قوله مطلقاً) اى سواء انتقل الى المغايرة او المتحدة لان التلفظ بالنية كلام مفسد للصلوة الاولى فصح الشروع الثانى، (رد المحتار ص ۴۱۱) فقط والله تعالى اعلم، ۱۵ / صفر ۱۳۹۹



نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم :

سوال ۱۔ اگر کسی شخص کو نماز کے بعد شک ہو کہ میرا وضو تھا یا نہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز ہو گئی یا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، الیقین لا یزول بالیقین کا مقتضی تو یہ ہے کہ اس کا وضو ثابت نہیں، اس لئے نماز صحیح نہ ہو، مگر نماز سے فراغت کے بعد اس کی نوعیت وقوع الشک فی ارکان الصلوٰۃ بعد الفراغ جیسی ہو گئی، جو غیر معتبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز صحیح ہے، معہذا اعادہ احوط ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا :

سوال ۲: میرے محلہ کی مسجد شریف کے صحن میں جو مسجد سے ملحق (متصل) ہے موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گٹریا گوبر کی کھاد ڈال کر گھاس لگا رہی ہے اور ظاہر ہے گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے پانی برابر دیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس گھاس پر نماز دو صورتوں سے صحیح ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اس کا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کہ اس میں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہو گا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہو جائے گا گھاس پاک ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ اشوال سنہ ۹۹ھ

ریح روک کر نماز پڑھنا :

سوال ۳: پیٹ میں ہمیشہ خرابی رہنے کی وجہ سے اگر بار بار وضو ٹوٹے ریح کے ذریعے تو اس ریح کو روک کر نماز تراویح یا فرائض وغیرہ پڑھا سکتے ہیں اور خود پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دوسرے وقت میں اطمینان سے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو تو ریح کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر منفرداً مختصر طور پر اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت کے پڑھنے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، مہر رمضان سنہ ۱۴۲۰ھ



پاک کپڑا نہ ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے :

سوال : زید کے کپڑے ناپاک ہو گئے اور نماز کا وقت ہو گیا، پانی موجود نہیں، نماز قصار کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے مگر اسکے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، معہذا بہتر ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے کما قالوا فی العجز عن القيام ویغلب علی ظنہ القدرة بعدہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۱ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا :

سوال : کسی کو نماز میں چھینک آئی اور اسنے قصداً یا بلا قصد الحمد للہ کہا تو یہ جائز ہے یا مکروہ ہے یا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چھینک کے بعد الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر قصداً نہیں کہنا چاہیے، قال فی البدایہ ومن عطس فقال له اخرج برحمتی اللہ وهو فی الصلوة فسدت صلوة، وفي الشرح لانه یجری فی مخاطبات الناس فكان من کلامهم بخلاف ما اذا قال العطس والسامع الحمد للہ علی ما قالوا لانه لم یتعارف جواباً (شرح البدایہ ص ۱۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا :

سوال : زید نماز پڑھ رہا تھا، اسنے کسی نمازی یا غیر نمازی کی چھینک سکر یرحمک اللہ کہ دیا، قصداً یا بلا قصد، چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو یا نہ کہا ہو، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ یرحمک اللہ کہنا جائز ہے یا مکروہ یا مفسد؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب صورتوں میں یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوة وتشمیت عطس یرحمک اللہ ولو من العطس لنفسه لا (رد المحتار ص ۵۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ



## مسائل زلہ القاری

دو رکعتوں کی قرات کے درمیان ایک چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے :

سوال :- پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی ہو اس کے بعد ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت پڑھنا کیسا ہے؟ یا کہ متصل ساتھ والی سورت پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورت کے بعد والی سورت اس سے اتنی زیادہ طویل ہو کہ جتنا دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ ہے، تو اس کا ترک کرنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ ایک سورت کا ترک مکروہ ہے، دریا زیادہ سورتوں کے ترک میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التئویر رحمہ اللہ تعالیٰ ویکرہ الفصل بسورة قصيرة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اما بسورة طويلة بحيث يلزم منه اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلا يکرہ شرح المنیة كما اذا كانت سورتان قصيرتان (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۴ رمضان ۱۲۹۸ھ

پہلی رکعت میں سورۃ ناس پڑھ لی :

سوال :- ایک شخص نے غلطی سے رکعت اولیٰ میں سورۃ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟ اوپر سے پڑھنا مکروہ ہے، اور ایک ہی سورت کا تکرار بھی مکروہ ہے، ایسی مجبوری میں کیا کرے؟ دوسری رکعت میں سورۃ فلق پڑھے یا اس میں بھی سورۃ ناس ہی پڑھے؟ حکم شرع تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسری رکعت میں بھی سورۃ ناس ہی پڑھے، سہو کی حالت میں سورت کا تکرار مکروہ نہیں، قال فی المنہ قرأ فی الاولى بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانية هذه السورة ایضاً رفتح القدیر ص ۲۴۳ ج ۱) وفی شرح التئویر لا بأس ان یقرأ سورة ولعیدها فی الثانية وفی الشامیة افاد انه یکرہ تنزیها علیہ یحمل جزم القنیة بالکراهة ویحمل فعله علیہ الصلوة والسلام لذلك علی بیان الجواز، هذا الم یضطر فان



اضطربان قرأ فی الاولی قل اعوذ برب الناس اعادها فی الثانية ان لم یختم نحران التکرار احسن من القراءة منکوسا بزایة واما لو ختم القرآن فی رکعة فیاخی قریباً انه یقرأ من البقرة (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

پہلی رکعت میں سورۃ ناس شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال :- امام نے پہلی رکعت میں غلطی سے سورۃ ناس شروع کر دی، مگر فوراً ہی اس کو چھوڑ کر سورۃ فلق پڑھ لی، اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا اتوجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

سورۃ ناس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے، اسی کو پوری کر کے دوسری رکعت میں بھی یہی سورت پڑھنی چاہئے، قال فی الفتح ولو قصد سورۃ وافتتح غیرھا فاراد ترکھا الی المقصود کرہ ذلک ولو کان حرفاً واحداً (فتح القدیر ص ۲۲۳ ج ۱)، فقط والله تعالی اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

دوسری رکعت میں اوپر کی سورت شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال :- امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۃ تبت پڑھی، اور دوسری میں اذا جاء شروع کر دی، مگر ابھی ایک آیت بھی نہ پڑھی تھی کہ اس کو چھوڑ کر سورۃ اخلاص پڑھ لی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا اتوجروا

الجواب منه الصدق والصواب

دوسری رکعت میں سورۃ نصر ہی پوری کرنا چاہئے تھی، اس کو چھوڑ کر سورۃ اخلاص پڑھنا مکروہ۔ فی شرح التویر عن القنیۃ قرأ فی الاولی الکافرون و فی الثانية المترادبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ، و فی الشامیۃ افاد ان التکیس او الفصل بالقصیۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سهوا فلا کما فی شرح المنیۃ واذا انتفت الکراہۃ فاعراضه عن التی شاع فیہا لا ینبغی و فی الخلاصۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیتہ او آیتین اراد ان یترک تلك السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ ام و فی الفتح ولو کان ای المقصود حرفاً واحداً، (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ



ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف انتقال؛

سوال :- ایک سورت کو چھوڑ کر دوسری کی طرف انتقال سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس میں فرض و نفل کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، فرائض اور نوافل دونوں کا ایک ہی حکم ہے، قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الخلاصة هذا آكله فی الفرائض اما فی النوافل فلا یکرہ، وعندی فی الکلیۃ نظر فانه صلی اللہ علیہ وسلم نہی بلا لآ عن الانتقال من سورة الى سورة وقال له اذا ابتدأت بسورة فاستمعها علی نحوها حین سمعه ینتقل من سورة الى سورة فی التہجد، (فتح القدیر، ص ۱۳۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

نماز میں خلاف ترتیب قرأت مکروہ ہے؛

سوال :- نماز میں منکوساً قرآن مجید پڑھنے سے سجدہ سہولاً لازم ہی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

سجدہ سہو نہیں، البتہ عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، سہواً مکروہ نہیں، ایک ہی رکعت میں عمداً ایسا کیا تو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے، اور اگر دوسری رکعت میں اوپر سے پڑھا تو صرف فرض میں مکروہ ہے نفل میں نہیں، قال فی المندیۃ اذا قرأ فی رکعة سورة وفي الركعة الاخری او فی تلك الركعة سورة فوق تلك السورة یکرہ وکذا اذا قرأ فی رکعة آية ثم قرأ فی الركعة الاخری او فی تلك الركعة آية اخرى فوق تلك الآية (الی قولہ) هذا آكله فی الفرائض اما فی السنن فلا یکرہ (عالمگیریہ، ص ۱۳۲۰) وفي الشامية ان التکیس او الفصل بالقصیر انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سهوا فلا یضایفہا تحت رقلہ ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلك، واعترض ح ایضاً بانہم نصوا بان القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة فلو عکسہ خارج الصلوۃ یکرہ فکیف لا یکرہ فی النفل تأمل واجاب ط بان النقل لا تساع بابہ نزلت کل رکعة منه فعلاً مستقلاً فیکون کما لو قرأ انسان سورة ثم سکت ثم قرأ ما فوقہا فلا کراهة فیہ، (رد المحتار، ص ۱۳۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ



قرآن دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے :

قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں، جبکہ ورق نہ پلٹے جائیں، اگر فاسد ہوگی تو فساد کی وجہ کیا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ اوراق نہ پلٹے، اس لئے کہ یہ حاج سے تلقن ہے، جو کہ مفسد ہے جیسا کہ کسی حاج نماز آدمی سے لقمہ لینا مفسد ہے، فی مفسدات الصلوۃ من شرح التنبیہ و قراءتہ من مصحف ای ما فیہ قرآن مطلقاً لانہ تعلم الخ، و قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ انہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ (رد المحتار، ص ۱۷۵۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ارجامی الآخرہ ۸۷ھ

قرارت میں فاحش غلطی کی پھر صحیح کر لیا تو نماز ہو گئی :

سوال :- اگر کسی نے غلطی سے اقامت موازینہ فاتمہ ہاویہ پڑھ لیا، مگر پھر فوراً ہی صحیح کر لیا، تو نماز صحیح ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، فی الہندیۃ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوۃ بخطاً فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوۃ جائزۃ (عالمگیریہ، ص ۱۷۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ شعبان ۸۷ھ

سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا :

سوال :- امام صاحب نے عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تأتیہم البیتۃ پڑھا، رسول من اللہ یتلوک قیتمۃ تک نہیں پڑھا، وما تفرق الذین سے آخر سورت تک پڑھا، نماز کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ نماز دھرائی جائے، کیونکہ شروع میں تین آیتوں کی قمرہ رار نہیں پڑھا گیا، امام صاحب نے کہا کہ میں نے صرف ایک آیت چھوڑی ہے باقی سورت پوری پڑھ لی نماز ہو گئی، اس بار میں کیا فتویٰ ہے نماز دھرائی جائے ہو گئی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، دھرانے کی ضرورت نہیں، بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، قال فی الشامیۃ لو



انتقل فی الركعة الواحدة من آية الى آية يكره وان كان بينهما آيات بلا ضرورة فان سها  
ثم تذكر بعود مراعاة لترتيب الآيات، شرح المنية (رد المحتار، ص ۱۰۵۱ ج ۱) یہ حکم جب ہے کہ  
دوسری آیت کو پہلی کے ساتھ ملانے سے فساد معنی لازم نہ آئے، جیسا کہ صورت سوال میں ہے، اگر ملانا  
مفسد معنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں نماز ہو جائے گی، اور اگر  
بدون وقف دوسری آیت ملائی تو نماز نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

### سوال مثل بالا:

سوال :- اما صاحب نے سورہ غاشیہ پڑھی، تَسْقِي مِنْ عَيْنٍ اَنِیَّةٍ کے بعد چند آیات  
چھوڑ کر فیہا عین جاریہ سے پڑھا، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر انیۃ پر وقف کئے بغیر آگے فیہا عین جاریہ پڑھا تو فساد معنی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی،  
وقف کیا ہو تو نماز صحیح ہے، ایک آیت کی بجائے دوسری آیت پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ معنی میں فساد  
نہ آئے تو بالاتفاق نماز صحیح ہے، اور اگر معنی میں فساد آگیا تو پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں بالاتفاق  
نماز ہو جائے گی، اور وقف نہیں کیا تو اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مفسد ہے، قال فی الخانیۃ  
وان ذکر آية مكان آية ان وقت على الاولى وقفًا تامًا وابتدأ بالثانية لا تفسد صلوته  
كما لو قرأ والتين والزيتون ووقف ثم ابتدأ لقد خلقنا الانسان في كبد لا تفسد  
صلوته وكذا لو قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصالحات ووقف ثم قرأ اولئك هم  
شر البرية وان لم يقف وقرأ موصولاً ان لم تغیر الاولى بالثانية كما لو قرأ ان  
الذين امنوا وعملوا الصالحات فلم يجز آء الحسنی او قرأ وجوه يومئذ علیہا  
غبرة اولئك هم الکفر ون حَقًّا لا تفسد صلوته وان تغیر المعنی بان قرأ ان  
الابرار لفي جعيم وان الفجار لفي نعيم او قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصالحات  
اولئك هم شر البرية او قرأ وجوه يومئذ علیہا غبرة اولئك هم المؤمنون  
حَقًّا تفسد صلوته لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به. وقال بعضهم لا تفسد  
صلوته لعموم البلوی والاول اصح، (وقال قبیل هذا) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ  
فیہ روایتان الصحیح هو الفساد لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به (خانیۃ علی ہامش لہند ص ۱۵۱)



وفیہا وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا شَقِیْ قَرَأَ اِلَّا تَقٰی بالتاء وقال ان وصل بہ الَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی  
تفسد صلوٰتہ وان لم یصل بل وقف ثم ابتدأ بِالَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی لا تفسد  
صلوٰتہ وکن الوقراً وَسِیْجَتُہُمَا اِلَّا تَقٰی الَّذِیْ سِیْجَتُہُمَا اِلَّا شَقِیْ الَّذِیْ ان وصل بہ  
الَّذِیْ یُوْثِقِ مَالُہُ یَتَزَكٰی تفسد صلوٰتہ والا فلا (رخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۱۲۶ ج ۱)  
وفی العلائیۃ ومصحح الباقانی الفساد ان غیر المعنی نحو رِبِّ الْعَالَمِیْنَ للاضافۃ  
کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحَنِّ، وقال ابن عابدین رحمہ  
اللہ تعالیٰ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفاتاً ما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ  
جَحَنِّ فلا تفسد الخ (رد المحتار، ص ۵۹۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ

اشقی کی بجائے اتقی پڑھ گیا؛

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز جمعہ پڑھائی  
ہوئے پہلی رکعت میں سورۃ اعلٰی پڑھی اور اس کی آیت سَیِّدَ کَرِّ مَنْ یَخْشٰی وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا شَقِیْ  
الَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی کی بجائے وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا تَقٰی الَّذِیْ یُوْثِقِ مَالُہُ یَتَزَكٰی وَمَا لِحَدِ  
عِنْدَہُ مِنْ تَعْمِیۃٍ تُجْزٰی الی اخر سورۃ اللیل ختم کر دی، پھر بغیر درست کئے پہلی رکعت کا رکوع  
کر دیا، نماز درست ہو گئی یا فاسد ہو گئی اور اعادہ کی ضرورت ہے؟ بحوالہ تحریر فرمائیں، بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یخشیٰ پر وقف کر کے آگے پڑھا تو نماز ہو گئی، ورنہ نہیں، قال فی العلائیۃ ومصحح الباقانی  
الفساد ان غیر المعنی نحو رِبِّ الْعَالَمِیْنَ للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی  
نحو اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحَنِّ، وفی الشامیۃ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف  
وقفاتاً ما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ جَحَنِّ فلا تفسد (رد المحتار، ص ۵۹۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۵ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

دوسری رکعت کے اطالہ مکروہہ کی مقدار؛

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بڑھی سوت پڑھنا مکروہہ ہے، اس زیادتی کی مقدار کیا؟  
کتنی آیتیں زیادہ ہوں تو کراہت ہوگی؟ نیز یہ کراہت نوافل میں بھی ہے کہ صرف سنرائض  
میں ہے؟ بینواتوجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض میں بالاتفاق اور نوافل میں علی الرائج دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ تنزیہی ہے، اطالہ کی مقدار میں رائج اور سہل قول یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں تفاوت بتین ہو، قال فی العلائیۃ واطالۃ الثانية علی الاولیٰ یکرہ تنزیہاً اجماعاً ان بثلاث آیات ان تقاربت طولاً وقصراً والا اعتبر الحروف والكلمات واعتبر الحلی فحش الطول لا عد دال آیات واستثنی فی البحر ماوردت به السنۃ واستظهر فی النفل عدم الکراہۃ مطلقاً وان باقل لا یکرہ لانه علیہ الصلوۃ والسلام صلی بالمعوذتین، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعد نقل کلام الحلبي والذي تحصل من مجموع کلامہ وکلام القنیۃ ان اطلاق کراہۃ اطالۃ الثانية بثلاث آیات مقید بالسور القصیرۃ المتقاربۃ الایات لظہور الاطالۃ حینئذ فیہا اما السور الطویلۃ او القصیرۃ المتفاوتۃ فلا یعتبر العدد فیہما بل یعتبر ظہور الاطالۃ من حیث الكلمات وان اتحدت آیات السورتین عدداً هذا ما فهمتہ واللہ تعالیٰ اعلم بقوله واستثنی فی البحر ماوردت به السنۃ (ای کقراءتہ علیہ الصلوۃ والسلام فی الجمعة والعیدین فی الاولیٰ بالاعلیٰ فی الثانية بالغاشیۃ فانه ثبت فی الصحیحین مع ان الاولیٰ تسع عشرة آیۃ والثانیۃ ستۃ وعشرون وعلى ما مر عن شرح المنیۃ لاجابة الى الاستثناء لان هاتین السورتین طویلتان ولا تفاوت ظاہر بينهما من حیث الكلمات والحروف بل هما متقاربان، وقال تحت (قوله مطلقاً) والاصح کراہۃ اطالۃ الثانية علی الاولیٰ فی النفل ایضاً لما قالہ بالفرض فیما لم یرد بہ تخصیص من التوسۃ کجوازہ قاعداً بلا عذر ونحوہ واما اطالۃ الثالثة علی الثانية والاولیٰ فلا تکرر لما انه شفع اخراهم (رد المحتار ص ۱۷۵۰)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ میں تفاوت باعتبار حروف کلمات کو غیر ظاہر قرار دینا غیر ظاہر ہے، ظاہر یہ ہے کہ حلبي رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کے مطابق سو طوال میں اس قدر تفاوت غیر ظاہر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رمضان ۱۲۹۵ھ



## باب الوتر والنوافل

قنوت وتر میں کوئی دوسری دعا پڑھنا؛

سوال؛ ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں قنوت پڑھنا ضروری نہیں اور نہ ہی دعا، قنوت کا سیکھنا ضروری ہے، اس کے سوا بھی نماز ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

وتر کی تیسری رکعت میں سورت کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی دعا بھی نہ پڑھی تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کوئی دعا ربنا اناستعینک الخ یا کوئی دوسری دعا پڑھ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی البتہ دعا مشہور اللهم انا نستعینک الخ پڑھنا مسنون ہے، دعا مسنون کا نہ سیکھنا یا باوجود یاد ہونے کے عمدًا ترک کرنا گناہ ہے، قال شارح التنبیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی واجبات الصلوٰۃ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء، وفي الشامية ای القنوت الواجب يحصل بائی دعاء کا، قال فی النہر واما خصوص اللهم انا نستعینک فسنة فقط حتى لو آتی بغیرہ جازاجماعاً (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳) وایضاً فی باب الوتر من شرح التنبیہ وقت فیہ ویسن الدعاء المشہور، وفي الشامية ومن لا یحسن القنوت یقول ربنا اناستعینک فی الدنیا حسنة الآية وقال ابو اللیث یقول اللهم اغفر لی یکررها ثلاثا وقیل یقول یارب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ ام ررح المحتار ج ۱ ص ۶۲۴ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳۰ جمادی الآخرہ ۱۲۵۵ھ

تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم؛

سوال ۱۔ وتر میں قنوت کی تکبیر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس کے وجوب میں اختلاف ہے، شامیہ میں عدم وجوب کو ترجیح دی ہے، معہذا سجدہ سہو



کرنے میں احتیاط ہو نہ کرنے کی گنجائش ہے، (فرلہ و کذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب مسجد السہو و مسائل الحق بہ ای بالقنوت تکبیرہ و جزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ و ذکر فی الظہیریۃ انہ لو ترک لا درایۃ فیہ و قیل یجب السجود اعتباراً بتکبیرات العید و قیل لا اہ و ینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ الاصل و لا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید اہ (رد المحتار، ج ۱ ص ۲۳) فقط واللہ اعلم

۲۰، سفر ۱۶۶ھ

### دعائے قنوت کا تکرار :

سوال :- دعائے قنوت وتروں میں دو دفعہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب آیا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں کوئی غیر معین دعا پڑھنا واجب ہی، اور جو دعا عام طور پر وتر میں پڑھی جاتی ہے سنت ہے، اس کے علاوہ اور دعائیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، لہذا اس موقع پر جتنی دعائیں بھی پڑھی جائیں یا ان کا تکرار کر لیا جائے، بہر کیف سجدہ سہو واجب نہ ہوگا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷، ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

### دعائے قنوت سے ترک یا تکرار :

سوال :- اگر وتر میں دعائے قنوت آدھی پڑھی یا بھولنے کے بعد پھر ابتداء سے شروع کر کے پوری پڑھی تو کیا ان صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قنوت میں کوئی بھی دعا مختصر یا طویل پڑھ لی جائے تو واجب ادا ہو جاتا ہے، دعا معروف پوری پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں، لہذا اس میں سے کسی حصہ کے ترک یا تکرار یا پوری دعا کے تکرار سے سجدہ سہو نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹، محرم ۱۲۸۹ھ

پانچوں نمازوں میں سنتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں :

سوال :- ایک شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، اور تہجد بھی پڑھتا ہے، مگر سنتیں نہیں پڑھتا، اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتیں پڑھنا یا حکم دینا کہیں ثابت نہیں، کوئی عالم ثابت نہیں کر سکتا، بینوا توجروا،



## الجواب ومنه الصدق والصواب

جو شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں نہیں پڑھیں وہ جاہل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنتیں پڑھنا اور امت کو ترغیب دینا اور بعض سنتوں کے ترک پر وعید فرمانا صریح اور صحیح احادیث سے ثابت ہے،

① عن عائشة رضي الله تعالى عنها كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي قبل الظهر أربعاً وبعد هاركتين وبعد المغرب ثنتين وبعد العشاء ركعتين وقبل الفجر ركعتين، (رواه مسلم وأبو داود وابن حنبل)

② عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه كان يصلي النبي صلى الله عليه وسلم بعد الزوال أربع ركعات فقلت ما هذه الصلوة التي تداوم عليها فقال هذه ساعة تفتح أبواب السماء فيها أحب أن يصعد لي فيها عمل صالح فقلت أفي كل من قراءة قال نعم فقلت بتسليمة واحدة أم بتسليمتين فقال بتسليمة واحدة (رواه الطحاوي وأبو داود والترمذي وابن ماجه) قال في الشامية روضة من غير فصل بين الجمعة والظهر فيكون سنة كل واحد منهما أربعاً،

③ روى ابن ماجه رحمه الله تعالى بإسناد عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهن (ابن ماجه) ④ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه صلى الله عليه وسلم قال من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً (رواه مسلم)

⑤ عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صابر على اثنتي عشرة من السنة بنى الله له بيتاً في الجنة أربع ركعات قبل الظهر وركعتين بعد هاركتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل الفجر، (رواه الترمذي وابن ماجه)

⑥ روى الجماعة إلا البخاري رحمه الله تعالى من حديث أم حبيبة رضي الله تعالى عنها أنها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من عبد مسلم يصلي في كل يوم اثنتي عشرة ركعة تطوعاً من غير الفريضة إلا بنى الله له بيتاً في الجنة زاد النسائي والترمذي أربعاً قبل الظهر وركعتين بعد هاركتين



درکعتین بعد المغرب درکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل صلوٰۃ الغداة،

④ لاند عوار کعتی الفجر و لو طرد تکم الخیل، (رواہ ابوداؤد)

⑤ رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا (رواہ مسلم)

⑥ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شیء من النوافل اشد تعاهداً آمنه علی رکعتی

الفجر، (رواہ البخاری)

⑦ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک اربعاً قبل ان ینزل من السماء لم تنله شفاعتی (شامیہ ج ۱)

⑧ واما الاربع قبل العشاء فاخرج ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیئہ علی البحر

المسماۃ بمنعۃ الخالق فیہا حدیثاً، وایضاً استدلال علیہا بعموم قولہ علیہ السلام بین

کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء (رواہ الجماعة)

واما کونها اربعاً فیتمشی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حیث قال ان الافضل فی

صلوٰۃ اللیل کونها اربع رکعات او بالقیاس علی صلوٰۃ الظهر والعصر، والوجه ظاہر،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ صفر ۱۳۵۵ھ

سنت مؤکدہ اور نفل ایک سلام سے پڑھنا؛

سوال :- مندرجہ ذیل فتویٰ کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں :-

اگر کوئی شخص دو رکعت سنت بعد از ظہر یا بعد مغرب کو دو رکعت نفل سے جمع کر کے ایک ہی

تحریمہ اور ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

جواب :- صحیح ہے، چاہے نیت سنت کی کرے یا نفل کی، یا مطلق نماز کی، سنت بھی ادا

ہو جائے گی اور نفل بھی، اس کی تحقیق تفصیل کے ساتھ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے نیز

رد المحتار وغیرہ میں بھی ہے قال فی الدر المختار وسبب بعد المغرب لیکتب من الاربابین

(الی قولہ) وهل تحسب المؤکدة من المستحب ویؤدی الکل بتسلیمة واحدة اختار

الکمال نعم وفی رد المحتار بعد ذکر الاختلاف واختار هو انه اذا صلی اربعاً بتسلیمة

او تسلیمتین وقع علی السنة والمندوب وحقق ذلك بما لا مزید علیہ واقرة فی

شرح المنیۃ والبحر والنہر، انتہی،

تحقیق بالا سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا بیانا شافیا،



## الجواب ومنه الصدق والصواب

تحقیق بالاصح ہے، مگر خروج عن الاختلاف کے لئے علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی بہتر ہے، صورتِ ضم کے عدم جواز پر درمختار کے اس جزئیہ سے شبہ نہ ہو، صلی اربعاً فوق رکعتان بعد طلوعہ (امی الفجر) لا تجزیہ عن رکعتیہا علی الاصح تجنیس لان السنة ما اظہر علیہا لرسول صلی اللہ علیہ وسلم بتحریم مبتدأ، وکن فی الشامیۃ ایضاً ورجحہ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۲) کیونکہ سنن فجر میں مواظبت تحریمیہ مبتدأ ثابت ہے، اور صورتِ مسئلہ میں مواظبت علی عدم الضم ثابت نہیں، بعد الظہر رکعتین واربع رکعات دونوں قسم کی روایات ہیں، اربع رکعات والی روایت میں بتسلیمتین کی تصریح نہیں، اور متبادر بتسلیمتہ واحدة ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ صفر ۱۴۵۵ھ

دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہوا کھڑا ہو گیا:

سوال:- دو رکعت نفل کی نیت باندھی اور قعدہ کے بعد سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت کو مقید بسجدہ کرنے سے قبل یاد آ گیا، تو عود کرنا بہتر ہے یا کہ چار رکعت کا پورا کرنا؟ بینوا توجروا،

## الجواب ومنه الصدق والصواب

شفع ثانی پورا کر لینا بہتر ہے، اس لئے کہ عود میں شفع ثانی کا ابطال لازم آتا ہے، معہذا شفع ثانی کی تکمیل ضروری نہیں، کیونکہ وجوب اتمام مقید ہے، شروع قصد اسے، اور صورتِ مسئلہ میں شروع قصد نہیں، لزماً نفل شرع فیہ قصداً (شرح التوہید باب النوافل) (مزید دلائل تفصیل باب صفة الصلوة وما يتعلق بہا میں عنوان "توہم فساد کی بناء پر الخ" میں ملاحظہ ہو، مرتب)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب ۱۴۵۵ھ

قنوت وتر کے ساتھ قنوت نازلہ ملانا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص وتر کے اندر دعاء قنوت کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں اللہم انا نستعینک الخ اور اللہم اهدنا الخ پڑھنا ماثور ہے، ان دونوں کے ساتھ



مزید جو دعا چاہے ملا سکتا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی شرح المنیۃ والصیح  
ان عدم التوقیت فیما عدا المأثور لان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتفقوا علیہ ولانہ  
ربما جرى علی اللسان ما يشبه كلام الناس اذا لم یوقت ثم ذکر اختلاف الالفاظ الواردة  
فی اللہم انا نستعینک الخ ثم ذکر ان الاولی ان یضم الیہ اللہم اهدنی الخ وان ماعد  
هذین فلا توقیت فیہ ومنہ ما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انه کان یقول بعد  
عن ابلک الحمد بالکفار ملحق اللہم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الف  
بین قلوبہم واصلح ذات بینہم وانصرہم علی عدوک وعدوہم اللہم العن کفرۃ الکثا  
الذین یکنون رسلک ویقاتلون اولیائک اللہم خالف بین کلمتہم ونزلزل  
اقدامہم وانزل علیہم بأسک الذی لا یرد عن القوم المجرمین، (رد المحتار ص ۶۲۲)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال ۸۶ھ

### وتر میں دو تشہد کا ثبوت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر کی تین رکعت بیک سلام اگر پڑھی جائیں  
تو وتر کی صرف آخری رکعت ہی میں تشہد پڑھا جائے یا دوسری رکعت میں بھی پڑھنا چاہئے، جس طرح  
کہ مغرب کی نماز فرض تین رکعت میں دوسری اور تیسری رکعت میں تشہد پڑھا جاتا ہے،  
زید کہتا ہے کہ تین رکعت وتر میں صرف آخری رکعت میں ایک ہی بار تشہد آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم (رفدہ ابی دآمی) سے ثابت ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کوئی صحیح حدیث جس میں دو دفعہ  
تشہد ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین رکعت وتر پڑھتے تو دوسری اور تیسری رکعت ہر دو  
میں تشہد پڑھنا ثابت ہو، تحریر فرمائیں، بینوا اتوجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل میں دو تشہد کی صراحت ہے،

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الوتر ثلاث کثلاث المغرب، رواہ الطبرانی فی الاوسط،

② عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

الصلوة مثنی مثنی تشہد فی کل رکعتین، الحدیث (مشکوٰۃ، ص،،،) یہ حدیث اگرچہ نزول



کے بارے میں ہر لیکن تشہد فی کل رکعتین کا عموم و ترکو بھی شامل ہے،

(۳) عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال الوتر ثلاث كوتر النهار صلوة المغرب (رحمہ اللہ الطحاوی) فیہ دلالة علی ان الوتر ثلاث رکعات وتشبیہہ بصلوة المغرب یفید وجوب القعدة علی الركعتین ایضاً كما فی المشبه به ویشعر بمنع نقصه عن الثلث ایضاً كما فی المغرب وهذا اثر صحيح موصول،

(۴) عن حفص بن سليمان عن ابان بن ابي عياش عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال ارسلت امي ليلة لتبيت عند النبي صلى الله عليه وسلم فتظركيف يوتر فصلی ما شاء الله ان یصلی حتی اذا كان اخر الليل واراد الوتر قرأ بسم اسم ربك الاعلیٰ فی الركعة الاولى وقرأ فی الثانية قل یا ایہا الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینہما بالسلام ثم قرأ بقل هو الله احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء الله ان یدعو ثم کبر و رکع ام اخرجہ العافظ ابن عبد البر فی الاستیعاب له ولم یتکلم علیہ بشیء (اعلاء السنن ج ۶ ص ۵۱) فقط والله تعالى اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص:

سوال :- رمضان شریف کے سوا باقی سال میں وتر کی جماعت کیوں نہیں کرائی جاتی، اس کی کیا علت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے، اس لئے یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الذی یظہران جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاشترک تابعة للتراويح (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

سنن ونوافل کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے:

سوال :- جمعہ کے بعد والی سنن ونوافل کی نیت میں بعد جمعہ کے کہنا مستحب ہے یا اس وقت کا نام لے؟ مثلاً اس طرح چار رکعت سنت بعد جمعہ منہ میرا قبلہ کی طرف اللہ اکبر اور دل میں



کیا ارادہ کیا جائے گا، بعد جمعہ کا یا اس وقت کا؟ اور جمعہ سے قبل والی سنت میں جمعہ کہا جائے گا یا کیا؟  
بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

سنت و نوافل میں مطلقاً نماز کی نیت کافی ہے، چاہے جمعہ کی سنتیں ہوں یا دوسرے اوقات کی، صرف دل سے نیت کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں، کہہ لے تو بہتر ہے، قال فی التئویر والمعتبر فیہا عمل القلب للآزم للارادة وهوان يعلم بداهة ای صلوۃ یصلی والتلفظ بہا مستحب وقیل سنة (الی قولہ) وکفی مطلق نية الصلوۃ لنفل وسنة وتراویح وفي الشرح علی المعتمد اذ تعینہا بوقوعہا وقت الشروع والتعین احوط (رد المحتار ص ۳۸۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم  
۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

### سوال مثل بالا:

سوال:- زید کی ظہر سے قبل چار سنت چھوٹ گئیں، جماعت ختم ہونے کے بعد زید نے دو سنت کی نیت کر کے نماز شروع کی، قعدہ کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا، اور چار کی نیت کر لی، تو یہ چار قبل از جماعت والی ادار ہوئیں یا دو بعد الفرائض والی؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

سنت و نفل میں بدون تعیین رکعات مطلق نماز کی نیت کافی ہے، لہذا قبل چار رکعتیں گئیں دو رکعتیں بعد پڑھ لے، قال فی التئویر وکفی مطلق نية الصلوۃ لنفل وسنة وتراویح، وفي الشامية بان يقصد الصلوۃ بلا قيد نفل او سنة او عدد (رد المحتار ص ۳۸۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

قبل سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو وقت کے اندر قضا سنت مؤکدہ ہی:

سوال:- جمعہ و ظہر کی سنت مؤکدہ قبل والی اگر پہلے فرضوں کے نہ پڑھی جائیں تو بعد فرض کے پڑھنا سنت مؤکدہ ہی رہے گا یا نفل؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

بعد الفرائض بھی سنت مؤکدہ ہی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ



على انها سنة) اى اتفاقا وما فى الخانية وغيرها من انها نفل عند سنة عند هما فهو من تصرف المصنفين لان المذكور فى المسألة الاختلاف فى تقديرهما وتأخيرها والاتفاق على قضاءها وهو اتفاق على وقوعها سنة كما حققه فى الفتح وتبعه فى البحر والنهر وشرح المنية (رد المحتار ص ۱۷۶۳) فقط والله تعالى اعلم

۲۲ شوال ۱۲۸۶ھ

وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں:

سوال :- زید نے عشاء کی سنن کے بعد چار فرض تنہا ادا کئے مگر بھول کر چار کی بجائے دو پڑھ لئے اور بعد کی سنتیں اور نفل اور وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ فرض دو رکعت پڑھے گئے ہیں تو اب سنتوں اور وتر کا اعادہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر فرض کے تابع نہیں، مگر دو رکعت سنت مؤکدہ فرض کے تابع ہیں، لہذا فرض صحیح نہ ہونے کی صورت میں وتر کا اعادہ لازم نہیں، صرف دو سنت کا اعادہ کرے، قال فى الشامیة عن ح لوصلى العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به يعيد العشاء والسنة لا الوتر (رد المحتار ص ۱۷۶۸) فقط والله تعالى اعلم

۲ صفر ۱۲۸۶ھ

وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدہ سہو نہیں کیا:

سوال :- زید نے نماز پڑھائی، اور اس میں سجدہ سہو واجب ہو گیا، لیکن بوجہ جہالت کے اس نے سجدہ سہو نہیں کیا، جب مقتدیوں نے سنن ونوافل وتر سے فراغت حاصل کی، تب جناب زید صاحب کو علم ہوا کہ میرے اوپر سجدہ سہو واجب تھا، پھر اس نے دوبارہ جماعت کرائی، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مقتدی اب جو سنن وغیرہ پڑھ چکے تھے وہ بھی اب فرض کے ساتھ پڑھائیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو رکعت سنت مؤکدہ دوبارہ پڑھیں، وتر چونکہ مستقل نماز ہے اس لئے اس کو نہ پڑھائیں قال فى الشامیة لوصلى العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به يعيد العشاء والسنة لا الوتر لانه اداة ناسيا ان العشاء فى ذمته فقط الترتيب افاذه ح (رد المحتار ص ۱۷۶۸) فقط والله تعالى اعلم

۲ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ



فرض صحیح نہ ہوئے تو بعد والی سنت دوبارہ پڑھے:

سوال :- کسی کے فرض عشاء نہ ہوئے، مثلاً سجدہ سہو واجب تھا اور یاد نہ آیا، اور سلام کے بعد دوسری نماز یعنی سنن نوافل وتر کے بعد یاد آیا تو فرض کا اعادہ کرنے کے بعد سنن نوافل وتر کا اعادہ بھی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وتر غلطی سے دو پڑھ گیا اور اس کے بعد نفل بھی پڑھ لئے، اور نفل کے بعد یاد آیا، تو آیا نفل کا اعادہ بھی واجب ہے یا نہیں یا صرف وتر کا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن بعدیہ فرض کے تابع ہیں، لہذا ان کا اعادہ ضروری ہے، وتر اور نوافل کا اعادہ ضروری نہیں قال فی الشامیۃ لو صلی الوتر ناسیاً انہ لم یصل العشاء ثم صلاھا لا یعید الوتر لقولہم انہ لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به یعید العشاء والسنة لا الوتر لانه اداء ناسیاً ان العشاء فی ذمتہ فسقط الترتیب افادہ ح (رد المحتار ص ۶۸۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

فرض یا تراویح منفرد پڑھنے والے کی جماعت میں شرکت:

سوال :- اگر کوئی شخص فرض کی جماعت ختم ہونے کے بعد آیا، اور اکیلے فرض پڑھ کر تراویح میں شریک ہو گیا، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر تراویح میں بھی جماعت نہ ملی ہو تو کیا وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شامی کی تحریر کے مطابق اگر فرض اور تراویح یا صرف فرض منفرد پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے، اور اگر فرض جماعت سے پڑھے مگر تراویح منفرد پڑھیں، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، قال فی العلائیۃ ولو لم یصلھا ای التراویح بالامام او صلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ بقى لو ترکھا کل ھل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تعت (قوله ولو لم یصلھا الخ) رأیت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر فقوله ولو لم یصلھا ای وقد صلی الفرض معہ لکن ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازاً عن صلوتھا منفرداً اما لو صلاھا بجماعة مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ



لا کراحتہ تأمل (قوله بقی الخ) الذی ینظر ان جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح وان کان الوتر نفسه اسلا فی ذاته لان سنة الجماعۃ فی الوتر انما عرفت بالاشترک تابعۃ للتراویح علی انهم اختلفوا فی افضلیۃ صلاتها بالجماعۃ بعد التراویح کما یأتی (رد المحتار ص ۶۶۳) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الذی ینظر ان جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح) الذی ینظر ان جماعۃ تبع لجماعۃ الفرض لا التراویح فان المفہوم من قول المصنف ولا یصلی الوتر الخ انه یصلی جماعۃ فی رمضان فیعمل بعومہ حتی یوجد ما یقتضی تخصیصہ بما اذا صلی التراویح جماعۃ نعم التقیید بما اذا صلی الفرض جماعۃ نقلہ القمستانی، (التحریر المختار ص ۱۶۹۲)

مگر علامہ علی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ بہر صورت وتر کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے، البتہ اگر کسی نے بھی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو یہ لوگ تراویح اور وتر کی جماعت نہ کریں، اس صورت میں تراویح کی جماعت سے ممانعت مہرچ ہے، وتر کی صراحت نظر سے نہیں گزری، مگر ظاہر ہے کہ اس کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ جماعت وتر جماعت تراویح یا جماعت فرض کے تابع ہے، قال العلی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح المنیۃ الصغیر فاتتہ ترویجۃ وتر و یحتمل وقایۃ الامام الی الوتر یترو مع الامام ثم یقضى ما فاتتہ و اذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر و کذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعہ فی ذلك کله حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض و شرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولاً و حده ثم یتابعہ فی التراویح، و فی القنیۃ لو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لیس لہم ان یصلوا التراویح جماعۃ (صغیری ص ۲۱۰) و فی الدرفصلیۃ حدّ یصلیہا معہ و فی الشامیۃ ما لو صلیت بجماعۃ الفرض و کان رجل قد صلی الفرض وحده فله ان یصلیہا مع ذلك الامام لان جماعتہم مشروعۃ فله الدخول فیہا معہم لعدم المحذور (رد المحتار ص ۶۶۳) علامہ و شامیہ کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ تراویح یا جماعت پڑھ سکتا ہے، اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس صورت میں وتر یا جماعت جائز ہو، اس لئے کہ تراویح فرض کے تابع ہیں اور وتر مستقل نماز ہے، قال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله فلیراجع) قضیۃ التعلیل فی المسألة السابقة بقولہم لانہا تبع ان یصلی الوتر بجماعۃ فی هذه الصورة لانه لیس بتبع



للتراویح ولا للشاء عند الامام رحمه الله تعالى (طحطاوی علی الدرر ص ۲۹ ج ۱) جب  
جماعت فرض سے مختلف تابع یعنی تراویح کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے تو مستقل نماز یعنی وتر کی جماعت  
میں بطریق ادنیٰ شرکت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب ۱۲۸۶ھ

فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں:

سوال: ایک امام نے فرض نماز پڑھائی اور دوسرے امام نے پڑھائے، تو جائز ہی یا نہیں  
یا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، لما نقلنا فی المسألة السابقة عن الشامية ينبغي ان يكون  
قول القهستاني معه احترازاً عن صلواتها منفرداً اما الوصلاً لاجتماع مع غيره ثم صلت  
الوتر معه فلا كراهة تأمل (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب ۱۲۸۶ھ

جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا:

سوال: جماعت فجر کی کھڑی ہو جائے تو سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ سکتا ہے تو  
کس صورت میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ تشہد ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، جہاں تک ہو سکے مقام جماعت سے  
علیحدہ ہو کر پڑھے، مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو کسی دیوار یا ستون کی آڑ میں پڑھے، صف کے پیچھے  
بلا حائل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ مسجد کے دو حصے ہوں تو دوسرے حصہ میں پڑھنے کی گنجائش ہے،  
قال فی شرح التتویر واذ اخاف فوت رکعتی الفجر لا شغلہ بسنتہا ترکھا لكون الجملة  
اکمل والابان رجا ادراک رکعة فی ظاہر المذہب وقيل التشهد واعتمده المصنف  
والشر نبلا لی تبعاً للبحر لکن ضعفه فی النہر، لا یترکھا بل یصلیہا عند باب المسجد ان  
وجد مکاناً ولا ترکھا لان ترک المکروہ مقدم علی السنة، وفي الشامية (قوله لکن



ضعفه فی النہر، قلت لکن قواہ فی فتح القدیر (الی قولہ) لان المدارہنا علی ادراک فضل الجماعۃ وقد اتفقوا علی ادراکہ بادراک التہجد نیا فی بالسنة اتفاقا کما اوضحہ فی الشرنبلالیۃ ایضا واقترع فی شرح المنیۃ وشرح نظم الکنز وحاشیۃ الدر لنوح افندی وشرحہما للشیخ اسمعیل ونحوہ فی القہستانی وجزم بہ الشارح فی مواقیت الصلوۃ (قولہ عند باب المسجد) ای خارج المسجد کما صرح بہ القہستانی وقال فی العنایۃ لانه لو صلاہا فی المسجد کان متنفذاً فیہ عند اشتغال الامام بالفریضۃ وهو مکروہ فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوۃ یصلیہا فی المسجد خلف ساریۃ من سواری المسجد واشدہا کراہۃ ان یصلیہا مغالطاً للصف مغالطاً للجماعۃ والذی یلی ذلک خلف الصف من غیر حائل ام ومثلہ فی النہایۃ والمعالج، وقال تحت (قولہ والا ترکہا) اذا کان للمسجد موضعان والامام فی احدہما ذکر فی المحيط انه قیل لا یکرہ لعدم مخالفتہ القوم وقیل یکرہ لانہما مکان واحد قال فاذا اختلف المشایخ فیہ فالافضل ان لا یفعل قال فی النہر وفیہ افادۃ انہما تنزیہیۃ الخ لکن فی الحلۃ قلت وعدم الکراہۃ اوجہ للأثار الی ذکرناہا (رحمہم اللہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

سنت فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قرارت امام سنائی دے:

سوال:- اگر کسی مسجد کا ایک درجہ ہو اور اس میں جماعت فجر پڑھ رہی ہو تو صبح کی سنت کس جگہ ادا کریں؟ اگر صف کے پیچھے ادا کریں تو قرارت سنائی دے گی، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت فجر گھر میں ادا کر کے مسجد جانا چاہئے، خصوصاً جبکہ قیام جماعت کا وقت ہو چکا ہو، اگر گھر میں سنت نہیں پڑھی تو مسجد سے باہر پڑھے، اگر باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں پڑھے، امام کی قرارت سنائی دینے میں کوئی حرج نہیں، صف کے پیچھے بلا حائل سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا:

سوال:- زید نفل نماز کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا، سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ یاد دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا؟

اگر قعدہ اخیرہ کر کے سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت بھی پڑھ لی اور پھر یاد آیا تو کیا حکم ہوگا؟



سجدہ سہو سے دوسری صورت میں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

پہلی صورت میں اگر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آگیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر تیسری کے سجدہ کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کرے، اگر تین ہی پر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگئی، دو رکعتیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے،

دوسری صورت میں سجدہ سہو سے دو رکعتیں صحیح ہو گئیں، چونکہ تیسری کی طرف قیام سہوا ہوا ہے، اس لئے اس کے نقض سے شفع ثانی کی قضاء واجب نہیں، اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ چار رکعتیں پوری کر لے، چار پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں، قال فی التنبیہ وقضی رکعتین لو نزی اربعاً ونقض فی الشفع الاول والثانی وفي العلائق ای وتشہد الاول والا یفسد الكل اتفاقاً، والاصل ان كل شفع صلوة الابعاض اقتداءً او نذراً وترك قعود اول وفي الشامية (قوله او الثاني) ای وكذا يقضى ركعتين لو اتم الشفع الاول بقعدته ثم شرع في الثاني فنقضه في خلا له قبل القعدة فيقضى الثاني فقط لتعمم الاول لكن ينبغي وجوب اعادة الاول لترك واجب السلام مع عدم انجباراً بسجود سہو كما هو الحكم في كل صلوة اديت مع ترك واجب (قوله اترك قعود اول) لان كون كل شفع صلوة على حدة يقضى افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هو قول محمّد وهو القياس لكن عند ما لما قام الى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلوة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الاخيرة هي الفرض وهو الاستحسان وعليه فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتباراً بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها (رد المحتار ص ۶۲۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۱۳ اشوال ۹۹

### سوال مثل بالا:

سوال ۱۔ اگر نفل کی دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا، سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا اور چوتھی رکعت ملا کر آخر میں سجدہ سہو کر لیا، تو اس کی دو رکعتیں ہوئیں یا چار؟ نفل کے ہر دو گانہ پر قعدہ فرض ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں صرف دو رکعتیں ہوں گی، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

قیاس کا مقتضی تو یہ ہے کہ پوری نماز فاسد ہو، شفع اول ترک فرض قعدہ کی وجہ سے اور شفع ثانی اس لئے کہ وہ شفع اول پر مبنی ہے، والمبنی علی الفاسد فاسد، مگر استثنائاً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدہ اول کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی، اور ترک واجب کے نقصان کا تدارک سجدہ سہو سے ہو گیا،

چونکہ فرائض چار سے زائد نہیں، اس لئے صورت مذکورہ میں استحساناً صحت صرف چار رکعات کے ساتھ مخصوص ہے، چار سے زائد رکعات پڑھنے کی صورت میں نماز فاسد ہے، اسی طرح تین رکعتیں پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اس میں اگرچہ نماز مغرب کے تشبہ موجود ہے، مگر نفل کی ایک رکعت غیر مشروع ہے، اور وہ ماقبل کو بھی فاسد کر دیتی ہے، قال فی العلائقہ والاصل ان کل شفع صلوة الا بعرض اقتداء او نذرا وترک قعود اول، وفي الشامية (قوله او ترك قعود اول) لان كون كل شفع صلوة على حدة يقتضي اقتراض القعدة عقيبہ فيفسد بتركها كما هو قول محمد رحمه الله تعالى وهو القياس لكن عندهما لما قام الى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلوة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الاخيرة هي الفرض وهو الاستحسان وعليه ذلوا تطوع ثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتباراً بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصل به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها ولو تطوع بست ركعات بقعدة واحدة قيل يجوز والاصح لا، فان الاستحسان جواز الاربع بقعدة اعتباراً بالفرض وليس في الفرض ست ركعات تؤدى بقعدة فيعود الامر الى اصل القياس كما في المبدائع (رد المحتار، ص ۶۳۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۲۲، ذیقعدہ ۹۹ھ

## وتر کا آخری قعدہ بھول گیا:

سوال :- اگر وتر کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا ہو اور چوتھی رکعت بھی ادا کر گیا، پھر یاد آیا تو سجدہ سہو کرنے کے بعد وتر ہوئے یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہے؟ اور اگر قعدہ اخیرہ کر کے چوتھی رکعت کو کھڑا ہو گیا اور سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر بھی سجدہ سہو سے وتر ادا ہوئے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کا واجب ہوگا یا نہیں؟

بیدنا توجروا،



## الجواب باسم ملهم الصواب

اگر وتر میں تعدہ اخیرہ نہیں کیا اور چوتھی رکعت ادا کر گیا تو وتر ادا نہ ہوں گے، بلکہ یہ رکعات نفل ہو جائیں گی، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، و تردد بارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ اگر فرض نماز کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت ادا کر لی تو اس رکعت کو ضیاع سے بچانے کے لئے چھٹی رکعت بھی ملائے گا، اور یہ سب رکعات نفل ہو جائیں گی، قال فی التنبیہ ولوسہا عن القعود الاخیر عاد ما لم یقیدھا بسجدة وان قیدھا تحول فرضہ نفلاً برفعہ وضم سادسة ان شاء ولا یسجد للسہو علی الاصح (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱)

اور اگر وتر کے تعدہ اخیرہ کے بعد چوتھی رکعت پڑھی تو وتر صحیح ہو گئے، بہتر ہے کہ ایک رکعت اور ملائے، تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں، مکافی التنبیہ وان قعد فی الرابعة ثم قام عاد و سلم وان سجد للخامسة سلموا و ضم الیہا سادسة لتصیر الرکعتان نفلاً وسجد للسہو (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱) دونوں صورتوں میں وتر کو فرض پر قیاس کیا جائے گا، اس لئے کہ وتر بھی عملاً فرض ہے، مکافاں صاحب التنبیہ ہو فرض عملاً (رد المحتار، ص ۶۲۱ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم۔  
ارضوال ۸۷

سنت فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں:

سوال ۱۔ فجر کی سنت کا آخری تعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھنے کے بعد یاد آیا، اور چوتھی رکعت بھی ملالی اور سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی، تو سنت ہوئی یا نہیں؟ یعنی دو سنت اور دو نفل، یا چاروں نفل ہوں گی، اور سنت بھرا د کرنی پڑے گی؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا و تجروا،

## الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں دو رکعت سنت ہوئیں، اور دو نفل، چونکہ یہ نفل قصداً نہیں پڑھے اس لئے وقت مکروہ میں کوئی حرج نہیں،

فائدہ:

صورت مذکورہ میں چوتھی رکعت ملانا واجب ہے، اس لئے کہ تیسری پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور شفع اول چونکہ قصداً شروع کیا ہے اس لئے اس کا اتمام واجب ہے، افسار جائز نہیں، البتہ اگر فجر کے فرض میں یہ صورت پیش آگئی تو بہتر ہے کہ تیسری رکعت پر سلام پھیر دے چوتھی نہ ملائے، اس لئے کہ ترک تعدہ سے فرض نفل ہو گئے تو نفل کا شفع اول قصداً شروع نہیں ہوا



لہذا اس کا اتمام واجب نہیں، اور مکروہ وقت میں اگرچہ ایسے نوافل کا اتمام جائز ہے مگر ترک اولیٰ ہے، اگر عصر میں تعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملانا واجب نہیں، پانچویں پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور یہ انساہ جائز ہے، لہذا ذکرنا فی صلوة الفجر البتہ عصر میں چھٹی رکعت ملانا بہتر ہے، اس لئے کہ ترک تعدہ اخیرہ سے فرض نفل ہو گئے، تو وقت مکروہ نہ ہوا، کراہت فرض عصر کے بعد ہے، اور صورت مذکورہ میں فرض تا حال نہیں ہوئے، لہذا اتمام اولیٰ ہے، کنانی الشامیہ وغیرہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱/ زمی الحجہ ۸۸ھ

اشراق چاشت اور اوابین کی رکعات:

سوال:- اشراق، چاشت، اوابین کی کم سے کم کتنی رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق و چاشت دونوں کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اشراق کی زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں، اور چاشت کی زیادہ سے زیادہ بارہ، اوابین دو رکعت سنت مؤکدہ سمیت کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الفجر فی جماعة ثم تعد ینکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین كانت لہ کاجر حجة وعمرہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تامة تامة تامة (ترمذی، ص ۱۰۹ ج ۱) عن نعیم بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یقول اللہ عز وجل یا ابن آدم لا تعجزنی من اربع رکعات فی اول نهارک اکفک اخرہ (ابوداؤد، ص ۱۲۹ ج ۱) وفی العلائیة عن المنیة اقلہا (صلوة الضحیٰ) رکعتان واكثرہا اثنا عشر ووسطہا ثمان وھو افضلہا لما فی الذخائر الاشرفیة لثبوتہ بفعلہ وقولہ علیہ السلام واما اکثرہا بقولہ فقط، وفی الشامیة (قولہ واکثرہا اثنا عشر) لما رواہ الترمذی والنسائی بسند فیہ ضعف انه صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی الضحیٰ ثنتی عشرة رکعة بنی اللہ لہ قصر امن ذھب فی الجنة، وقد تقران الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الفضائل، شرح المنیة ۴۰ (رد المحتار ص ۶۳۹ ج ۱)، عن محمد بن عمار بن یاسر قال رأیت عمار بن یاسر



رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال رأیت حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر للطبرانی (جمع الفوائد، ص ۱۳۰، ۱۳۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرين رکعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة (ترمذی ص ۱۶۹، ابن ماجہ ص ۲۹۸، فقط واللہ تعالیٰ اعلم)

۲، محرم ۱۲۸۸ھ

دو رکعت سنت مؤکدہ او ابین میں داخل ہیں:

سوال :- او ابین کے نوافل کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے ہیں؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے، اسی کو او ابین کہتے ہیں اور حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے: یتعجب ست بعد المغرب (شرح التوہید ج ۱ ص ۵۰) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ او ابین کے کم از کم نوافل چھ ہیں، اور بہشتی زیور کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات علماء کا خیال ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ او ابین کے نوافل صرف چار ہیں، چھ نوافل جو مشہور ہیں ان میں مغرب کی دو سنتیں مؤکدہ بھی شامل ہیں، یعنی مغرب کے فرض اور سنتوں کے علاوہ او ابین کے نوافل کم از کم چار پڑھنا کافی ہے کیا یہ خیال صحیح ہے؟ اس طرح او ابین کے نفل کی تعداد کم از کم چھ بنتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینہن بسوء عدلن له بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ (رواہ الترمذی، ص ۱۶۹) وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرين رکعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة، (رواہ الترمذی، ص ۱۶۹) قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ المفہوم ان الركعتین الراتبین داخلتان فی الست وکذا فی العشرین المذكورۃ فی الحدیث الآتی، قال الطیبی (مرقاة، ص ۱۱۴ ج ۲) وفي شرح التوہید وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ او ثنتین او ثلاث والاول اذوم واشق وهل تحسب المؤکدۃ من المستعجب



وَيُؤَدِّي الْكُلَّ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ اخْتَارَ الْكَمَالَ نَعَمْ، وَفِي الشَّامِيَةِ (قَوْلُهُ اخْتَارَ الْكَمَالَ) ذَكَرَ الْكَمَالَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ أَنَّهُ وَقَعَ اخْتِلَافٌ بَيْنَ أَهْلِ عَصْرِهِ فِي أَنَّ الْأَرْبَعَ الْمُسْتَحَبَّةَ هِيَ أَرْبَعٌ مُسْتَقِلَّةٌ غَيْرُ رُكْعَتِي الرَّاتِبَةِ أَوْ أَرْبَعٌ بِهِمَا وَعَلَى الثَّانِي هَلْ تَوَدَّى مَعَهُمَا بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ لَا فَقَالَ جَمَاعَةٌ لَا وَاخْتَارَهُوْا أَنَّهُ إِذَا صَلَّيْتُ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ أَوْ تَسْلِيمَتَيْنِ وَقَعَ عَنِ السَّنَةِ وَالْمُنْدُوبِ، وَحَقَّقَ ذَلِكَ بِمَا لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ وَأَقْرَبَهُ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ وَالْبَحْرِ وَالنَّهْرِ (دُورُ الْمُحْتَارِ ص ۱۶۳ ج ۱) مَذْكُورُهُ بِالْأَحَدِثِ وَأُورْشَامِيَّةُ كِي عِبَارَتٍ سَيِّ ثَابِتٍ هُوَ أَكْثَرُ الْأَبْنَاءِ كِي تَعْدَادُ كَمِ الْأَرْبَعِ أَوْ زِيَادَةٍ سَيِّ زِيَادَةُ بَيْنِ رُكْعَتَيْنِ هِيَ، أَوْ مَغْرِبُ كِي رُكْعَتَيْنِ أَوْ بَيْنِ مِثْلٍ دَاخِلٍ هِيَ، بِهَيْشَتِي زِيَادَةٍ كِي حَاشِيَةٍ مِثْلٍ مَحْرَرَةٍ هُوَ الْكِي عِبَارَتٍ سَيِّ هِيَ ثَابِتٌ هُوَ هِيَ، فَقَطَّ وَاللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ ۲۴ شَوَّال ۱۲۸۸ هـ

### اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات :

سوال :- مندرجہ ذیل نوافل کے اوقات وضاحت سے تحریر فرمائیں :

- ① اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے منٹ بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت طلوع آفتاب کے بعد کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟
- ② چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟
- ③ تہجد کا وقت غروب آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے پہلے تک رہتا ہے؟ بینوا تو جروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

- ① طلوع کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آجائے کہ اس پر کچھ دیر تک نظر جمانا مشکل ہو، تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس کی مقدار ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتی ہے، میری کتاب صُحُوحِ صَادِق میں نقشہ اوقات اشراق کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے، اور احسن الفتاویٰ جدید جلد دوم میں بھی،

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے، مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے،

- ② چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے، اور اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے، قال فی العلانیۃ وندب اربع



فصاعداً فی الضحیٰ علی الصحيح من بعد الطلوع الی الزوال ووقفها المختار بعد ربح  
النهار (رد المختار ص ۱۳۰۶۳۹)

(۳) وقت تہجد عشاء کی نماز کے بعد صبح صادق تک ہی غروب آفتاب سے ابتداء عشاء اور صبح  
صادق سے طلوع آفتاب تک وقت کی گھنٹوں سے تعیین نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ یہ وقت ہر مقام  
اور ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے، البتہ ایک گھنٹہ سے کم کبھی نہیں ہوتا، مختلف مقامات کے اوقات عشاء  
صبح صادق کا نقشہ میری کتاب ”صبح صادق“ میں ملاحظہ ہو،

جو شخص رات کی ایک تہائی تہجد میں مشغول رہنا چاہے اس کے لئے افضل وقت یہ ہے کہ رات  
کے تین حصے کر کے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے، اول و آخر میں سوئے، اور اگر نصف شب تہجد میں  
گزارنا چاہے تو آخری نصف افضل ہے،

اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت بنیت تہجد  
پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ارادہ بھی رکھے، اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا،  
لحدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کتافی سفر  
فقال ان هذا السفر جهد ونقل فاذا اوتر احدکم فلیرکم رکعتین فان استیقظ والا کانتا  
لہ (شرح معانی الآثار ص ۱۶۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ ربیع الآخر ۹۶ھ

**نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہے:**

سوال: عموماً ہمارے اکابر علماء شیعینہ سے منع فرماتے ہیں، اور وجوہ کراہت میں ایک وجہ  
یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت  
صرف غیر رمضان میں مکروہ ہے، رمضان میں مکروہ نہیں، اُن کی تحریر ارسال ہے، امید ہے کہ اس کا  
شانی جواب تحریر فرمائیں گے،

فی الدر ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی  
التداعی بان یقتدی اربعة بواحد، وفي الرد عن البدائع ان الجماعة فی التطوع لیست  
بسنة الا فی قیام رمضان (رو بعد اسطر) والنقل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله  
الصحابہ فی غیر رمضان (رد المختار ص ۱۳۰۶۱۳) وفي الفتح عن کافی الحاكم ویکرہ  
صلوة التطوع جماعة ما خلا قیام رمضان (فتح القدیر ص ۴۳۸ ج ۱) وفي الموطا



للإمام محمد، قال محمد ويهذه أناخذ لأبأس بالصلاة في شهر رمضان أن يصلي الناس بامام تطوعاً لأن المسلمين قد اجتمعوا على ذلك (موطأ محمد، ص ۱۱۱)

عبارات بالا میں تطوع، نفل اور قیام رمضان کے الفاظ ہیں، ان میں سے تطوع اور نفل کا عموم ظاہر ہے، اسی طرح قیام رمضان بھی تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوافل کو بھی شامل ہے، قال الحافظ العینی ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعة فی لیالی رمضان ویقال یرید صلاة التراويح وقال بعضهم لا يختص ذلك بصلاة التراويح بل فی ائی وقت صلی تطوعاً حصل له ذلك الفضل (عمدة القاری، ص ۲۳۳ ج ۱) وقال ایضاً فی باب فضل من قام رمضان قال الكرمانی اتفقوا على أن المراد بقيامه صلاة التراويح، قلت قال النووي المراد بقيام رمضان صلاة التراويح ولكن الاتفاق من این اخذہ بل المراد من قیام اللیل ما يحصل به مطلق القیام سواء كان قليلاً أو كثيراً (عمدة القاری، ص ۱۲۲ ج ۱) وقال الحافظ العسقلانی والمراد من قیام اللیل ما يحصل به مطلق القیام كما قد مناه فی التهجد سواء وذكر النووي أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح یعنی انه يحصل بها المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یكون الا بها واغرب الكرمانی فقال اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح (فتح الباری، ص ۲۱۰ ج ۲)

### الجواب باسم ملهم الصواب

اس تحریر میں بعض اکابر کی ایک قدیم تحریر کا مضمون نقل کیا گیا ہے، جس کا جواب بھی اسی وقت کے مختلف علماء نے لکھ دیا تھا، مذہب حنفی میں امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں تو یہ جماعت بالاتفاق مکروہ ہے، اور مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت اگرچہ بلا کراہت جائز ہے، مگر اس میں بھی جماعت کی فضیلت اور ثواب نہیں، قال فی العلائق یکره ذلك لو على سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحد كما فی الدرر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اما اقتد او واحد بواحد او اثنين بواحد فلا یکره وثلاثة بواحد فیه خلاف، بحر عن کافی، وهل یحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة ظاهراً قد مناه من أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة یفید عدمه تأمل (رح المحتار، ص ۶۶۲ ج ۱)

وقال الطحطاوی والتداعى سببه الاجتماع لان اجتماعهم على ذلك یدعو من



يزاهم الى الدخول معهم (طحاوی علی الدر المختار ص ۲۹۰ ج ۱)

یہ حکم رمضان اور غیر رمضان دونوں کو عام ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی مطلب فی احياء لیلای العیدین والنصف من شعبان وعشذی الحجة ورمضان "رفی الامداد ویحصل القیام بالصلوة لفلأفرادی من غیر عدد مخصوص وبقرأة القرآن الاحادیث وسماعها والتسبیح والثناء والصلوة والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال (تتمة) اشار بقوله فرادی الى ما ذكره بعد فی متنة من قوله ويكره الاجتماع علی احياء ليلة من هذه اللیالی فی المساجد وتمامه فی شرحه وصرح بكراهة ذلك فی الحاری القدسی وقال ماروی عن الصلوات فی هذه الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح، (رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۱)

وقال الحلبي رحمه الله تعالى واعلم ان النقل بالجماعة على سبيل التداعى مكره على ما تقدم ماعد التراویح وصلوة الكسوف والاستسقاء فعلم ان كلا من صلوة الرغائب ليلة اول جمعة من رجب وصلوة البراءة ليلة النصف من شعبان صلوة القد رليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة وقال حافظ الدين البرازي شرعا فی نقل فاسداه واقتدى احد هما بالآخر فی القضاء لا يجوز لاختلاف السبب وكذا اقتداء الناذر لا يجوز وعن هذا كره الاقتداء فی صلوة الرغائب وصلوة البراءة وليلة القدر (شرح المنية ص ۴۱۱)، ان عبارات میں رمضان وغیر رمضان دونوں میں جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے،

وقال الامام الكاساني رحمه الله تعالى اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان يصلوها ثانياً يصلون فرادی لا بجماعة لان الثانية تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مكروه (بدائع ص ۲۹۰ ج ۱)

ونقل ابن نجيم رحمه الله تعالى عن الخلاصة ولو صلوا التراویح ثم ارادوا ان يصلوا ثانياً يصلون فرادی (البحر الرائق ص ۶۸ ج ۲) وقال ايضاً وانما لم يذكر التراویح مع السنن المؤكدة قبل النوافل المطلقة لكثرة شعبها واختصاصها بحكم من بين سائر السنن والنوافل وهو الاداء بجماعة (البحر ص ۷۱ ج ۲)، وقال ايضاً فی الاشباه يكره الاقتداء فی صلوة الرغائب وصلوة البراءة وليلة القدر (الاشباه والنظائر، ص ۲۱۹ ج ۱)



وقال الشيخ الحموي ادعاء النفل بجماعة على سبيل التداعي مكروه الا ما استثنى كصلوة التراويح (الاشباه، ص ۱۷۲۱۹)

وقال العلامة البابر في رحمه الله تعالى ذكر التراويح في فصل على حدة الاختصاصها بما ليس لمطلق النوافل من الجماعة (رعاية على هامش الفتح ص ۱۷۳۳۳)

وفي الهندية ولو صلى التراويح ثم اراد وان يصلوها ثانيًا يصلون فرادى كذا في التاتارخانية (عالمگیریہ ص ۱۱۶)

وفي البزازية صلواتها بجماعة ثم ارادوا اعادةها بالجماعة يكره بل يصلون فرادى لان النفل بجماعة على التداعي يكره الا بالنص (بزازية على هامش الهندية ص ۷۲۹)

وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري ولو زاد على العشرين بالجماعة يكره عندنا بناءً على ان صلوة التطوع بالجماعة مكروه (خلاصة الفتاوى، ص ۶۳۱۷۳)

وقال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالى وهي رالجماعة) سنة عين الا في التراويح فانها فيها سنة كفاية ووتر رمضان فانها فيه مستحبة واما وتر غيره وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعي (طحطاوي على المراقي ص ۱۵۶)

وفي شرح التنوير ولا تقضى اذا فاتت اصلاً ولو وحده في الاصح وقال لطحطاوي وقيل يقضيها منفرداً (طحطاوي على الدر المختار ص ۲۹۶)

وفي شرح التنوير لو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لانها تبع وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى اي لان جماعتها تبع لجماعة الفرض فانها لم تقم الا بجماعة الفرض فلو اقيمت بجماعة وحدها كانت مخالفة للوارد فيها فلم تكن مشروعة (رد المحتار ص ۶۶۳)

وفي شرح التنوير بقي لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى الذي يظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلاً في ذاته لان سنة الجماعة في الوتر انما عرفت بالاشتراف تابعة للتراويح (رد المحتار ص ۶۶۳) اس سے ثابت ہوا کہ تراویح اور وتر کی جماعت بھی بالتبع مشروع ہے، مطلقاً نہیں، تو نوافل کی جماعت بطریق اولیٰ مشروع نہ ہوگی، لہذا ہادی حالاً منہما، بلکہ نوافل کو نذر سے واجب کر لیا، ہو تو بھی ان کی جماعت مشروع نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر



اگر نوافل بالجماعت کی نذر کی ہو تو بھی کراہت سے خالی نہیں، قال فی شرح التوہید فی الاشباہ  
عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوۃ رغائب وبراءۃ وقد رآنا اذا قال نذرت کذا رکعة  
بہذا الامام جماعۃ ام قلت وتتمۃ عبارة البزازیۃ من الامامۃ ولا ینبغی ان یتکلف کل  
ہذا التکلف لا مکرورہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقولہ قلت الخ لم ینقل  
عبارة البزازیۃ بتسامہا ونصہا ولا ینبغی ان یتکلف لا التزام ما لم یکن فی الصدر الاول کل  
ہذا التکلف لا قامة امر مکرورہ وهو اداء النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی فلو ترک  
امثال ہذہ الصلوات تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشارح حسن ام وظاہرہ انہ بالنذر  
لم یخرج عن کونہ اداء النفل بالجماعۃ (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) وقال الرافعی بقولہ  
لم ینقل عبارة البزازیۃ بتسامہا الخ) وصدرہا عن ہذا کرہ الاقتداء فی صلوۃ الرغائب  
وصلوۃ البراءۃ وليلة القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعة بہذا الامام  
بالجماعۃ لعدم امکان الخروج عن العہدۃ الا بالجماعۃ ولا ینبغی الخ (التحریر المختار ص ۹۲)  
وقال الطحاوی (بقولہ لا مکرورہ) فیہ منافاة للاستثناء فان مقتضاہ عدم الکراہۃ  
ومرادہ بالتکلف النذر وقد یقال ان المکرورہ هو الاجتماع والاستثناء من کراہۃ الاقتداء  
فلا منافاة (طحاوی علی الدر ص ۱۷۹ ج ۱)

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شکواہل صواتع تسلیمات او عشل یصلون تسلیمة  
اخری فراذی فی الاصح للاحتیاط فی اكمال التراویح والاحتراز عن التنفل بالجماعۃ  
(رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱)

وقال الشیخ عبد الحق الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا فاتت التراویح هل  
تقضى بعد وقتہا بالجماعۃ او بغیر الجماعۃ فالجواب لا تقضى بجماعۃ وما ثبت  
بالسنة ص ۹۳) وقال ایضاً اذا شکوا انہم صلوا تسع تسلیمات او عشر اختلف المشائخ  
فیہ (الی قولہ) والصحیح انہم یصلون تسلیمة اخری فراذی حتی یقع الاحتیاط فی  
السنة باتہامہا ویقع الاحتراز عن اداء النافلة بجماعۃ غیر التراویح وما ثبت  
بالسنة اخر الفصل الاول من بیان شہر رمضان، وقال ایضاً قال مالک ویروی  
عن الشافعی ایضاً انہما ست وثلاثون او تسع وثلاثون مع الوتر فهو عمل اهل المدينة  
خاصة وكان سبب ذلك ان اهل مكة يطوفون بالبيت اسبوعاً ویصلون رکعتی



الطواف بين تر وحتين واهل المدينة لما ارادوا ادراك هذه الفضيلة صلوا بين ذلك  
 اربع ركعات وليتموها الستة عشرية واستمر عادتهم على ذلك الى الان وقد يروى ذلك  
 عن عمرو بن عبد الله بن ابي نعيم عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ان  
 فيه الامام وغيره وينبغي ان يصلوا افرادي لان التنفل بجماعة في غير التراويح مكروه عندنا  
 لكن اهل المدينة يصلونها بجماعة والتنفل بجماعة لا يكره عندهم قال الشيخ  
 القاسم الحنفي من متأخري علماء مصر التنفل بجماعة مكروه لانه لو كان مستحباً  
 لكانت افضل المكتوبات ولو كانت افضل لكان المتجدون القائمون بالليل يجمعون  
 فيصلون جماعة طلباً للفضيلة فلما لم يرو ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 والصحابة رضوان الله عليهم اجمعين علم انه لا فضل في ذلك وما ثبت بالسنة مثله  
 وقال الامام السرخسي رحمه الله تعالى فانها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا  
 وقال مالك السنة فيها ست وثلاثون قيل من اراد ان يعمل بقول مالك ويسلك مسلكه  
 ينبغي ان يفعل كما قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى يصلّي عشرين ركعة كما هو السنة ويصلي  
 الباقي فرادى كل تسليمتين اربع ركعات وهذا من هبنا وقال الشافعي لا بأس بآداء  
 الكل بجماعة كما قال مالك بناء على ان النوافل بجماعة مستحبة عنده وهو مكروه عندنا  
 والشافعي قاس النفل بالفرض لانه تبع له فيجري مجرى الفرض فيعطى حكمه ولنا ان  
 الاصل في النوافل الاخفاء فيجب صيانتها من الاشتهار ما امكن وفيما قاله الخصم  
 الاشتهار فلا يعمل به بخلاف الفرائض لان مبناها على الاعلان والاشتهار وفي  
 الجماعة اشتهار فكان احق، ويوضح ما قلنا ان الجماعة لو كانت مستحبة في حق النوافل  
 لفعله المتجدون القائمون بالليل لان كل صلوة جوزت بالانفراد وبالجماعة كانت  
 الجماعة فيها افضل ولم ينقل ادائها بالجماعة في عصره صلى الله عليه وسلم ولا في  
 زمن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ولا في زمن غيرهم من التابعين رحمهم الله تعالى  
 فالقول بها مخالفة لامة اجمع وهذا باطل (مبسوط، ص ۱۲۲ ج ۲)

وفي شرح التنوير والافضل في النفل غير التراويح المنزل الا لخوف شغل عنها  
 وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله غير التراويح) اي لانها تقام بالجماعة  
 ومحلها المسجد واستثنى في شرح المنية ايضاً تحية المسجد وهو ظاهر واقول ويستثنى



ایضاً رکعتا الاحرام والطواف فان الاولى تصلى في مسجد عند الميقات ان كان كما في اللبابة  
والثانية عند المقام وكذا ركعتا القدوم من السفر بخلاف انشاء فانها تصلى في البيت  
كما يأتى وكذا افضل المعتكف وكذا ما ينحرف فوترها بالتأخير وكذا صلوة الكسوف لانها تصلى  
بجماعة، وعلى هامش الشامية قوله وكذا صلوة الكسوف لانها تصلى بجماعة وجد  
هنا في نسخة المؤلف لكن بغير خطه مانصه وكذا سنة الجمعة القبلية لان الافضل  
في الجمعة التبكير قبل الوقت فيلزم وقوع سنتها في المسجد فصارت جملة المستثنيات  
تسعة (رد المحتار ص ۶۳۸ ج ۱)

وفی شرح التنویر وکل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه افضل قاله الحلبي (رد المحتار ص ۶۳۸)  
ان نصوص صریحہ کثیرہ سے ثابت ہوا کہ جن عبارات میں رمضان میں جماعت کے ساتھ تطوع نفل،  
اور قیام کے الفاظ ہیں، ان سے تراویح مراد ہے، بالخصوص جبکہ جن کتب میں یہ الفاظ ہیں خود انہی میں  
رمضان میں بھی جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے، علاوہ ازیں ان عبارات میں "لأنه لم تفعله  
الصعابة رضي الله تعالى عنهم في غير رمضان" اور "لأن المسلمين قد اجتمعوا على ذلك"۔  
بھی مستقل دلیل ہے کہ یہاں نفل اور تطوع سے تراویح مراد ہے، اس لئے کہ بجز تراویح کے دوسرے  
نوافل کی جماعت رمضان میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین وائمہ دین رحمہم اللہ  
تعالیٰ سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے خلاف ترک جماعت پر اجماع ہے کما قد مناص الشيخ  
الذهلوی والامام السرخسی رحمہما اللہ تعالیٰ وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ  
وزادت الصعابة ومن بعد هم في قيام رمضان ثلاثة اشياء، الاجتماع له في  
مساجد هم وذلك لأنه يفيد التيسير على خاتمهم وعامةهم وأداعه في أول الليل مع القول  
بان الصلوة آخر الليل مشهورة وهي افضل كما نبه عمر رضي الله تعالى عنه لهذا  
التيسير الذي اشرنا اليه، وعدده عشرون ركعة (حجة الله البالغة ص ۱۸ ج ۲)  
اول الليل اور عشرون ركعة سے ثابت ہوا کہ اجتماع فی المسجد صرف تراویح کے لئے ہوتا تھا،  
وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدثنی روح بن الفرّج قال حدثنی یوسف  
ابن الفرّج قال حدثنی یوسف بن عدى قال حدثنی ابو الاحوص عن مغيرة عن ابراهيم  
قال كان المتجهدون يصلون في ناحية المسجد والامام يصل بالناس في رمضان  
رشرح معاني الآثار ص ۱۷۲ ج ۱) ونقل العافظ العيني رحمه الله تعالى عن البيهقي عن



السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى رضي الله تعالى عنهما مثله (عمدة القاری ص ۲۶۷) باقی رہی قیام رمضان سے متعلق حافظ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہما اللہ کی تحقیق، سو اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اس تحقیق سے مقصود یہ ہے کہ حدیث میں قیام لیل کی جو فضیلت وارد ہے وہ تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام ہے، مگر عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں جہاں رمضان میں قیام یا الجماعۃ مذکور ہے وہاں تراویح ہی متعین ہے، اور یہ تعین خود انہی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہو رہی ہے، کما مر،

اس سے بھی بڑھ کر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر تنصیص فرمائی ہے کہ قیام لیل اور تراویح دونوں مترادف ہیں، جیسا کہ کتب فقہ ہدایہ، فتح القدر، عنایہ، خانیہ، بیسوط، بدائع وغیرہ کے تتبع سے ظاہر ہے، خوف طوالت سے ان کی نصوص نقل نہیں کی جاتیں، ومن شاء فلیراجع، بلکہ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثریت بھی قیام لیل سے تراویح مراد لیتی ہے، بالخصوص قیام بالجماعۃ میں تو سب تراویح ہی مراد لینے پر متفق ہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضل قیام میں تو مطلق قیام کو ترجیح دی ہے، کما مر نصہ، مگر قیام بالجماعۃ سے وہ بھی تراویح ہی مراد لیتے ہیں، چنانچہ حدیث ”صلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا الصلوۃ المکتوبۃ“ کے تحت فرماتے ہیں واستثنیٰ من عموم الحدیث عدة من النوافل ففعلہا فی غیر البیت اکمل وہی ما تشرع فیہا الجماعۃ کالعیدین والاستسقاء والکسوف (وبعد اسطر) قال الامام حمید الدین الضریز نفس التراویح سنۃ اما اداہا بالجماعۃ فمستحب (وبعد سطر) وفی جوامع الفقہ التراویح سنۃ مؤكدة والجماعۃ فیہا واجبة وفی الروضة لاصحابنا ان الجماعۃ فضیلة وفی الذخیرۃ لاصحابنا عن اکثر المشایخ ان اقامتہا بالجماعۃ سنۃ علی الکفاۃ (عمدة القاری، ص ۲۶۷ ج ۵)

موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ”لا بأس فی شہر رمضان ان یصلی الناس تطوعاً بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك ورأوه حسناً“ کی تشریح میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قولہ تطوعاً) اطلاق التطوع علی التراویح باعتبار انہا زائد علی الفرائض الخ (قولہ علی ذلك) ای علی صلواتہم بامامہم فی لیالی رمضان فی زمان الخلفاء عمر و عثمان و علی فمن بعدہم الی یومنا هذا (قولہ ورأوه حسناً) لما یدل علیہ قول عمر نعمت البدن (التعلیق الموجد، ص ۱۳۰)۔



غرضیکہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رمضان میں جماعت تطوع سے تراویح کی جماعت مراد ہو،  
 قال الشاہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ قال الفقہاء ان الجماعة في النوافل مكروهة الا في رمضان  
 ولم يفهم مرادهم بعض الاغبياء فحملوه على جواز الجماعة في النقل المطلق في رمضان مع  
 ان مرادهم التراویح لا غیر فافهم فان العلم لا یتحصل الا بعد السبر فیض الباری ص ۳۳۳  
 آخر میں نوافل کو باجماعت پڑھنے کی بدعت سے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی  
 شکایت ملاحظہ ہو،

”افسوس ہزار افسوس! بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست، دریں طریقہ علیہ احداث  
 نموده اند و نماز تہجد را بجماعت می گذارند از اطراف و جوانب در آن وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند  
 و بجماعت تمام ادا می نمایند و ایں عمل مکروه هست بکراہت تحریمہ، جمعی از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت  
 داشته اند جواز جماعت نفل را مقید بنا حیۃ مسجد ساخته زیادہ از سہ کس را بالا اتفاق مکروه گفته اند،  
 مکتوبات ۱۳ ص ۲۳ دفتر اول

مخدوما، مکرم! احداث و ابداع را دریں طریقہ علیہ بچشتیہ رواج داده اند کہ اگر مخالفان گویند کہ  
 دریں طریقہ التزام بدعت ست و اجتناب از سنت ہم گنجائش دارد، نماز تہجد را بجماعت تمام ادا می نمایند  
 و ایں بدعت را در رنگ سنت تراویح در مسجد رواج درونی می بخشند و ایں عمل را نیک می دانند و مردم را  
 بران ترغیب می کنند، و حال آنکہ ادارہ نوافل را بجماعت فقہاء شکرانہ تعالیٰ سعی ہم مکروه گفته اند  
 اشد کراہت، و جمعی از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت در جماعت نفل داشته اند جواز جماعت نفل را  
 مقید بنا حیۃ مسجد ساخته اند و زیادہ از سہ کس ایا اتفاق مکروه گفته اند (مکتوبات ۱۶ ص ۲۸ دفتر اول)  
 فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم،  
 ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

### سنت فجر کی قضا :

سوال: سنت فجر تنہا رہ جائے تو طلوع آفتاب سے قبل بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور  
 ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو نقل کر دیں، عین کرم ہوگا، بینوا توجروا،

### الجواب یا سہم ملہم الصواب

طلوع آفتاب سے قبل جائز نہیں، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت  
 غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ



وكان من اجتهامهم الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وعن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس (ترمذی ص ۱۳۵۳) صحیح بخاری میں بھی اس مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، (بخاری ص ۸۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

## سوال مثل بالا :

سوال : صبح غسل جنابت کرنا بھول گیا، اور فجر کی نماز ادا کر لی، اور بعد ادا کرنے نماز کے یاد آیا تو اب اس نماز کی قضا، تو لازم ہے، تو قضا صرف فرض کی کرے یا سنتوں کی بھی؟ بینوا توجروا،  
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طلوع آفتاب سے قبل جلدی سے غسل کر کے سنت و فرض دونوں ادا کر سکتا ہو تو دونوں پڑھے، ورنہ صرف فرض پڑھ لے، زیادہ تنگ وقت میں فرض کی سنن و مستحبات کو چھوڑ دے، قضا کی صورت میں اگر اسی روز دوپہر سے قبل قضا کی تو سنتیں بھی پڑھے، ورنہ صرف فرائض کی قضا کرے، اگر تنہا سنت چھوٹ گئیں تو فرض کے بعد طلوع سے قبل پڑھنا جائز نہیں، طلوع کے بعد زوال تک پڑھ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں، قال فی الدنسی المضمضة اوجزءاً من بدنی فصلی ثم تذکر فلونفلاً لم یعد لعدم صحۃ شرعہ، وفي الشامية (قوله لعدم صحۃ شرعہ) ای النفل انما تلزم اعادته بعد صحۃ الشرع فیه قصد او سکت عن الفرض لظهور انه يلزمه الاتيان به مطلقاً رد المحتار، ص ۱۳۱۲۳، وقال فی شرح التنوير ولا يقضيها الا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده في الاصح لورود الخبر بقضاءها في الوقت المهل بخلاف القياس فغير عليه لا يقاس، وفي الشامية (قوله ولا يقضيها الا بطريق التبعية) ای لا يقضى سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر في قضيتها تبعاً لقضاءه لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع لكراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فذلك عندهما وقال محمد احب الى ان يقضيها الى الزوال كما في الدرر (قوله لورود الخبر) وهو ما روى انه صلى الله عليه وسلم قضاها مع الفرض غداة ليلة التعرّيس بعد ارتفاع الشمس كما رواه مسلم في حديث طويل (رد المحتار ص ۱۳۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



## استخارہ کی حقیقت:

سوال: بہشتی زیور میں استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے ”پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ، اور جب ہذا الامر پہنچے تو اس کام کا جس کے لئے استخارہ کیا ہے خیال کرے، اس کے بعد پاک وصاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کر کے با وضو سو جائے، جب سو کر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے رہی بہتر ہے، اسی کو کرنا چاہئے، اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے تو دوسرے دن پھر ایسا ہی کرے، اسی طرح سات دن تک کرے، انشاء اللہ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔“

معلم الحجاج میں مفتی سعید احمد صاحب نے استخارہ کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ”دو رکعت نماز پڑھو، اول رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص اور سلام کے بعد حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو، درود شریف پڑھو، اور یہ دعا نہایت خشوع و خضوع سے پڑھو، اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ اور جب ہذا الامر پہنچے تو اس چیز کا خیال دل میں کرو جس کے لئے استخارہ کرنا ہے، اس کے بعد جس جانب دل کا رجحان ہو وہی بہتر ہے، اس کے موافق عمل کرنا چاہئے، ایک نفع میں اطمینان نہ ہو تو پھر کدوسات دفعہ تک، انشاء اللہ رجحان اور اطمینان حاصل ہو جائے گا، استخارہ میں اصل چیز یہی ہے کہ تردد رفع ہو جائے اور ایک جانب کو ترجیح ہو جائے، خواب کا دیکھنا وغیرہ ضروری نہیں ہے،

مناجات مقبول میں جہاں استخارہ کی دعا لکھی ہے یہ لکھا ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ دو رکعت نفل ادا کرے، پھر یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ

مرشدی و سیدی حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز نے بعد میں تحریر فرمایا ہے کہ استخارہ مقصود محض طلب خیر ہو نہ کہ استخبار، فرمایا کہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعا ہے، جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے، بلکہ اس کو اختیار ہو کہ دوسرے مصالح کی بناء پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے، کیونکہ پہلی صورت میں الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے، اور لازم صحیح نہیں، لہذا ملزوم بھی صحیح نہیں پس حاصل یہ ہے کہ استخارہ مقصود محض طلب خیر ہو نہ کہ استخبار (رواد النوار ج ۲ ص ۲۶۲ انفاص عینی ج ۲ ص ۲۵۲)



دریافت طلب یہ امور ہیں کہ :-

① کیا استخارہ جیسا کہ بعض حضرات کا معمول ہے اس طرح کرنا ضروری ہے کہ بعد نماز عشاء دو رکعت نفل پڑھکر اور دعاء استخارہ پڑھکر پاک بستر پر با وضوء قبلہ رخ لیٹ کر سو جائے، یا شب در روز میں جس وقت چاہیں استخارہ کر سکتے ہیں؟

② جب حضرت کی تحقیق کے مطابق استخارہ محض طلبِ خیر ہے نہ کہ طلبِ خیر (استخبار) اور نہ استخارہ میں خواب کا نظر آنا یا تردد کا رفع ہو جانا اور ایک جانب کو ترجیح ہو جانا ضروری ہے تو کیا اس صورت میں بھی بعد نماز و دعاء استخارہ پاک بستر پر با وضوء اور قبلہ رخ سونا چاہئے؟ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ دن رات میں جس وقت چاہے (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعاء استخارہ عربی میں یا اس کا ترجمہ اردو میں یاد دونوں زبانوں میں پڑھ لیں اور بس؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث صحاح میں صرف دو رکعت نفل کے بعد دعاء کا حکم ہے، البتہ روایت ابن السنی میں اعتبار وارد قلبی بھی مذکور ہے، باقی تفصیلات علماء کی بیان فرمودہ ہیں، ان کی رعایت ضروری نہیں، دعاء عربی ہی میں ہونا چاہئے، کسی کو دشوار ہو تو اپنی زبان میں کر لے،

حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق صحیح ہے کہ وارد قلبی پر عمل کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ اسباب و موانع پر نظر رکھے، وارد قلبی سے متعلق روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اعتبار بدرجہ سبب ہو گا نہ بدرجہ لزوم، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رقولہ ومنہا رکعتا الاستخارۃ) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ہم احدکم بالامر فلیرکم رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل اللہم انی استخیرک بعلمک الخ رواہ الجماعة الا مسلما شرح المنیۃ، (ولبعد) فی الحلیۃ ویستحب افتتاح ہذا الدعاء وختمہ بالحمد لہ والصلوۃ وفی الاذکار انہ یقرأ فی الركۃ الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الاخلاص اھ وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولی وربک یخلق ما یشاء ویختار الی قولہ یعلنون وفی الثانیۃ وما کان لم من ولا مؤمنۃ الایۃ وینبغی ان یکررها سبعاً لما روی ابن السنی یا انس اذا هممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوۃ استخار بالداء الخ ملخصاً وفی شرح الشرعۃ المسموع



من المشايخ انه ينبغي ان ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور فان رأى في منامه بياضاً أو خضرةً فذلك إلا مريحاً وان رأى فيه سواداً أو حمرةً فهو شرٌّ ينبغي ان يجتنبه (رد المحتار ص ۶۲۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۲۵ ذیقعدہ ۸۸ھ

نماز کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے:

سوال: نماز کسوف یعنی سورج گرہن کی نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے، جبکہ عصر کے بعد شروع ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کسوف و خسوف وغیرہ وقت مکروہ میں پڑھنا جائز نہیں، ان اوقات میں کسوف یا خسوف ہو تو نماز کی بجائے صرر دعا میں مشغول رہنا چاہئے، قال فی الدر فی غیر وقت مکروہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لان النوافل لا تصلی فی الاوقات المنہی عن الصلوة فیہا و هذه نافلة جوہرۃ و ما مر عن الاسبیجانی من جعله الوقت مستحباً قال فی البحر لا یصح قال طوفی الحموی عن البرجندی عن الملقط اذا انکسفت بعد العصر او نصفت النهار دعوا ولم یصلوا (رد المحتار ص ۸۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۳۰ محرم ۸۹ھ

نماز مغرب سے قبل تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد کا حکم:

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد مغرب کی اذان سے پانچ منٹ قبل ادا کرنا بلا کراہت درست ہو گا یا نہیں؟ اور ان ہر دو نماز میں کسی سورت کی تخصیص ہوگی یا نہیں؟ مثلاً فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص کو ہی ہر رکعت میں بعض لوگ تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے، اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ و افاد فی الفتح و اقرہ فی الحلیۃ و البحر ان صلوة رکعتین اذا تجوز فیہا لا تزید علی السیر فیہما فعلمہما



وقد اطلال فی تحقیق ذلك فی الفتیہ فی باب الوتر والنوافل (رد المحتار ص ۱۷۳۲۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر ۸۹ھ

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت صبح صادق اذان فجر کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء قبل از ادائیگی دو رکعت سنت مؤکدہ جائز ہیں یا کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت صبح صادق اذان کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ براہ کرم و لطف جواب جلد عنایت فرمائیں،

الجواب باسم ملہم الضوایب

صبح صادق کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں، دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں، اوقات مکروہہ میں مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہنے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی و رکعتان اذ اربع وھی افضل لتحیۃ المسجد الا اذا دخل فیہ بعد الفجر والعصر فانه یستحب ویجوز ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانه حینئذ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل للمکتوبۃ فانه غیر مأثور بہا حینئذ کما فی التمراشی ۱۰۸ (رد المحتار ص ۱۷۳۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ ۸۹ھ

تھیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد کی تفصیل:

سوال: جب مسجد میں داخل ہوں اور وضو بھی مسجد کے وضو خانہ میں کریں تو پہلے تحیۃ الوضوء پڑھیں یا پہلے تحیۃ المسجد جبکہ دونوں ادا کرنا ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الضوایب

مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی، بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا، اسی طرح وضو کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضوء ادا ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ



## سوال متعلق بالآلا:

سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسجد میں دخول کے بعد فرض نماز پڑھے تو یہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرے تو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا، ورنہ نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مفصل کلام کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ طلب تعظیم مسجد تو بدو نیت بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ ثواب نیت پر موقوف ہے، لیکن بندہ کے خیال میں رائج یہ ہے کہ تعظیم مسجد کی نیت کرے، سنت تحیۃ المسجد کی نیت نہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں صحت نماز میں اختلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
یوم العرفہ سنہ ۱۴۲۵ھ

## تحیۃ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہے:

سوال: گھر سے وضو کر کے مسجد کو جائے تو مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ جب وضو کے اعضا خشک ہو جائیں تو تحیۃ الوضوء نہیں پڑھ سکتا، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہے، قال فی شرح التنویر وندب  
رکعتان بعد الوضوء یعنی قبل الجفاف کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب (رد المحتار ص ۶۳۹)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۵ / محرم ۱۴۲۵ھ

## بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید مسجد میں جا کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ جماعت کا وقت قریب ہے، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے، اس لئے دو رکعت نفل پڑھ لئے تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا، اس لئے بیٹھنے کے بعد اگر جماعت قائم ہو گئی تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے اور اگر جماعت میں تاخیر ہو تو اٹھ کر تحیۃ المسجد ادا کر لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۳ / ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ



تختہ المسجد وقتی نمازوں کے ساتھ مخصوص نہیں:

سوال: کیا تختہ المسجد صرف اس وقت مسنون ہے جب پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں جائے یا جب بھی اور جس کام کے لئے بھی مسجد میں جانا ہو ہر حال میں تختہ المسجد پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اوقات مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تختہ المسجد مسنون ہے، وقتی نمازوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ پنجوقتہ نماز کے لئے تو مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل یا بیٹھنے کے بعد جلد ہی، اگر وقتی و نرض یا سنت شروع کر دیں تو یہ نماز تختہ المسجد کے قائم مقام ہو گئی، مستقل تختہ المسجد کا حکم صرف اسی صورت میں ہے جب بلا نیت نماز مسجد میں داخل ہو البتہ اگر نیت نماز داخل ہو اگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تختہ المسجد مستقل پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

دن میں ایک بار تختہ المسجد سنت مؤکدہ ہے:

سوال: اگر کسی کام سے بار بار مسجد میں جانا پڑے تو کیا ہر بار تختہ المسجد مسنون ہے، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دن میں ایک بار تختہ المسجد پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، خواہ پہلی مرتبہ دخول میں پڑھے، یا آخری مرتبہ، اگر اسی روز اس مسجد میں کوئی نماز پڑھ لی تو تختہ المسجد کی سنت ادا ہو گئی، قال فی التوسیر ولسن تعیۃ المسجد، و فی الشامیۃ کتب الشارح فی ہامش الخزائن ان ہذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انہا مستحبۃ، و فی العلائق و تکفیه لکل یوم مرتۃ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای اذا تکرر دخولہ لعذر و ظاہر اطلاقہ انہ مخیر بین ان یؤدیہا فی اول المرات او اخرها ط (رد المحتار، ص ۶۳۶، ۱۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

تختہ المسجد کے قائم مقام تسبیحات:

سوال: زید ضروری کام سے مسجد میں جاتا ہے، اتنی فرصت نہیں کہ وضو کر کے تختہ المسجد ادا کرے تو کیا کچھ ذکر کر لینے سے تختہ المسجد کا ثواب مل جائے گا؟

بینوا توجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

بالکل محروم ٹوٹنے کی بجائے کچھ تو کر ہی لینا چاہیے، خواہ چند بار سبحان اللہ والحمد للہ  
ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہی کہہ لے، نقل فی الشامیۃ عن الضیاء وقال بعضهم  
من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد اما لحدث او لشغل او نحوه يستحب  
له ان يقول سبحان الله والحمد لله ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، قالہ ابوطالب المکی  
فی قوت القلوب اھ وقد منانحوہ عن الفہستانی (رد المحتار، ص ۱۳۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۳ رزی الحج ۹۹ھ

## چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی:

سوال :- اگر کوئی شخص چار رکعت نفل شروع کر کے بعد میں تیسری یا چوتھی رکعت پر  
نماز توڑ دے تو کیا چاروں رکعت کی قضاء ہے یا صرف دو کی؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

چاروں رکعات کی قضاء واجب ہے، شفع ثانی افساد کی وجہ سے اور شفع اول ترک سلام کے  
جبر نقصان کے لئے، قال فی الدر وقضی رکعتین لو نوی اربعاً غیر مؤکدة علی اختیار  
الجلبی وغیرہ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثاني ای وتشهد للاول والا یفسد  
الکل اتفاقاً والاصل ان کل شفع صلوة، فی الشامیۃ (قولہ او الثاني) ای وکذا  
یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بقعدتہ ثم شرع فی الثاني فنقضہ فی خلالہ  
قبل القعدة فیقضی الثاني فقط لتسام الاول لکن ینبغی وجوب اعادۃ الاول لترك  
واجب السلام مع عدم اتعبارہ بسجود سھو كما هو الحکم فی کل صلوة ادیت مع ترك  
واجب ولا یخالف ذلك کلامہم ہنالان کلامہم فی لزوم القضاء وعدمہ بناء  
على الفساد وعدمہ والاعادة ہی فعل ما دئی صحیحاً مع الکراهة مرة ثانية  
بلا کراهة (رد المحتار، ص ۱۳۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ

## قبلیہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعدیہ کے بعد پڑھے:

سوال :- قبل اظہر چار سنتیں اگر چھوٹ جائیں تو ان کو بعد الفرض جو دو رکعت سنت  
ہیں ان کے بعد ادا کرنا چاہیے یا کہ ان سے قبل؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اب جبکہ اپنی جگہ سے



ہٹ گئی ہیں تو ان کی حیثیت کیا ہوگی؟ سنت مؤکدہ کی یا کہ نفل کی؟ اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اب یہ ادا سمجھی جائیں گی یا قضا؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

بعد فرض پہلے دو رکعت سنت پڑھے، پھر پہلی چار رکعت کی قضا کرے، اپنے اصل مقام سے ہٹ جانے کے باوجود وقت کے اندر ان کی قضا سنت مؤکدہ ہے، قال فی الدر بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فانه ان خاف فوت ركعة يتركها ويقتدي ثم يأتي بها على انها سنة في وقته أي الظهر قبل شفعه عند محمد رحمه الله تعالى و به يفتي جوهرة وفي الشامية (قوله وبه يفتي) أقول وعليه المتن لكن رجم في الفتح تقدماً الركعتين قال في الامداد وفي فتاوى العتبات انه المختار وفي مبسوط شيخ الاسلام انه الاصح لحدیث عائشة رضي الله تعالى عنها انه عليه الصلوة والسلام كان اذا فاتته الاربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وهو قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى وكذا في جامع قاضي خان اه (رد المختار ص ۳، ۶، ۱۷) فقط والله تعالى اعلم،

۳ رجب ۸۹ھ

جمعہ کی قبلہ سنتیں رہ گئیں تو کس وقت پڑھے؟

سوال :- قبل الجمعہ والی چار رکعت سنتیں اگر خطبہ سے پہلے نہ پڑھ سکا تو فرض کے بعد پہلے ان کی قضا پڑھے یا کہ جمعہ کے بعد والی چار سنتیں پہلے پڑھے پھر پہلی سنتیں پڑھے؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

سنت اور نفل نماز کی نیت میں تعیین وقت کی ضرورت نہیں، اس لئے فرض کے بعد مطلقاً آٹھ رکعات پڑھ لینا کافی ہے، قبلہ و بعدیہ کی تعیین کی حاجت نہیں، اگر تعیین کرنا ہی چاہے تو پہلے بعدیہ کی نیت کرے پھر قبلہ کی، فقط والله تعالى اعلم،

۴ رجب ۸۹ھ

نماز جمعہ کے بعد تعداد رکعات :

سوال :- بعد از فرض جمعہ جو چھ رکعتیں سنت کی پڑھی جاتی ہیں ان کے بارے میں بعض علماء اس بات پر مصر ہیں کہ پچھلی دو رکعت مستحب ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ از حوالہ کتب حنفیہ روشنی ڈالیں، مزید برائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد از نماز جمعہ



چھ رکعات سنتیں پڑھی ہیں یا کہ چار؟ بینوا تو جبروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جمعہ کے بعد مرفوع حدیث میں چار رکعات مذکور ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھ مروی ہیں، لہذا چھ پڑھنا افضل ہے، پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ و سن مؤکداً أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة وأربع بعدھا بتسلیمة (رد المحتار، ص ۱۳۰ ج ۱) وقال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ والدلیل علی استئنا الأربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً اذا صلی أحدکم الجمعة فلیصل بعدھا أربعاً فی رواية اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً ذکر فی البدائع انه ظاهر الروایة وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه ینبغی ان یصلی أربعاً ثم رکعتین وذكر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یدکث فی المسجد الجامع مقدراً ما یصلی أربعاً وستاً ثم، وفي الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشایخنا علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی منیۃ لم یصلی والا فضل عندنا ان یصلی أربعاً ثم رکعتین وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخائف قال فی الذخیرۃ وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه یصلی ستاً رکعتین ثم أربعاً وعنه رواية أخرى انه یصلی بعدھا ستاً أربعاً ثم رکعتین وبہ أخذ ابو یوسف والطحاوی وکثیر من المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ وعلی هذا قال شمس الائمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصل ان یصلی أربعاً ثم رکعتین فقد اشار الی انه منخیر بین تقدیم الاربع و بین تقدیم المثنی ولكن الافضل تقدیم الاربع کیلا یصیر متطوعاً بعد الفرض مثلہا ام بالبحر الرائق، ص ۲۹ ج ۲) وقال الحلبي رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ السنة بعد الجمعة ست رکعات وهو مروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا فضل ان یصلی أربعاً ثم رکعتین للخروج عن الخلاف (رغنية ص ۳، ۳) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: مسجد کے اندر فرض ادا کر کے مدرسہ کے صحن میں جو مسجد سے ملحق ہے سنن



نوافل ادا کرنے میں مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

نوافل و سنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے، بشرطیکہ رستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو، اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں محفل ہو تو مسجد افضل ہے، قال فی شرح التنویر والافضل فی النفل غیر البتراء و یح المنزل الا لخوف شغل عنها والاصح افضلیۃ ما کان اخشع و اخلص و فی الشامیۃ (رقولہ والافضل فی النفل الخ) شمل ما بعد الفریضۃ وما قبلہا الحدیث المصححین علیکم بالصلوۃ فی بیوتکم فان خیر صلوۃ المرء فی بیئہ الا المكتوبۃ واخرج ابوداؤد و صلوۃ المرء فی بیئہ افضل من صلوۃ فی مسجدی ہذا الا المكتوبۃ و تمامہ فی شرح المنیۃ و حیث کان ہذا افضل یراعی ما لم یلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبیئہ او کان فی بیئہ ما یشتغل بالہ و یقلل خشوعہ فیصلیہا حیث یشتغل فی المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح (رد المحتار ص ۸۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۱۲۸۹ھ

### سنن جمعہ کی نیت :

سوال :- جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی کہلائیں گی یا ظہر کی، زید عالم کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں، جمعہ کے صرف دو فرض ہیں، شرعاً زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

### الجواب باسم ملہم الصواب

جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں، قال فی العلائیۃ و سن مؤکد اربع قبل الظہر و اربع قبل الجمعة و اربع بعدہا بتسلیمۃ (رد المحتار ص ۱۳۰ ج ۱) البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں، سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ اُن میں وقت کی نیت ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اپنے ذمہ بطور حرامانہ نفل واجب کرنا :

سوال :- بکرنے اپنے اوپر بطور حرامانہ کہا کہ اگر فلاں کام کروں تو بطور حرامانہ تنور کعت نفل پڑھوں گا اور بکر کا خیال تھا کہ یہ سور کعت پڑھنا واجب ہو جائے گا، کیا بکر کے اس خیال کی سور کعت واجب ہو گئیں؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

ہر ایسا لفظ جس سے اپنے اوپر ایجاب و الزام ثابت ہوتا ہو اس سے نذر منعقد ہو جاتی ہے،



اور اس کا ایفاد واجب ہو جاتا ہے، لفظ بطور جرمانہ اسی قسم کا ہے، جرمانہ کا واجب الاداء ہوتا ظاہر ہے، اس لئے تشریعت نفل ادا کرنا واجب ہو گیا، خواہ وجوب کا خیال ہو یا نہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۹۱ھ

### تکبیر قنوت واجب نہیں:

سوال: کیا وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے یا صرف تکبیر واجب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعد کوئی دعاء پڑھنا واجب ہے، اور معروف دعاء سنت ہے، قنوت قبل تکبیر واجب نہیں بلکہ سنت ہے، فی واجبات الثلاثیۃ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء وکذا تکبیر قنوتہ، وفی الشامیۃ (قولہ وهو مطلق الدعاء) ای القنوت الواجب یحصل بایّ دعاء کان، قال فی النہر، واما خصوص اللہم انا نستعینک فسنة فقط حتی لو اتی بغيره جاز اجماعاً (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السہو ومما انحق بہ ای بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ و ذکر فی الظہیریۃ انه لو ترکہ لا رواۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتباراً بتکبیراً العید وقیل لا ام وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانه الاصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیر العید ام راجح المختار ص ۲۳، ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرہ ۱۴۹۲ھ

### تکبیر قنوت میں رفع یدین کا ثبوت:

سوال: نماز وتر میں آخری رکعت میں جو رفع یدین کرتے ہیں اس کے متعلق بھی

تحریر فرمائیں کہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عمرو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، اور غیر مدرك بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث مرفوع ہے، علاوہ ازیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حقیقہ مرفوع حدیث بھی مروی ہے، عن الاسود عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه کان یقرأ فی اخر رکعة من الوتر قل هو اللہ احد ثم یرفع یدیه فیقنت قبل الركعة رواہ



الامام البخاری فی جزء رفع الیدین وقال صحیح (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۶) عن ابی عثمان کان عمر رضی اللہ تعالیٰ یرفع یدیه فی القنوت اخرجہ البخاری ایضاً فی الجزء المذكور وصححه وعنه ایضاً باسناد صحیح قال کنا وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یوم الناس ثم یقنت بنا عند الركوع یرفع یدیه حتی یبد وکفاه ویخرج ضبعیه اخرجہ البخاری ایضاً فی الجزء المذكور (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۶)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اُرِیتُم قیامکم عند فراغ الامام من السورة هذ القنوت والله انه لبدعة ما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم غير شهر ثم تركه، اُرِیتُم رفعکم ایدیکم فی الصلوة والله انه لبدعة ما زاد رسول الله صلى الله عليه وسلم علی هذ اقط فرفع یدیه حیال منکبیه رواه الطبرانی فی الکبیر وفيه بشر ابن حرب ضعفه احمد وابن معین وابوزرعة وابوحاتم والنسائی وثقه ایوب ابن علی (مجمع الزوائد) قلت فالحدیث حسن (اعلاء السنن ص ۵۴ ج ۶)

آخری حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قنوت میں دعا کی طرح اطالہ رفع یدین نہیں، قال فی الاعلاء واما قوله اُرِیتُم رفعکم ایدیکم فی الصلوة والله انه لبدعة ففيه دليل علی کراهة اطالہ رفع الیدین فی القنوت کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوة وليس معناه ان مطلق رفع الیدین للقنوت بدعة لان قوله ما زاد رسول الله صلى الله عليه وسلم علی هذ اقط فرفع یدیه حیال منکبیه یفید سنية رفعهما له فی الجملة ولا بد من التغایر فی الرفع الذی جعله بدعة والذی اثبتہ فالظاهر انه کراهة اطالہ رفعهما کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوة واثبت رفعهما حیال المنکبین سنة ليس هو الا الرفع القصير الذی يكون قبل القنوت فان الرفع الطویل فی الدعاء لا يكون بحیال المنکبین بل انما هو بحداء الوجه أو الصدر كما مر فی بابہ هذ وقد تقدم ان نفس رفع الیدین للقنوت ثابت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فی النحر وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه فی الوتر فیبعد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جعله بدعة فالظاهر انه اراد ما قلنا ان اطالہ الرفع بدعة والحدیث یفید بمقتو ثبوت رفع الیدین للقنوت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً والله تعالیٰ اعلم (اعلاء السنن ص ۵۸ ج ۶) فقط والله تعالیٰ اعلم



سنت غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں رد و دعاء اور تیسری رکعت میں شمار پڑھنا اولیٰ ہے؛  
سوال :- سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کی چار رکعات کی نیت باندھی تو کیا دو رکعت پر  
بیٹھ کر رد و شریف اور دعاء بھی پڑھے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر رد و شریف اور دعاء پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع  
میں شمار پڑھنا افضل ہے، سنن مؤکدہ میں رد و شریف نہ پڑھے، اگر سہواً پڑھ لیا تو سجدہ سہواً جب  
ہوگا، البتہ جمعہ کے بعد کی سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں رد و شریف پڑھنا جائز ہے، اس سے سجدہ سہو  
نہیں، اس لئے کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ ہیں، مگر چاروں کو ایک سلام سے پڑھنا مؤکدہ نہیں،  
قال فی شرح التنویر ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الاولى فی  
الاربع قبل الظهر والجمعة وبعد ہا ولو صلی ناسیا فعلیہ السہو وقیل لا، شمنی  
ولا یستفتح اذا قام الی الثالثة منها لانہا التا کدھا اشبهت المفریضة فی البراق  
من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویعوذ ولونذرا  
لان کل شفیع صلوة وقیل لا یأتی فی الكل وصححه فی القنیة، وفی الشامیة (قوله ولا  
یصلی الخ) اقول قال فی البحر فی باب صفة الصلوة ان ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر  
لما صرحوا بہ من انه لا تبطل شفعة الشفیح بالانتقال الی الشفع الثانی منها ولو  
افسدھا قضی اربعاً والاربع قبل الجمعة بمنزلتها واما الاربع بعد الجمعة فغیر  
فانہا کغیرھا من السنن فانہم لم یثبتوا لها تلك الاحکام المذكورة اھ ومثله فی  
الحلیة وھذا مؤید لما بحثہ الشرنبلالی من جوازھا بتسلیمتین لعذر (قوله  
وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاهر الاول زاد فی المنح ومن ثم عولنا  
علیہ وحکینا ما فی القنیة بقیل، (رح المحتار ص ۶۳۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
۲۸ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

سنن و فرائض کے درمیان فصل:

سوال :- اگر کوئی شخص ظہر کی سنن قبلہ پڑھ کر مسجد گیا، اور جماعت میں تاخیر ہو،  
تو کیا تحیۃ المسجد یا دوسرے نوافل پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

عہ جمعہ کی سنن بعدیہ کا حکم بھی قبلہ کی طرح ہی ہے، تفصیل تتمہ میں ہے ۱۲



## الجواب باسم ملہم الصواب

سنن قبلیہ اور فرائض کے درمیان نوافل پڑھ سکتا ہے، البتہ سنن و فرائض کے درمیان بلاغذ کوئی ایسا کام کرنا جو تحریمہ کے خلاف ہو منقص ثواب ہی، بعض نے مسقط سنن کہا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، سنن بعدیہ کا بھی یہی حکم ہے والتفصیل فی العلائق والشامیۃ ص ۶۳۶ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الاول ۱۴۹۷ھ

صلوۃ التسبیح میں دوسری اور چوتھی رکعت کی طرف قیام کے وقت تکبیر نہ کہے :

سوال :- صلوۃ التسبیح میں پہلی اور تیسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد اللہ اکبر کہہ کر بیٹھے گا اور تسبیحات پڑھے گا اس کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

اُس وقت تکبیر ثابت نہیں، نیز سجدہ اور قیام کے درمیان جلو س شرعاً غیر معتبر ہے، کجلستہ الاستراحة، لہذا سجدہ سے قیام تک انتقال حکماً واحد ہے، اس لئے حسب قاعدہ ایک انتقال کے لئے ایک ہی تکبیر ہوگی، تکرار تکبیر مشروع نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رمضان ۱۴۹۸ھ

صلوۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے :

سوال :- ایک عالم فرماتے ہیں کہ صلوۃ التسبیح میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر جب تسبیحات پڑھتے ہیں اس حالت میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

## الجواب باسم ملہم الصواب

ہر طویل قیام میں وضع الیدین مسنون ہے، اس کلیہ کے تحت صلوۃ التسبیح کے قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لایسن (الوضع) فی قیام بین رکوع وسجود لعدم القیام ولابین تکبیرات العید لعدم الذکر والمرتبط لقیام فیضع سراجیۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لعدم القیام) لیس علی اطلاقہ لقولہم ان مصلی النافلۃ ولوسنة یسن لہ ان یأتی بعد التحمید بالادعیۃ الواردة نحو ملء السموات والارض الخ واللہم اغفر لی وارحمنی بین



السجدتين، ثم، ومقتضاه أنه يعتمد بيده في النافلة ولم أر من صرح به تأمل  
لكنه مقتضى الملاقاة الأصليين المارين ومقتضاه أنه يعتمد أيضاً في صلوة التسابيح  
ثم رأيت ذكره ط، والرحمى الساعى بخار قوله ما لم يطل القيام فيضع، أى فان طال  
لكثرة القوم فانه يضع ر (المختار ص ۲۵۵ ج ۱) وقال الطحطاوى رحمه الله تعالى  
وظاهره نعم أى قيام طال وعليه فيض في قيام صلوة التسابيح الذى بين الركوع  
والسجود (طحطاوى على الدر ص ۲۱۸ ج ۱) فقط والله تعالى أعلم،

۲۸ رجب ۱۲۸۹ھ

نفل پڑھتے ہوئے صبح ہو گئی:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نوافل پڑھتے ہوئے درمیان میں فجر  
طلوع ہو گئی تو نفل صحیح ہوتے کہ نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد طلوع فجر سوائے سنت فجر کے نفل اور واجب لغیرہ مکروہ ہے، البتہ نفل پڑھتے ہوئے  
فجر ہو گئی تو یہ نفل صحیح ہیں، اور ان کا اتمام افضل ہے، قال فی الشامیة (قوله قصد) احتز  
به عما لو صلى تطوعاً في آخر الليل فلما صلى ركعة طلع الفجر فان الافضل اتمامها  
لان وقوعه في التطوع بعد الفجر لا عن قصد ولا ينوبان عن سنة الفجر على الامم،  
ر (المختار ص ۳۲۸ ج ۱) فقط والله تعالى أعلم،

۲ شعبان ۱۲۸۹ھ

مکروہ وقت میں شروع کئے ہوئے نفل کا حکم:

سوال ۱۔ کسی نے مکروہ وقت میں نفل شروع کر دیئے، بعد میں تنبہ ہوا، تو کیا یہ نفل  
پورے کرے یا کہ نماز توڑ ڈالے؟ اگر نماز توڑ دی تو ان نوافل کی قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟  
اور اگر اسی وقت میں نماز پوری کر لی تو بھی دوسرے وقت میں قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ وقت میں نفل شروع کرنے سے واجب ہو گئے، مگر اس وقت ان کا نقص واجب  
ہے، دوسرے وقت میں قضاء پڑھے، اگر اس وقت نماز نہ توڑی بلکہ پوری کر لی تو گناہ ہوگا،  
مگر واجب ادا ہو گیا، قضاء لازم نہیں، قال فی التتویر ولزم نفل شرع فیہ قصد ولو  
عند غروب وطلوع واستواء فان افسد حرم الابعن وروجب قضائه وقال



ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الأبعد) استثناء من قوله حرم ای انه عند العذر لا یحرم افسادہ بل قد یباح ویستحب ویجب کما قد مر فی آخر مکروہات الصلوٰۃ ومن العذر اذا کان شروعہ فی وقت مکروہ ففی البدایع الا فضل عندنا ان یقطعہا وان اتم فقد أساء ولا قضاء علیہ لانه اذا ہا کما وجبت فاذا قطعہا لزمہ القضاء قال فی البحر وینبغی ان یکون القطع واجباً خروجاً عن المکروہ تحریمياً وليس بابطال للعمل لانه ابطال لیؤدیہ علی وجه اکمل فلا یعد ابطالاً لرحمہ المختار ص ۶۲ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱، محرم ۱۳۹۸ھ

دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع کی بعد میں زیادہ شریک ہو گئے؛  
سوال :- ایک یا دو آدمی امام کے ساتھ نوافل کی جماعت میں شریک تھے، مگر بعد میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے تو یہ جماعت مکروہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مقتدی شروع میں تھے ان پر کوئی کراہت نہیں، بعد میں مجموعہ چار مقتدیوں سے زائد ہو لوگ شریک ہوئے ان پر کراہت ہے، قال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ لواقعی بہ واحد او اثنان ثم جاءت جماعة اقتدوا به قال الرحمتی ینبغی ان تكون الکراہۃ علی المتأخرین ام (رحمہ المختار، ص ۶۲، ۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶، شوال ۱۳۹۸ھ

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں؛

سوال :- کیا نماز تہجد کے لئے بعد نماز عشاء سونا شرط ہے، اگر کوئی شخص تمام رات جاگتا ہے، یا رات کا کافی حصہ جاگتا ہے، جیسا کہ عام طور پر طالب علم رات کو دیر تک پڑھتے ہیں، اگر وہ رات کے اخیر حصہ میں نماز پڑھے تو کیا یہ تہجد نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں، ویسے بھی تہجد کی نماز ہو جائے گی،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳، محرم ۱۳۹۹ھ



رکعاتِ ترمیں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے:

سوال :- عمر کو دو ترمیں شک واقع ہو گیا کہ یہ دوسری رکعت ہی یا تیسری، اس لئے اس میں بھی قنوت پڑھ لی اور بیٹھ گیا، اس کے بعد پھر ایک اور رکعت کو بھی ملا لیا اور اس میں بھی قنوت پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز صحیح ہو گئی، تکرار قنوت صحیح ہے، قال فی العلائق قنت فی اولی الوتر او ثانیۃ سہواً لم یقنت فی ثالثہ اما لو شک انہ فی ثانیۃ او ثالثہ کررہ مع القعود فی الاصح والفرق ان الساہی قنت علی انہ موضع القنوت فلا یتکرر بخلاف الشاک ورجح الحلبي تکرارہ لہما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ورجح الحلبي تکرارہ لہما) حیث قال الا ان هذا الفرق غیر مفید اذ لا عبرۃ بالظن الذی ظہر خطؤہ واذا کان الشاک یعید لاحتمال ان الواجب لم یقع فی موضعه فکیف لا یعید الساہی بعد ما یتقن ذلك وقد صرح فی الخلاصۃ عن الصدر الشہید بان الساہی یقنت ثانیاً فان کان ما مر رواۃ فہی غیر موافقۃ للدرایۃ ام قلت وکن ارجحه فی الحلۃ والبحر بنحو ما مر رد المحتار ص ۱۲۸ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ محرم ۱۲۹۹ھ

نماز اشراق کا ثبوت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ نماز اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں، یا الگ الگ ہیں؟ عام کتب فقہ میں صلوٰۃ الضحیٰ کا ذکر ہے، مگر اشراق کی نماز کا کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق وچاشت الگ نمازیں ہیں، ہر ایک کا ثبوت احادیث میں موجود ہے، اللکوب الدرر میں ہے: قوله باب ما جاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، وقت الضحیٰ من وقت ارتفاع الشمس الی الزوال وهو نصفان، الضحوة الکبریٰ والضحوة الصغریٰ، فالاولی الاخر منه والثانیۃ الاول منه واكثر اطلاق الضحیٰ علی الاول، والغرض من وضع الباب الرد علی من لم یرہ ثابتاً بالسنة وقال ان صلوٰۃ الضحیٰ بدعة لکن لا اختلاف فی صلوٰۃ الضحوة الصغریٰ



التي نسميها صلوة الاشراق بل الاختلاف في الاخرى (الكوكب الدرسي ص ۱۹۲ ج ۱)  
 لامح الدراري میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ہے، کتب فقہ میں سے بھی حاشیہ الطحاوی علی الدر  
 میں نماز اشراق کا ذکر موجود ہے؛ ونصہ (قوله) وندب اربعاً، هو المعتمد وقيل لا تندب  
 ومن شمراتها انها تقوم مقام صلوة الليل وتورث الغنى والبركة في الرزق ويؤدي  
 بها صدقات مفاصل الانسان المأمور بها في حديث كل سلامي من الناس عليه  
 صدقة والمستحب ان يقرأ في الاولى والشمس وضحاها وفي الثانية والضحى كما  
 ورد في الحديث وهي غير صلوة الاشراق وهي ركعتان كما ورد في بعض  
 الآثار وطحاوی علی العلائیة ص ۱۸۷ ج ۱، فقط والله تعالى اعلم،

۱۰ ربيع الاول ۹۹ھ

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے دو رکعت واجب ہوئیں:

سوال :- اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی، پھر دو رکعت پر سلام  
 پھیر دیا، باقی دو رکعت اس کے ذمہ واجب ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے صرف دو رکعت واجب ہوتی ہیں، اس لئے دو رکعت پر  
 سلام پھیرنا جائز ہے، باقی دو رکعت اس پر واجب نہیں، فقط والله تعالى اعلم

۱۱ رجب ۹۹ھ

دعاء قنوت کا حوالہ:

سوال ۱- دعاء قنوت مرتج عند الاحناف فی الوتر کا ثبوت سند کے ساتھ بحوالہ درکار، بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

المدونة الكبرى ص ۱۰۰ ج ۱، الاعتبار للعاظمی معنی یا الی مراسیل الی داؤد،  
 اعلام السنن ص ۶۸ ج ۴، طحاوی ص ۱۲۲ ج ۱، فقط والله تعالى اعلم،

۱۲ رجب ۹۹ھ

نفل میں سجدہ سہونہ کیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال :- نفل نماز میں سجدہ سہو واجب تھا، اور بھول کر نہ کیا، دوسرے وقت میں یاد آیا  
 تو ان نفلوں کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ نفل کی قضاء تو نہیں ہے، مگر جب شروع



کردی جائے تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نفل واجب الاعادہ ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رجب ۱۲۸۹ھ

وتر کا فدیہ بھی واجب ہے؛

سوال :- کیا وتر کا بھی فدیہ دیا جائے، جبکہ مرحومہ نے فرض نمازوں کا فدیہ دینے کی

وصیت کی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کا بھی فدیہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رزی الحجہ ۱۲۹۹ھ

قنوت کے بعد درود پڑھنا افضل ہے؛

سوال :- وتر کی نماز میں قنوت کے بعد درود پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فتاویٰ ہندیہ ص ۱۱

الباب الثامن فی صلوٰۃ الوتر میں تحریر فرماتے ہیں، ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت

وہو اختیار مشایخنا کنانی الظہیریۃ، درمختار اور شرح طحاوی نے قنوت میں درود پڑھنے کو ترجیح

دی ہے، اور لکھا ہے کہ قنوت کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے، قول راجح تحریر فرمائیں، انشاء اللہ

عند اللہ ماجور ہوں گے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قول استحب راجح اور مفتی بہر، کما صرح بہ فی العلائق، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ محرم ۱۳۱۲ھ

ناپاک کپڑے سے پڑھے ہوئے نوافل کا اعادہ واجب نہیں؛

سوال :- ناپاک کپڑے سے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے

تو فرائض اور واجبات کا اعادہ ہی یا سنن اور نوافل کا بھی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور واجبات کا اعادہ ہر صورت فرض اور واجب ہے، سنن مؤکدہ کا اعادہ وقت

کے اندر ضروری ہے، بعد میں نہیں، اور نفل کا اعادہ وقت کے اندر بھی ضروری نہیں، اس لئے کہ



نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اور صورت مستولہ میں نوافل میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

وتر تراویح سے پہلے پڑھ لئے تو ان کا اعادہ واجب نہیں؛

سوال :- رؤیت ہلال کی اطلاع نہ ملنے پر ۲۹ شعبان کے بعد آنے والی رات میں عشاء کی نماز اور وتر حسب معمول پڑھ لئے بعد میں اطلاع ملی کہ رمضان کا چاند ہو گیا، اس لئے تراویح ادا کر لیں، تو کیا ایسی صورت میں وتر مرد و بارہ جماعت کے ساتھ ادا کرے اور عورت بلاجماعت گھر ہی پر پڑھ لے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں، قال فی التنویر ووقتہا بعد صلوٰۃ العشاء قبل الوتر وبعده (رد المحتار، ص ۶۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ شوال ۱۳۹۸ھ

فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے؛

سوال :- زید نے فرض پورے کر کے آخر میں سلام نہیں پھیرا، بلکہ اسی حال میں سنت یا نفل کی نیت سے اور دو رکعت پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا، تو اس کی فرض نماز اور سنت یا نفل کی دو رکعت ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے، نیز اس میں عمدًا تاخیر سلام کی وجہ سے فرض واجب الاعداء ہے، نفل کی دو رکعتیں ہو گئیں، مگر سنت مؤکدہ ادا نہیں ہوئی، لانہا شرعت بتحریم مبدئۃ، قال فی الشامیۃ ان بناء النفل علی النفل یصدۃ صلوٰۃ واحدۃ بخلاف بناء النفل علی الفرض وذلٰں اکان البناء فیہ مکروہًا لان النفل صلوٰۃ اخری غیر الفرض (ربع سطر) لما بنی النفل عمدًا صار مؤخرًا للسلام عن محلہ عمدًا والعمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزمہ الاعادۃ (رد المحتار، ص ۶۹۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ

فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا؛

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں :-



ہماری مسجد میں یہ دستور ہے کہ روزانہ بعد ادا تے فرض ظہر فوراً پیش امام صاحب ایک حدیث شریف ریاض الصالحین سے پڑھ کر سُناتے ہیں مع مختصر تشریح کے بقدر پانچ منٹ جیسا کہ اگر کوئی شخص ان تمام ادعیہ مآثورہ کو جو کہ احادیث سے ثابت ہیں، بعد فرضوں کے پڑھے درمیان فرض و سنت تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا یا جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے معمول کے اور ادو وظائف درمیان فرض و سنت پڑھتا ہے تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا، تو ہم لوگ مجلس منتظمہ ہذا بجائے ادعیہ مآثورہ و اوراد مخصوصہ کے پانچ منٹ درمیان فرض و سنت برائے تبلیغ دین متین اور نفع عوام مسلمین صرف کرتے ہیں کہ بعد سنت و نفل کوئی ٹھیرا نہیں ہے، تو بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ طریقہ ناجائز ہے بسبب تاخیر سنت کے، اور جو لوگ اس درس میں شرکت نہیں کرتے ہیں اُن کی نماز میں خلل پڑتا ہے، جبکہ عند المصلین تلاوت بالجہر کی اجازت نہیں فہذا الدرس اولیٰ ان یتروک بعد الفرض،

جناب والا سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم اس تبلیغ بعد الفرض و قبل السنۃ کو جاری رکھیں یا موقوف کر دیں؟ بینوا تو جبروا!

### الجواب باسم ملہم الصواب

اوراد و تسبیحات مآثورہ کا وقت سنتوں کے بعد ہے، فرائض کے بعد بہت مختصر دعائیں مآثورہ ہیں نیز اس وقت ادعیہ مآثورہ کی بجائے کوئی دوسرا عمل احداث فی الدین ہے، علاوہ ازیں فرائض کے بعد متصل کتاب سُنانے میں یہ قباحت بھی ہے کہ مسبقین کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا، لہذا تبلیغ کا سلسلہ نماز عصر یا فجر کے بعد ہونا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب ۱۴۰۸ھ





اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترا (رواه البخاری)

# اعدل الانظار في الشفع بعد الایثار

وتریکے بعد دو گانہ نفل کا حکم





## رکعتین بعد الوتر کا حکم :

سوال : جو نوافل و تروں کے بعد پڑھے جاتے ہیں کیا وہ سنت سے ثابت ہیں؟ اور کیا ان کا بیٹھ کر پڑھنا مسنون اور افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟ اس بارے میں ائمہ کا مذہب کیا ہے اور احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کیا ہے؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ قولیہ و فعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ وتر کی نماز کو رات کی تمام نمازوں سے مؤخر کرنا چاہیے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں :

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل حتى يكون آخر صلوة الوتر، قال النووي في شرحه فيه دليل لما قد مناه من ان السنة جعل آخر صلوة الليل وتراويه قال العلماء كافةً وسبق تأويل الركعتين جالساً (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱)

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترّاً (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱) وخرج السيوطي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما معزياً الى الصحيحين والى داود وبرمز صحيح اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترّاً (الجامع الصغير ص ۱۶) واخرج مثله المندائي معزياً الى الشيخين (كنوز الحقائق على هامش لجامع الصغير ص ۱۶)

(۳) عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن صلوة الليل فقال مثنى مثنى فاذا خشيت الصبح صل ركعة توتر صلواتك (طحاوی ص ۱۳)

(۴) روى الامام احمد في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه كان اذا سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انا ثم اردت ان اصلي بالليل شفعت بواحدة ما مضى من وترى ثم صليت مثنى مثنى فاذا قضيت صلواتي اوترت بواحدة لان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرنا ان نجعل آخر صلوة الليل الوتر قال في مجمع الزوائد فيه ابن اسحق وهو مدلس وهو ثقة وبقية رجاله رجال الصحيح اه (نيل الاوطار ص ۳۵ ج ۳) وخرج الطحاوي مثله في مشرق معاني الآثار (ص ۱۶ ج ۱)

(۵) وفي الصحيح لمسلم عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال من صلى من الليل فليجعل آخر صلواته وترافان (رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بذلك) (مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)



ابن عمر سے یہی روایت صحیح مسلم ہی میں کئی دوسرے طرق اور الفاظ سے بھی مروی ہے من شاء فلیراجع الیہ، وتر کو بالکل آخر میں پڑھنے کی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے طوالت کا خوف مانع ہے، ان کی کثرت کو دیکھ کر تو اتر کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ ان روایات کی صحت، شہرت اور قوت کی بنا پر بعض حضرات حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مسلک یہ رہا کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا ناقض وتر ہے اور اس صورت میں وتر کا اعادہ واجب ہے چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قال ابو جعفر فذهب قوم الى ان الوقت الذي ينبغي ان يجعل فيه الوتر هو السحر وان لا يتطوع بعدك وان من تطوع بعدك فقد نقضه وعليه ان يعيد وتر آخر ويجتوي ذلك بتأخير رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر الى آخر الليل وبما روى عن جماعة من اصحابه من بعدك انهم كانوا يرون ان من تطوع بعد وتره فقد نقضه (شرح معاني الآثار ص ۱۶۱ ج ۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ نقص وتر کے قائل تھے اگرچہ قوی مسلک یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا ناقض وتر نہیں لیکن اگر تاخیر وتر کے لئے کوئی صریح روایت نہ بھی ہوتی تب بھی اتنے علماء بالخصوص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نقص وتر کے مسلک کو اختیار کرنا تاخیر وتر کی اہمیت اور اس کی شہرت کے اثبات کے لئے کافی وزن رکھتا ہے چہ جائیکہ اس پر روایات صریح بھی موجود ہیں۔

روایات ذیل میں رکعتین بعد الوتر کا ذکر ہے۔ بعض محدثین نے ان پر ”رکعتین بعد الوتر“ کا عنوان قائم کیا ہے۔

① عن ابی سلمة قال سألت عائشة رضي الله تعالى عنها عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلي ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والاقامة من صلوة الصبح (صحیح مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)

وذكر نحوه الامام النسائي في باب اياحة الصلوة بين الوتر وبين ركعتي الفجر

(نسائي ص ۱۸ ج ۱)

② عن ابی سلمة قال حدثتني عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع (ابن ماجه ص ۸۳)

③ وفي حديث طويل عن زهارة رضي الله تعالى عنه ثم يصلي ركعتين بعد ما يسلم (ای)



عن صلوة الوتر (دھوقاعد) (صحیح مسلم ص ۲۵۶ ج ۱)

(۴) عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين وقد روى نحو هذا عن ابى امامة وعائشة وغير واحد عن النبي صلى الله عليه وسلم (ترمذی ص ۹۲)

(۵) عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين خفيفتين وهو جالس (ابن ماجه ص ۸۳)

(۶) وقد عقد الامام ابو جعفر الطحاوی باباً فی التطوع بعد الوتر ذکر فيه اختلاف العلماء واخرج احاديث منها حديث ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنافي سفر فقال ان هذا السفر جهد وثقل فاذا وتر احدكم فليركع ركعتين فان استيقظ والا كانت له (شرح معاني الآثار ص ۱۶) اور حنبلی روایات نقل کی گئی ہیں اگرچہ ان سے رکعتیں بعد الوتر پر استدلال کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے ان میں سے حدیث اول کے سوا اور کسی سے بھی استدلال تام نہیں کیونکہ انہیں یہ قوی احتمال موجود ہے کہ یہ دو رکعتیں سنت فجر ہوں۔ اس احتمال کی موجودگی میں ان احادیث سے کعتیں بین الوتر و رکعتی الفجر پر استدلال صحیح نہیں لانا اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اور حدیث علامہ میں "فاذا وتر" میں "اراد ان یوتر" کی تاویل ہو سکتی ہے، کما فی قولہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم ان تاخروتر سے متعلق احادیث کثیرہ مشہورہ کا وجود اس تاویل پر قرینہ تو یہ ہے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ایسے حضرات کے لئے جو آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی شکایت کرتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد وتر سے قبل تہجد کی ہدایت فرماتے تھے ملاحظہ ہو وعظ کساء النساء اور ملفوظات کمالات اشرفیہ باب اول ص ۲۶ ملفوظات ۱۰۲ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ بھی حدیث میں "اذا وتر" کو بمعنی "اراد ان یوتر" قرار دیتے تھے۔ میٹھکر پڑھنے کی روایات کو وتر علی الدایہ کی طرح قبل التاکید یا سفر وغیرہ کسی عذر پر محمول کیا جاسکتا ہے، البتہ صرف ایک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نمبر اول میں مذکور ہے اس میں سنت فجر مراد لینے کا احتمال نہیں، اس لئے ان نوافل کا ثبوت تو ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کس انداز سے پڑھا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ جس طرح دوسری نمازوں سے قبل یا بعد آپ نے دیگر نوافل پڑھے ہیں یہ دو نفل اس طرح نہیں پڑھے، علامہ نووی کی تصریح کے مطابق آپ نے یہ نفل صرف دو تین مرتبہ پڑھے ہیں ولم یواظب علیہا بل فعلہ مرة او مرتین او مرات قليلة (مسلم مع نووی ص ۲۵۲ ج ۱)



در اصل یہ نوافل آپ نے وتر کے بعد کبھی کبھار بیان جواز کے لئے پڑھے ہیں۔ اگرچہ بہتر اور ولی یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جائیں۔ تاخیر وتر کی روایات، خصوصاً وہ روایات جن میں تاخیر وتر کا امر موجود ہے مثلاً اجعلوا آخر صلاتکم من اللیل و تراویحہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ وتر کو آخر الصلوات بنانا واجب ہے کما هو مقتضی لافراس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے محسن عظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی سبق دیکر یہ سمجھا دیا کہ یہاں امر او بویت اور استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ”کان یصلی“ کے الفاظ دوام عادت یا کم از کم کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے دوام و تکرار پر استدلال صحیح نہیں۔ ونصہ قلت والصلوات ان هاتین الرکتین فعلهما صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلوة بعد الوتر و بيان جواز النفل جالساً ولم يواظب على ذلك بل فعله مرة او مرتين او مرات قليلة ولا تغتر بقولها كان یصلی فان المختار الذي عليه الاكثرون والمحققون من الاصوليين ان لفظة كان لا يلزم منها الدوام ولا التكرار وانما هي فعل ماض يدل على وقوعه مرة فان دل دليل على التكرار عمل به والا فلا يقتضيه بوضعها وقد قالت عائشة رضي الله تعالى عنها كنت اطيب رسول الله صلى الله عليه وسلم لحله قبل ان يطوف ومعلوم انه صلى الله عليه وسلم لم يحج بعد ان صحبت عائشة رضي الله تعالى عنها الا حجة واحدة وهي حجة الوداع فاستعملت كان في مرة واحدة الخ (مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)

مذاہب الائمة رحمہم اللہ تعالیٰ :

قاضی عیاض نے امام اوزاعی اور امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بنا پر بعد الوتر دو رکعت نفل کو مباح قرار دیا ہے لیکن امام احمد کا دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ لا افعله ولا امنع عنه، امام مالک ان نوافل کا انکار فرماتے تھے۔ قال النووی هذا الحديث اخذ بظاهره الاوزاعي واحمد فيما حكاه القاضی عنهما فاباحا رکعتین بعد الوتر جالساً وقال احمد لا افعله ولا امنع عنه قال (القاضی) وانكره مالک اور خود قاضی عیاض روایات مشہورہ کی بنا پر روایت رکعتین بعد الوتر کا رد فرماتے تھے۔ قال النووی وامامنا اشار اليه القاضی عیاض من ترجيح الاحاديث المشهورة ورد رواية الرکتین جالساً فليس بصواب الخ (مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)



عامہ محدثین اور شرح حدیث نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہی بیان کیا ہے کہ وہ رکعتین بعد الوتر کے جواز کے منکر تھے لیکن فقہ مالکی کی کتاب "الشرح الصغیر" میں علامہ وردیر نے دو شرطوں کے ساتھ مالکیہ کا مذہب جواز کا نقل کیا ہے۔ ایک شرط یہ کہ وتر شروع کرنے سے قبل ان نوافل کے پڑھنے کی نیت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ان کو وتر کے بعد متصل نہ پڑھے۔

قال (وجاز) لمن صلى الوتر اول الليل او اخره (نفل بعد) اذا لم يوصله به (الى ان قال) (ان لم ينو) اى النفل (قبل الشروع فيه) (ثم قال بعد اسطر) فالحاصل ان جواز النفل بعد صلوة الوتر مقيد بقيد ين ان كاي نوى قبل شروعه فيه النفل بعده وان لا يوصله به (الشرح الصغیر ص ۱۳۳ ج ۱)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک معلوم نہ ہو سکا، البتہ التعلیق المجدد ص ۱۲۴ میں بحوالہ ابن عبد البر عدم نقض الوتر بالنوافل بعدہ کے مسئلہ میں امام شافعی، امام مالک، اوزاعی، امام احمد، ابو ثور، علقمہ، ابو مجلز، طاؤس اور نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے قریب قریب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام عظیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ بیان فرمایا ہے کہ بالخصوص رکعتین بعد الوتر کا کوئی ثبوت نہیں، ویسے وتر کے بعد جتنے نوافل چاہے پڑھ لے۔ اس سے وتر پر کوئی اثر نہ پڑیگا۔ قال امامنا محمد لا نرى ان يشفع الى الوتر بعد الفراغ من صلوة الوتر ولكنه يصلى بعد وتره ما احب ولا ينقص وتره وهو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ (موطال امام محمد ص ۱۴۳)

امام طحاوی التطوع بعد الوتر کا عنوان قائم کر کے عدم نقض الوتر کو ثابت فرما کر آخر میں فرماتے ہیں وهذا القول الذي بينا قول ابی حنیفہ و ابی یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ (شرح معانی الآثار ص ۱۶۶ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مختار بھی یہی ہے کہ وتر کے بعد نوافل نہ پڑھے جائیں، اسی لئے فقہ اور فتاویٰ کی کسی کتاب میں بھی ان نوافل کا کہیں ذکر نہیں یہ امر مقلدین کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے اس لئے کہ مقلد کے لئے قول امام حجت ہے۔ حدیث کی بحث ہم نے محض تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ مقلدین کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ کتب مذہب میں ان



نوافل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

صنیع المحلّ ثین رحمہم اللہ تعالیٰ :

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا صنیع بھی بعض مرتبہ بہت بڑے اہم مسائل کی عقدہ کشائی کرتا ہے اس لئے مسئلہ مذکورہ اس لحاظ سے بھی قابلِ توجہ ہے۔

رکعتیں بعد الوتر کی روایات صریحہ و محتملہ کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جنہوں نے رکعتیں بعد الوتر کا باب قائم کر کے اس کے تحت یہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جیسے امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں الشطورع بعد الوتر کا عنوان رکھا ہے اور امام نسائی نے باب ”ابحۃ الصلوۃ بین الوتر و بین رکعتی الفجر“ کا عنوان قائم کیا ہے اور محدثین کے دوسرے گروہ نے نقص الوتر بالنوافل بعدہ یا اور کسی عنوان کے تحت ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے باینہمہ طریق بحث میں اگرچہ ائمہ حدیث مختلف ہیں لیکن مدار بحث میں متفق ہیں۔ چنانچہ کسی نے وتر کے بعد نوافل کی سنیت یا استحباب کو مدار بنا کر بحث نہیں کی بلکہ نقص الوتر بالنوافل بعدہ او عدمہ کو مدار بنا کر بحث کی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک بھی ان نوافل کی حیثیت صرف جواز اور عدم نقص وتر کی ہے استحباب کا کوئی قائل نہیں۔

جمہور محدثین نے تاخیر وتر کی روایات مشہورہ کے مقابلہ میں رکعتیں بعد الوتر کی روایت کو رد کرنے کی بجائے صورت تطبیق اختیار فرمائی ہے۔ وهو الطريق الاول عند التعارض، چنانچہ تطبیق کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

① یہ نوافل بعد الوتر بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے اور اس کی ضرورت امرنا ان فجعل آخر صلوۃ اللیل الوتر جیسی روایات میں صیغہ امر کی بنا پر پیش آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھلا دیا کہ تاخیر وتر کا امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

② حدیث ثویان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر بعض علماء کا خیال ہے کہ جو حضرات سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے بوقت سحر تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے ہوں وہ اول شب میں وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیں، پھر اگر تہجد کے لئے بیدار ہو گئے تو فہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کے قائم مقام ہو جائیگی مگر اس تطبیق میں اول اللیل اور آخر اللیل کے درمیان وجہ الفرق غیر ظاہر ہے اور اس حدیث میں فاذا وتر کی تاویل اراد ان یوتر اور اس صورت سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد اوپر لکھا جا چکا ہے۔



(۳) اعلا السنن میں ایک اور لطیف توجیہ بیان کی ہے حیث قال قال العبد الضعیف معناه اوتروا باللیل مَرَّةً لا مَرَّتَین لتکون اخر صلوٰتکم باللیل وترات من اد تر مَرَّتَین فقد جعل اخر صلوٰتہ باللیل شفعا یؤیدہ ما اخرجہ الطحاوی رحمہ اللہ ان اباہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لو جئت بثلثة ابعرة فانختہما ثم جئت ببعیرین فانختہما الیس کان یشکر ذلک وترًا قال وکان یضربہ مثلاً لنقص الوتر (اعلا السنن منہ ج ۶)

(۴) قال فی فتح الملہم قال الشیخ الاخوڑ والوجہ فیہما انتہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہا صلاہما جالسًا لیبقوا اخریتہ الوتر لصلوۃ اللیل صورتہ عند ہذا ایضاً (کأن ہذا الجلوس اعلاہما بانتہاء قیام اللیل) ولیدل علی ان من اسقطہا فذلک الیہ ام (فتح الملہم ص ۲۹۳ ج ۲)

تطبیق کی ان آخری دونوں صورتوں کو حدیث فاذا خشیت الصبح فصل رکعة تو نزلت صلاتک (طحاوی ص ۱۳۱ ج ۱) رد کرتی ہے لہذا تطبیق کی صحیح صورت صرف یہی ہے کہ بیان جواز کے لئے کبھی کبھار اپنے یہ نفل پڑھے ہیں اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ وتر آخر میں پڑھے جائیں۔

### خلاصہ بحث :

مستحب اور افضل طریقہ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا چاہے وتر سے پہلے پڑھے اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھے تو مباح ہے مگر نہ تو دو رکعت کی کوئی تفصیل اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ کوئی تعلق ہے بلکہ عام اوقات مباحہ کی طرح جتنے نوافل چاہے پڑھے کما مَرَّعِنَ الامام محمد عن امامنا الاعظم رحمہما اللہ تعالیٰ۔

مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کی اس بحث سے کہ ان نوافل کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ وہ انکے استحباب کے قائل ہیں بلکہ انکی بحث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی خلاف اولیٰ پر عمل کرے اور ان نوافل کو پڑھے تو وہ کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر۔

مذکور سے متعلق احادیث مذکورہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں پوری نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری وہ جنہیں پہلے بیٹھ کر شروع کرنے اور پھر کھڑے ہو کر رکوع میں جانیگا بیان ہے لیکن یہ احادیث فعلی ہیں۔ دوسری طرف وہ قولی احادیث ہیں جن میں للقاعد نصف اجر القائم کی تصریح ہے ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوۃ الرجل وهو قاعد فقال من صلا قاسما فهو افضل ومن صلاها قاعداً اقلہ نصف



اجرا القائم (ترمذی ص ۸ ج ۱)

(۲) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وكان مبسوڑاً قال سألت رسول اللہ ﷺ عليه وسلم عن صلوة الرجل قاعداً فقال ان صلى قائماً فهو افضل ومن صلى قاعداً اقله نصف اجرا للقائم ومن صلى نائماً اقله نصف اجرا للقائم رواه البخاری (اعلاء السنن ص ۳۳ ج ۷)

(۳) اخرج النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب فضل صلوة القائم علی صلوة القاعد عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأیت النبی ﷺ علیہ وسلم یصلی جالساً فقلت حدثت انک قلت ان صلوة القاعد علی النصف من صلوة القائم وانت تصلى قاعداً قال اجل ولكنی لست کاحد منکم (نسائی ص ۱۷ ج ۱)

یہ احادیث مبارکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتی ہیں لہذا اصول ترجیح کے مطابق اس قاعدہ کو دو قسم جزئیہ پر ترجیح ہوگی۔ نیز یہ احادیث قولی ہیں اور قولی کی ترجیح فعلی پر مسلم ہے لہذا انہیں تخصیص کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ فعلی احادیث کو بیان چواڑ پر محمول کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ آخری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعود میں بھی پورا ثواب حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی، امت کے لئے وہی قاعدہ کلیہ ہے للقاعد نصف اجرا للقائم۔ امام العصر حضرت گنگوہی اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہما کا بھی یہی فتویٰ ہے (فتاویٰ رشیدیہ<sup>۳</sup>، امداد الفتاویٰ ص ۳۰۳-۳۰۵) حضرت مولانا محمد سحیح کا بھی یہی مختار تھا کما فی ناشئة اللیل (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ<sup>۳</sup>) فقط وھذا ما ظہر لفکر السقیم وفوق کل ذی علم علیہ

رشید احمد

الحاق :

۳۰ صفر ۹۶ ہجری

(۱) بندہ نے "اوتر" بمعنی "اراد ان یوتر" لکھا ہے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں متقدمین سے بھی اس کا ثبوت مل گیا (السنن کبریٰ للبیہقی ص ۳ ج ۳، مرقاة ص ۳ ج ۳، کشف الستر للعلامة النور شاہ)

(۲) بندہ نے کتبتین جالساً کو سنت فجر پر محمول کیلئے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں حدیث میں بھی سنت فجر جالساً کی تصریح مل گئی جالساً بین الاذانین (البدواؤد ص ۱۳ ج ۱)

(۳) حدیث ۱ کے تین جواب دیئے گئے ہیں (۱) منسوخ ہے (بیہقی ص ۳ ج ۳، مرقاة ص ۳ ج ۳) (۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ احادیث تاخیر و تر کے مقابلہ میں یہ حدیث غیر مقبول ہے (نودوی ص ۲۵ ج ۱) (۳) بیان جواز کے لئے کبھی کبھار اس کا وقوع ہوا ہے، وہو الصحیح کما قد منا و اختارہ ائمة الحدیث والفقہ،

(۴) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا خلاف استحباب ہے (فتح القدیر ص ۳۱۲ ج ۱ آخر باب ۱۲)



## فصل فی التراویح

تراویح میں بقرہ پر ختم کرنا :

سوال : جب منکوساً قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے تو تراویح میں بقرہ پر کیوں ختم کیا جاتا ہے ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ جزئیہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ پڑھنا ماثور ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ حالانکہ غاشیہ کی آیات زیادہ ہیں۔ قال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورة قصيدة وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیکرہ من البقرة وفي الشامية عن شرح المنية عن الولوجية من یختم القرآن فی الصلوة اذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الاولى یرکع ثم یقرأ فی الثانية بالفاتحة وشیء من سورة البقرة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس حالہ المرحل ای الخاتم المفتوح اه (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰)

نیز تنکیس صرف فرائض میں مکروہ ہے نوافل میں نہیں۔ مکاصح بہ فہلہندیۃ۔ اس بنا پر شارح التنویر کے استثناء ”الا اذا ختم“ کا محل یہ ہوگا کہ فرائض میں ختم قرآن کیا ہو۔ یا یہ کہ تراویح کو من حیث الجماعۃ فرائض سے مشابہت ہے۔ عالمگیریہ کے جزئیہ ”واذا کرأیة واحدة مراراً فان كان فی الطوع الذی یصلی وحده فذلک غیر مکروہ“ میں لفظ وحده اس پر دال ہے کہ تراویح من حیث الجماعۃ بحکم فرض ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

۲۵ شعبان ۱۴۲۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : تراویح میں حافظ نے اٹھارہ رکعت میں قرآن پاک ختم کر کے انیسویں رکعت میں ایک رکوع سورہ بقرہ کا پڑھا، بیسویں رکعت میں پھر آلہم سے ہوا مفلحون پر کلام پاک ختم کیا، یا بیسویں رکعت میں سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا، آیا تراویح میں قرآن مجید کا اس طرح ختم کرنا سنت کے خلاف تو نہیں؟ بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خلاف سنت ہے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ انیسویں رکعت میں سورہ ناس تک پڑھے اور بیسویں رکعت میں سورہ بقرہ کے شروع سے کچھ حصہ پڑھے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح المنية عن الولوجية من یختم القرآن فی الصلوة اذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الاولى



یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشیء من سورة البقرة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتوح ۵۱ (رد المحتار ص ۵۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

۴ ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ

### تراویح میں سورۃ اخلاص کا تکرار :

سوال : تراویح میں آجکل قل ھو اللہ احد کا تکرار تین دفعہ جو مروج ہے یہ جائز ہے یا کہ ناجائز؟ بیٹنوا تجزوا۔

### الجواب ومنہ الصواب

فرائض میں سورت کا تکرار مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں مکروہ نہیں۔ قال فی الشامیة افادانہ یکرہ تنزیہاً ج ۱، ص ۵۱۰) وقال فی شرح المنیة قراءة قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشایخ وقال الفقیہ ابواللیث ہذا شیء استحسنہ اهل القرآن و ائمة الاصل فلا بأس به الا ان یرکع الختم فی المکتوبة فلا یزیدہ علی مرة، والیضافیہ و یکرہ تکرار قراءة السورة فی الفرض ولا یکرہ تکرار السورة فی التطوع لان باب النفل اوسع۔ مگر مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں تراویح بھی جماعت کی وجہ سے فرائض کے حکم میں ہیں۔

قل فی الہندیة و اذا کسر ایتہ واحدة مرارا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده، فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوة المفروضة فهو مکروہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطوع منفرداً ہو تو تکرار مکروہ نہیں۔

وقال فی شرح التنویر و یکرہ الفصل بسورة قصیرة وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرة (الی قولہ) ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلک۔ آخر میں حکم نوافل مصرح ہونے کے باوجود الا اذا ختم سے استثناء دال ہے کہ تراویح بحکم فرض ہیں۔

پس عبارت شرح المنیہ میں تطوع سے مراد منفرداً لیا جائے گا۔ مگر یوں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شرح التنویر میں "الا اذا ختم" سے ختم فی الفرض مراد ہو اور عالمگیریہ میں "فی التطوع الذی یصلی وحده" کی قید احتراز می نہ ہو بلکہ واقعی ہو کیونکہ عموماً نوافل منفرد ہی پڑھے جاتے ہیں۔ غرضیکہ تکرار کا ثبوت قرون شہود لہا بالخیر سے قطعاً نہیں اور کراہت و عدم کراہت میں تردد ہے۔ اس لئے اس کا ترک ہی بہتر ہے خصوصاً جبکہ اسکا التزام ہو رہا ہو تو کراہت یقینی اور ترک لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ شعبان ۱۲۹۸ھ



## چار رکعت تراویح میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوئیں :

سوال : ولو صلی اربعاً بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو ظہر

الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة وهو لصحیح کذا فی السراج الوہاج وھکذا فی فتاویٰ قاضیخان وعن ابی بکر الاسکافی انہ سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال انہ تذکر فی القیام ینبغی انہ یعود ویقعد ویسلم وانہ تذکر بعد ما سجد للثالثة فانہ اضاف الیہا رکعة اخری کانت ہذہ الاربعۃ عن تسلیمة واحدة وانہ قعد فی الثانیة قد رالشہد اختلافوا فیہ فعلى قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو لصحیح ھکذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریہ جلد ۱ ص ۷۵) اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کر لیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہیں بلکہ دو ہوں۔ اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں۔ حالانکہ عامہ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں۔ والہو عند اللہ الکریم

## الجواب ومنہ الصدق والصواب

فتاویٰ عالمگیریہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے ”تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة“ کہا ورنہ ”صحۃ الركعتان“ کہنا چاہیے تھا۔ ومن الدلیل علی صحۃ الاربعۃ ما فی شرح التنویر ان کل شفع صلوۃ الابعاض اقتداء و نذر او ترک قعود اول

(رد المحتار جلد ۱ ص ۶۳۸)

فان قلت ان ہذا اذا کان نوى اربعاً لما فی الشامیۃ ر بعد ذکر الخلاف فی العود وعدمہ بنظر القعود الاول من النفل) والخلاف فیما اذا احرم بنیۃ الاربع فان نوى ثنیتین عاد اتفاقاً (ج ۱ ص ۷۰۱) فالجواب انہم وانہ اتفقوا علی الحکم بالعود ولکنہم لم یصر حوا بالفساد فی صورۃ عدم العود بل علم الفساد مصرح فی الجزئیۃ المذكورۃ فی السؤال ای قولہ انہ سئل عن رجل الخ

محاصل، مقصد یہ ہے کہ یہ چار تراویح کے قائم مقام نہیں گی بلکہ دو کے ہوں گی جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ و سادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعد یہ کہ نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہو گئی و ضم الیہا سادسہ لتصیر الركعتان لہ نفلاً وسجد للسہو ولا تنوب عن السنۃ الراتبۃ بعد الفرض فی الاصح (شرح التنویر باب سجود السہو) حالانکہ اس صورت میں



قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہو گئے اور دو نفل بھی مگر چونکہ سنن بعدیہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے اس لئے یہ دو رکعت اسکے قائم مقام نہ ہونگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب ۱۲۸۵ھ

### سوال مثل بالا:

سوال: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری و چوتھی بھی پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہو گئی تو چاروں رکعات یا کہ دو؟ اگر دو ہوئیں تو پہلی دو یا کہ آخری؟  
بینوا بالدلیل اجرکم اللہ الجلیل

### الجواب ومنہ الصلح والصواب

شفیع ثانی تراویح ہے اور شفیع اول نفل ہو گیا، تراویح میں شمار نہ ہو گا قال الامام قاضی خات  
رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدة ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس  
تفسد صلوٰتہ وهو قول محمد وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ ویلزمہ قضاء هذه التسلیمۃ  
وهو رواية عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وفي الاستحسان وهو اظهر الروایتین  
عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ لا تفسد و اذا لم تفسد اختلفوا فی قول  
ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انها تنوب عن تسلیمۃ او تسلیمتین، قال الفقہ  
ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ تنوب عن تسلیمتین لان الاربع لہا جاز و جب ان ینوب  
عن تسلیمتین کم ان وجب علی نفسه ان یصلی اربع رکعات بتسلیمتین فصلی  
اربعا بتسلیمۃ واحدة ذکر فی الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه یجوز کذا ہنا و  
کذا الوصلی الاربع قبل الظہر ولم یقعد علی رأس الرکعتین بجاز استحسانا و قال الفقہ  
ابو جعفر و الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ فی التراویح تنوب الاربع  
عن تسلیمۃ واحدة و هو الصحیح لان القعدۃ علی رأس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکھا  
کان ینبغي ان تفسد صلوٰتہ اصلاً کما هو وجہ القیاس و انہا جاز استحسانا فاخذنا بالقیاس  
و قلنا بفساد الشفع الاول و اخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ و اذا بقیت التحریمۃ  
صح مشروعہ فی الشفع الثانی و قد اتہا بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحدة و  
عن ابی بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ انه سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی  
الثانیۃ (الی قولہ) فان هذه الاربعۃ عن ترویجۃ واحدة یعنی عن الرکعتین (غانیۃ بہا مش الہندیۃ ص ۲۲)



وقال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى فاما اذا لم يقعد فسدت صلواته عند محمد رحمه الله تعالى  
وعند ابی حنیفہ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ يجوز واصل المسألة يصلى التطوع  
اربع ركعات اذا لم يقعد في الثانية قدر التشهد وقام وانتهى صلواته انه يجوز استحسانا  
عندهما ولا يجوز عند محمد قياسا ثم اذا جازعندهما فهل يجوز عن تسليمتين او لا  
يجوز الا عن تسليمته واحدة الاصح انه لا يجوز الا عن تسليمته واحدة لان السنة ان  
يكون الشفع الاول كاملا وكما لم بالقعدة ولم توجد والكمال لا يتأدى بالناقص (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۹)  
خانیہ میں فساد شفع اول سے وقوع تراویح کا فساد مراد ہے، مطلقاً فساد صلوة مراد نہیں، خود خانیہ  
ہی میں فقیہ ابو جعفر اور امام ابو بکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ سے تنوب الاربع عن تسليمته واحدة  
اور ابو بکر الاسکافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فان هذه الاربعة عن توديعة واحدة سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں رکعات  
صحیح ہیں مگر تراویح میں صرف دو شمار ہوں گی اور بدائع میں شفع اول کے کمال کی نفی سے بھی ثابت ہوا کہ شفع اول  
فاسد نہیں بلکہ ناقص ہے اس لئے تراویح میں شمار نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر ۱۲۸۶ھ

تراویح سہواً چار رکعات پڑھ لیں :

سوال : زید تراویح کی دو رکعت پڑھ کر سہواً اٹھ گیا اور چار رکعت پوری کر لی تو تراویح  
کی دو رکعت ہونگی یا چار رکعت؟ اور سجدہ سہو بھی واجب ہے یا نہیں؟ اگر دو رکعت پڑھیں بیٹھا  
تو پھر کیا حکم ہے؟ بتنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہوا تو چار رکعات ہو گئیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر دو  
رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو دو رکعت ہونگی اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے، پہلی دو رکعتوں  
کا اعادہ کرے اور ان میں پڑھا ہوا قرآن مجید بھی لوٹائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ شوال ۱۲۸۶ھ

ایک قعدہ سے تین رکعات تراویح :

سوال : امام تراویح کی دوسری رکعت پر بدو قعدہ کئے سہواً کھڑا ہو گیا، تین رکعتیں  
پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا تو دو رکعتیں صحیح ہونگی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دو رکعتیں نہیں ہوں گی، مگر  
ایک کتاب میں عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس صورت میں دو رکعتیں ہو جاتی ہیں اس پر غور



فرما کر تحریر فرمائیں، بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ ایک قول جواز کا بھی ہے مگر عدم جواز رائج ہے، عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں، مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے ونصہا ولو صلی التطوع ثلاث رکعات ولم یقعد علی رأس الركعتین، الا صہانہ تفسد صلوٰۃ (عالمگیریہ ص ۱۳۱) اسی طرح شامیہ وفانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو رائج قرار دیا ہے، قال فی الشامیۃ تحت (قوله) ترک قعود اول (فلو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدة کان یبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ وهو الركعة الاخیرۃ لان التثفل بالركعة الواحدة غیر مشروع فیفسد ما قبلہا) (رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱)

عبارات مذکورہ اگرچہ نوافل سے متعلق ہیں مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور دوسرا اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرمایا اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے ونصہ (قوله فاکثر) هذا خلاف الاصح كما قد مناه عن البدائع والخلاصة وفي التتارخانیۃ لو صلی التطوع ثلاثا ولم یقعد علی الركعتین فلا صح انہ یفسد ولو ستا او ثمانیا بقعدۃ واحدة اختلفوا فیہ والا صح انہ یفسد استحسانا و قیاسا لکن صحوفا فی التراویح انہ لو صلاھا کلھا بقعدۃ واحدة و تسلیمۃ انہا تجزئ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح (رد المحتار ص ۱۶۵ ج ۱) وقال ایضا فی شرح قول العلائی والا ثابت عن شفع واحد بہ یفتی، لہذا من صرح بہ فی اللفظ ہنا وانما صرح بہ فی الفہر عن الزاہدی فیما لو صلی اربعاً بتسلیم وقعدۃ واحدة واما اذا صلی العشرین جملة کذلک فقد قاسہ علیہ فی البحر نعم صرح فی الخانیۃ وغیرہا بانہ الصحیح مع انما قد مناع عن البدائع والخلاصة والتتارخانیۃ انہ لو صلی التطوع ثلاثا او ستا او ثمانیا بقعدۃ واحدة فلا صح انہ یفسد استحسانا و قیاسا وقد منا وجہ فقد اختلف التصحیح فی الزائد علی الاربعۃ بتسلیم وقعدۃ واحدة هل یصح عن شفع واحد او یفسد فلیتنبہ (رد المحتار ص ۱۶۶ ج ۱)

اور قاضی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحتہ تراویح و تطوع دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چنانچہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں وان صلی ثلاثۃ رکعات بتسلیمۃ واحدة فہو علی وجہین اما ان قعد فی الثانیۃ او لم یقعد (الی قولہ) وان لم یقعد فی الثانیۃ ساہیا او



عامداً الاشک ان فی القیاس وهو قول محمد و زفر رحمہما اللہ تعالیٰ واحدی الروایتین عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تفسد صلوٰۃ و یلزمہ قضاء رکعتین لا غیر و اما فی الاستحسان ہل تفسد صلوٰۃ فی قول ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اختلفوا فیہ قال بعضهم تفسد و لا یجزئ عن شیء و قال بعضهم تجزئ عن تسلیمۃ واحدة و علیٰ ہذا الخلاف اذا تنفل بثلاث رکعات و لم یقع فی الثانیۃ علی قول الفریق الاول لا یجزئہ ، و جہ قول الفریق الثانی ان التطوع معتبر بالمکتوبۃ و لو صلی المغرب ثلاث رکعات و لم یقع فی الثانیۃ یجوز فکذا التطوع یجوز عن تسلیمۃ لانہ لریضہم الرابعۃ الی الثالثۃ ، و جہ من قال انہ لا یجوز عن شیء و هو الصحیح انہ ترک القعدۃ المشروعۃ و هو القعدۃ علی رأس الثانیۃ و القعدۃ علی رأس الثالثۃ غیر مشروعۃ فی التطوع فصار کأنہ لم یقع اصلاً فلا یجوز بخلاف ما اذا صلی اربعاً و لم یقع علی رأس الثانیۃ لانہ القعدۃ علی رأس الرابعۃ مشروعۃ فجازت (خانیۃ علی ہامش العالمگیریہ) <sup>ط</sup> نقط و اللہ تعالیٰ اعلم ، ۱۴ رمضان سنہ ۹۵ھ

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے :

سوال : رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں ، ویسے ہی اہل مسجد انکی کچھ خدمت کر دیں یا کپڑوں کا جوڑا بنادیں تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹنوا تو جروا

### الجواب باسحد ملہم الصواب

خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے ، اس لئے کہ اسمیں دو گناہ ہیں ، ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ ،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی اللہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی بشر ان کی خدمت کرتے ہیں معاوضہ مقصود نہیں ، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں ؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں ؟ اب دورِ حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے ، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اسکی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا ، اس سے ثابت ہوا کہ جا نہیں کی نیت معاوضہ کی ہے اور للہیت



کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اسکی اقتدار میں نماز پڑھ لی جائے ترک جماعت جائز نہیں مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتدار میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اسکی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشرف نفس ہے جو حرام ہے۔

اگر کسی قاری کو اشرف نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مردّج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لئے بہر کیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے، فقط واللہ الموفق،

۲۳ شوال سنہ ۱۴۰۶ھ

### بوقت ختم قرآن امام اور مؤذن کو کچھ دینا :

سوال : عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کر کے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام مؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور مؤذن کو یہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟ اور اگر چندہ کی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بتینواتوجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

وجوہ ذیل کی بنا پر امام اور مؤذن کے لئے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں یا بصورت لباس وغیرہ جائز نہیں،

① بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے جب تک دینے والے کی طیب خاطر کا یقین نہ ہو اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں،

② چند دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے



بکثرت ہوتے ہیں،

③ یہ رسم عام ہو جائیگی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے جسکی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جا چکی ہے، امام اور مؤذن کو تنخواہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے اسلئے یہ لین دین ناجائز ہے۔  
④ اگر امام واقعہً اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو، جس کا امتحان سوال سابق کے جواب میں لکھا جا چکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے۔

⑤ اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے،

اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے۔

اگر اہل مسجد واقعہً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
سامع کی اجرت :

سوال : سامع کو اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور امداد الفتاویٰ جلد اول کا حوالہ دیتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس کو تعلیم قرار دیکر اس پر اجرت کا جواز تحریر فرمایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں بلکہ تذکیر ہے، ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں جس پر جواز اجرت کا فتویٰ ہے، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں اسی لئے اس پر اجرت لینا جائز نہیں تو قاری کو تعلیم یا تذکیر ایسی ضروری کیونکر ہو سکتی ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز ہو، لہذا قاری کی طرح سامع کو بھی اجرت لینا جائز نہیں، خواہ اجرت متعین ہو یا بلا تعین بنام امداد و خدمت ہو بہر حال ناجائز ہے بلکہ بدون تعین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اسمیں اجرت مجہول ہے اس لئے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۲ھ

### نابالغ سامع کو صنفِ اول میں کھڑا کرنا :

سوال : تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صنفِ اول میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے کیا اس صورت میں نابالغ کو صنفِ اول میں کھڑا کرنا جائز ہوگا یا



اس میں کوئی کراہت ہے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ بلا ضرورت بھی بالغین کی صف میں بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے، ضرورت سے بطریق

۱۱ رجب سنہ ۱۸۷۷ھ

اولی جواز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضو کر کے وتر میں شامل

ہو جائے یا عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہو جائے اسکے اور تراویح

۱۳ شوال سنہ ۱۸۷۷ھ

پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا:

سوال: بکر ایسے وقت آیا کہ تراویح کی جماعت ختم پر تھی، بکر نے وضو کر کے عشاء کی نماز

فرض و سنن مؤکدہ ادا کیں تو تراویح کی جماعت ختم ہو کر وتر کی جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا بکر بغیر

تراویح ادا کئے وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے یا اپنی تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں

اور پھر وتر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو جماعت میں شرکت کرے یا اپنی بقیہ تراویح تنہا ادا

کرے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے اس کے بعد تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں تو

وہ بھی جماعت وتر کے بعد پڑھے، قال فی الدار و وقتہا بعد صلوٰۃ العشاء الی الفجر قبل الوتر و

بعدہ فی الاصح فلو فاتہ بعضہا و قام الامام الی الوتر و تر بعدہ صلی ما فاتہ، و فی الشامیۃ اے علی وجہ

۱۲ شوال سنہ ۱۸۷۷ھ

الافضلیۃ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خنسی کرتا ہے اور کبھی قینچی سے

کتراتا ہے، یعنی اس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت یا

اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ ڈاڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک



مشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے، مسمیٰ زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی ڈاڑھی کتراتا ہے اس کی ڈاڑھی زید کی طرح ہی صورت و سیرت میں متبع شریعت حافظ باسانی مل سکتے ہیں، اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لئے مقرر کر دیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہی یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حافظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں جبکہ ان کو مسئلہ بھی بتا دیا جائے ایسے ارکان کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے حافظ یا ائمہ جو ڈاڑھی کتر کر مشت سے کم رکھ کر تراویح یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں انکے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مساجد یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر یا متولی یا مہتمم کا صورت و سیرت میں حتیٰ الوسع متبع شریعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ وما کانوا اولیاءہ انہ اولیاءہ الا المتقون (پہ سورہ انفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبار سے بھی شدید گناہ ہے قال فی شرح التنویر واما الاخذ منها وہی دونہ ذلک (القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربہ وخنثۃ الرجال فلم یجہ احد (رد المحتار ص ۳۳ ج ۲) لہذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں، فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے مگر تراویح میں فاسق کی اقتدار کسی صورت میں بھی جائز نہیں، صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں، اگر ڈاڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کر دے تو بھی اس کی اقتدار میں تراویح پڑھنا جائز نہیں، ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونیکے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں خود فاسق ہیں اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فوراً برطرف کر دیں یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں اگر اہل محلہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہر و باطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے اگر



کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ شوال سنہ ۸۷ھ

تراویح کے بعد دعاء :

سوال : تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں البتہ دعا بعد الصلوٰۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے کیونکہ تراویح مستقل نماز ہے لہذا انفرادی دعا کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورت اجتماعی دعا بدعت ہے، باوازیلند ہو تو دوسری بدعت، اور بالالتزام ہو تو تین بدعات کا مجموعہ، اس سے احتراز لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۸۸ھ

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم :

سوال : پورا کلام پاک جب تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو تسمیہ بین السورتیں کا کیا حکم ہے؟ آیا جہراً پڑھا جائے یا سراً، یا بالکل ترک کر دیا جائے جیسے بعض ایسے کیا کرتے ہیں اور نیز فرائض میں تسمیہ بین السورتیں کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور تراویح دونوں میں تسمیہ بین السورتیں افضل ہے مگر قراءت خواہ جہریہ ہو یا سریہ بہر کیف بسم اللہ آہستہ پڑھے، اس میں جہر خلاف سنت ہے، البتہ تراویح میں ایک بار جہر ضروری ہے تاکہ مقتدیوں کا قرآن مکمل ہو جائے، قال فی الشامیۃ (قوله ولا تکره اتفاقاً) ولہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبیٰ بانہ ان سمي بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً وجہراً كان حسناً عند ابي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ و رحمہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبي لشبهة الاختلاف فی كونها آية من كل سورة بحر،

(رد المحتار ص ۴۵۸ ج ۱)

بعض کو اشکال ہوا ہے کہ بسم اللہ کا نزول جب متعدد بار ہے تو یہ متعدد آیات ہوئیں جیسا کہ قبائی الاثر یکما تکذبان، ویلے یومئذ للمکذبین، ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مؤمنین و ان ربک لہو العزیز الرحیم، ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مذكر، وغیرہا، لہذا ہر سورت سے قبل تسمیہ جہراً ہونا چاہیے ورنہ مقتدیوں کا قرآن مکمل نہ ہوگا

اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار نزول تعدد کو مستلزم نہیں جیسا کہ ایک قول کے مطابق سورہ فاتحہ



دوبار نازل ہوئی ہے معہذا اس کی آیات سات ہی ہیں، چودہ نہیں قال فی العلائقۃ وہی آیۃ ولحدۃ من القرآن کلا (رد المحتار ص ۱۴۲)

اگر کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے لہذا تراویح میں ہر سورت سے قبل جہراً پڑھنا افضل ہونا چاہیے تاکہ مقتدیوں کے قرآن کی تکمیل میں شبہ اختلا نہ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت میں رعایت مذہب غیر مستلزم ہے اپنے مذہب میں ترک سنت کو اس لئے کہ مذہب حنفی میں اخفاء سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ ذی الحجہ سنہ ۱۴۸۸ھ

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت :

سوال : نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ محلہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان سنہ ۱۴۹۱ھ

قضا نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص شکی مزاج ہے اور اس کے ذمہ بہت قضا نمازیں ہیں، مرض مذکور کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی کر کے قضا نمازیں پڑھتا ہے اگر یہ شخص عشاء کی جماعت بھی چھوڑ دے اور تراویح بھی چھوڑ دے اور قضا نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نمازوں کے لئے عشاء کی جماعت اور تراویح کی نماز چھوڑ دینا جائز نہیں، فقط واللہ اعلم

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۴۹۱ھ

بدوں سامع قرآن سننا :

سوال : کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضرور ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا



## الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۱۴۱۱ھ

## شبینہ کا حکم :

سوال : گزشتہ چند سال سے یہ طریقہ رائج ہے کہ تراویح پڑھانے والا بارہ رکعت کے بعد مصلیٰ چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ آٹھ تراویح امام صاحب پڑھاتے ہیں، مقتدی بھی حافظ کے ساتھ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور بعد وتر کی جماعت کے حافظ صاحب اپنی بقیہ آٹھ رکعت تراویح شروع کرتے ہیں تو بہت سے مقتدی بھی ان کے ساتھ نوافل کی نیت سے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں شبینہ تقریباً دو ڈھائی بجے تک رہتا ہے اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا خاص انتظام ہوتا ہے بعض حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ چند آدمیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سوائے نمائش کے کچھ بھی نہیں تو انھوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانا بجانا عام ہے جگہ جگہ ریکارڈنگ ہوتی ہے، تو ہم کیوں نہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں اسکا شرعاً حکم کیا ہے؟ بیٹنوا تو جروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

اس قسم کے متعارف شبینہ میں کئی قبائح ہیں، مثلاً

① نوافل کی جماعت، وان مال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الی جواز اقتداء المتنظیلین بمن یصلی التراويح ولكن فیہ نظر،

② لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اہل محلہ کے کام، آرام اور عبادات میں خلل،

③ نام و نمود

④ بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا جو جماعت اور قرآن کریم

کے احترام کے خلاف ہے۔

⑤ ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام،

⑥ ایسی خرافات کے لئے چندہ کرنا،



اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جنکی بنارس پر مروج شبینہ جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ شوال سنہ ۹۶ھ

### سوال مثل بالا :

سوالے : حافظ اپنی باقی ماندہ تراویح میں شبینہ پڑھے اور مقتدی کچھ تراویح اور کچھ نوافل پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مقتدی بیس پچیس پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر سارے مقتدی نوافل میں شبینہ سنیں اور حافظ اپنی بقیہ تراویح میں شبینہ پڑھے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسمہم الصواب

جماعت میں اکثر افراد تراویح پڑھ رہے ہوں، نوافل پڑھنے والے کم ہوں تو یہ صورت جائز ہے مگر متعارف شبینہ میں دیگر قبائح بہر حال ہوتے ہیں لہذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ثم اقتدے متنفلاً) ای ان شاء و هو افضل امداد و اور ان التنفل لجماعة مکروه خارج رمضان واجب بنعم اذا كان الامام والقوم متطوعين اما اذا ادى الامام الفرض والقوم النفل فلا لقوله عليه الصلوة والسلام للرجلين اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما صلوة قوم فصليا معهم واجعلوا صلوتكما معهم سمحة ای نافلة کذا فی الکافی بحر (رد المحتار) ۶۶۸ اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح پڑھنے والے امام سے متنفلین کی اقتدار مکروه نہیں، مگر حدیث سے استدلال محل تامل ہے اس لئے کہ اس میں صرف دو مقتدیوں کو تنفل کا حکم ہے اس سے سب مقتدیوں کے تنفل کی عدم کراہت پر استدلال تام نہیں، قاعدہ کا مقتضی یہ ہے کہ مقتدیوں کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۹۷ھ

مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم :

سوالے : جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں، مثلاً مسافر، مریض، عورت اور غلام، اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسمہم الصواب

تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے، قال فی العلائیۃ التراويح سنة مؤکدة



لمواظبة الخلق الراشدين للرجال والنساء اجماعاً (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۱) والیضا فیہا ویأتی المسافر بالسنة انہ کان فی حال امن وقرار الا بانہ کان فی خوف وقرار لایأتی بہا هو المختار لانه ترك للعذر تجنیس

۳، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۹۲ھ

(رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا :

سوال : زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سنایا، پھر دوسری مسجد میں یہی ایک پارہ سنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سناسکتا ہے، اور اس طرح سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے مثلاً ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھا، یا ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی، اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کر کے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں، اس لئے کہ تراویح میں متنفل کی اقتدار جائز ہے۔ نقل ابنہ نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ الخلاصة امام یصلی التراويح فی مسجدین کل مسجد علی وجہ الکمال (لا یجوز لانه لا یتکون) (بحر ص ۶۸ ج ۲) وفي امامة الشامية تحت (قوله فی الصیغ الخانیة) یصح الاقتداء فی التراويح وغیرہا بمفترض وغیرہ ومثلہا سائر السنن الرواتبہ کما تفیدہ عبارة الخانیة، تأمل (رد المحتار ص ۵۵۲ ج ۱) وفي التراويح منها (قوله وفي التارخا<sup>۱</sup>) عبارتها نقلًا عن المحيط و ذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراويح والوتر فی منزله ثم امّ قوماً اخرین فی التراويح ونوی الامامة کرہ له ذلك ولا یکرہ للمأمومین ولولم یبنوا الامامة و شرع فی الصلوة فاقتدی الناس به لم یکرہ لواحد منهما ام (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۴، رمضان سنہ ۱۰۹۲ھ

سامع کے لئے جگہ کی تعیین :

سوال : تراویح میں سامع کے لئے جائز بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

اصلاح نماز کے لئے اسکی ضرورت ہی اسلئے جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۶ شوال سنہ ۱۰۹۲ھ



قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے :

سوال : قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی

رہی، (لأنه عمل كثير وتلقين من الخارج، فقط والله تعالى علم)

۲۴ شوال سنہ ۱۴۳۵ھ

تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے :

سوال : ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے، مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے،

اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کر لی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر محلہ سے ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے لہذا اگر اس محلہ کی کسی دوسری

مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے مگر فرض کی جماعت

بہر صورت مسجد میں ضروری ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول صاحب التنویر (والجماعة

فیہا سنة علی الکفاية) وہل المراد انہا سنة کفاية لاهل کل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها ومن

المحلة، ظاہر کلام الشارح الاول واستظهر ط الشافعی و یظهر فی الثالث لقول المنية حتی لو ترک اهل

محلة کلام الجماعة فقد ترکوا السنة واساؤاھ وظاہر کلامهم هنا ان المسنون کفاية اقامتها بالجماعة

فی المسجد حتی لو اقاموها جماعة فی بیوتهم ولم تقم فی المسجد اثر الكل (رد المحتار ج ۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۱۴۳۵ھ

فرض منفرد اُپڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے :

سوال : حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد

حافظ صاحب بھی آگئے انھوں نے اکیلے فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت کرائی تو اس میں کوئی حرج

تو نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے لوصلیت بجماعة الفرض وكان

رجل قد صلى الفرض وحده له ان يصليها مع ذلك الامام لان جماعتهم مشروعة فله الدخول



فیہا معہم لعدم المحذور (رد المحتار ص ۶۶ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وہ تراویح کی جماعت میں اس لئے شریک ہو سکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چونکہ جماعت میں اصل ہے اس لئے اس کے لئے مکروہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں، ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگرچہ بندہ کو اشکال ہے مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وفي التارخانية الخ) عبارتھا نقلاً عن المحيط وذكر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراويح والوتر فی منزله ثم اقم قوماً اخرین فی التراويح ونوی الامامة کرہ له ذلك ولا یکرہ للہما مؤمنین ولولہما بنو الامامة وشرع فی الصلوة فافتدع الناس بہ لم یکرہ لواحد منهما اھ (رد المحتار ص ۶۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رذی قعدہ سنہ ۹۸ھ

عورتوں کے لئے بھی بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے :

سوال : عورتوں کے لئے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتیں جائز ہیں؟ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت، پوری پڑھی جائیں ورنہ بالکل نہ پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ قال فی العلائیۃ التراويح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعاً (رد المحتار ص ۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان سنہ ۹۸ھ

تراویح میں نابالغ کی اقتدار صحیح نہیں :

سوال : حافظ نابالغ کو تراویح پڑھانے کے لئے امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کی اقتدار میں تراویح صحیح نہیں، قال فی العلائیۃ ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وختی صبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ونفل علی الاصح) قال

عہ وجہ اشکال حکم شبینہ کے تحت ملاحظہ ہو ۱۲



فی الهدایۃ و فی التراویح والسنن المطلقۃ جوزۃ مشایخ بلخ ولم یجوزۃ مشایخنا ومنہم من حقوق  
الخلافتۃ فی النفل المطلق بین ابی یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات  
کلہا (رد المحتار ص ۵۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۰ رمضان سنہ ۱۲۹۹ھ

بیٹھ کر تراویح پڑھنا :

سوال : زید تراویح میں قرآن طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کر سکتا آیا وہ جماعت  
کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کر سکتا ہے یا علیحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے، اس لئے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلاغۃً  
بیٹھ کر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے، قلے فی البرازیۃ وادھما قاعداً ایجوز فی المختار ولو بلا  
عذر لکن لا یتحب بخلاف سنۃ الفجر فانہ لا یجوز قاعداً (برازیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۳۳) و  
فی الخانیۃ (فصل فی اداء التراویح قاعداً) اختلفوا فی الجواز قلے بعضهم لا یجوز بغیر عذر و  
استدلوا بما روی الحسن عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لو صلی سنۃ الفجر قاعداً بغیر عذر لا  
یجوز فکذا التراویح اذ کل واحد منہما سنۃ مؤکدۃ وقال بعضهم یجوز اداء التراویح قاعداً بغیر عذر و  
فرقوا بین التراویح و بین سنۃ الفجر وهو الصحیح الا ان ثوابہ یكون علی النصف من صلوة القائم و  
وجہ الفرق ان سنۃ الفجر سنۃ مؤکدۃ لا خلاف فیہا و التراویح فی التکید دونہا فلا یجوز التسویۃ  
دونہا (خانیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۲۳ ج ۱) و اقروہ ابن امیر الحج فی شرح المنیۃ و مثله فی الظہیر  
و غیرہا و فی فتاویٰ الشیخ قاسم بن قطلوبغا ناقلًا عن الامام حسام الدین الشہید اجمعوا علی ان  
رکعتی الفجر قاعدًا من غیر عذر لا تجوز لانہا سنۃ شابتہ الفرض و اما التراویح فالصحیح انہا  
تجوز قاعدًا بغیر عذر و لکن لا تستحب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۰ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں :

سوال : دو منزلہ مسجد کی ہر ایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور  
ایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اور اسکا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے لہذا یہ بھی مکروہ ہے  
خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۳ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ





انے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر

# لمعات المصباح فی رکعت التراويح

بیسے رکعات تراویح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے ثبوت اور اسے پر حضرات صحابہ کرام  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ  
کا اجماع





## تعداد تراویح پر مفصل بحث

سوال : ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دلیل میں بخاری مسلم اور ابن خزمہ کی روایات پیش کرتا ہے صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات تراویح۔ اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ کنز کی شرح الشرح فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں۔ ماروی کان یصلی فی رمضان عشرين سوی الوتر ضعیف۔ اور موطا مالک وابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے۔ کیونکہ بیس رکعات اجماع سے سنت مؤکدہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیا

### الجواب ومنه الصدق والصواب

اہل حدیث مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

① عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سأل عائشة رضي الله تعالى عنهما كيف كان صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عيني تنام ولا ينام قلبي (بخاری ص ۱۵۴ ج ۱)

② حد ثنا محمد بن حميد الرازي ثنا يعقوب بن عبد الله ثنا عيسى بن جارية عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ليلة ثمان ركعات والوتر فلما كان من القابلة اجتمعنا في المسجد ورجونا ان يخرج الينا فلم نزل فيه حتى أصبحنا قال اني کرهت وخشيت ان يکتب علیکم الوتر۔ (قیام اللیل للإمام بن نصر المروزی ص ۹)



(۳) وبعث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان منی لیلۃ شیء قال وما ذلک یا ابی قال نسوتہ داری قلن انا لانقرأ القرآن فنصلی خلفہ بصلواتک فصلیت بھت ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وكان شبہ الرضا (قیام اللیلۃ منہ)  
(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی بن کعب وثمانی الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعة (موطا مالک ص ۹۸)

### حدیث اول کے جوابات

(۱) اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں۔ قال لقرطبی اشکلت روایات عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی کثیر من اھل العلم حتی نسب بعضهم حدیثہا الی الاضطراب (فتح الباری ص ۲ ج ۲)

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں۔ والصواب ان کل شیء ذکرۃ من ذلک محمول علی اوقات متعدده واحوال مختلفہ (فتح الباری ص ۲ ج ۲) اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کبھی انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ خود اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری فرماتے ہیں انما قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعة سوی رکعتی الفجر (تحفۃ الاحوذی ص ۲ ج ۲)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالانکہ غیر مقلدین کا عمل اس کے خلاف ہے۔ وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں۔ لہذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

(۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے اس میں تراویح کا بیان نہیں ذیل



میں اس پر چند قرآن ذکر کئے جاتے ہیں۔

### حدیث میں بیان تہجد پر شواہد :

(۱) حدیث کے الفاظ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" بتا رہے ہیں کہ سوال ہی ایسی نماز سے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی تھی۔ سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سبائق ان شاء اللہ تعالیٰ، اسلئے سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سند کرہا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف رکعات تہجد کا بیان ہے (۳) اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فقالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتمام قبل ان توترأی، تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسکا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہئے تھے لتقدم صفوفہم، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے اس میں گاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے تھے۔

(۴) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں باب عدد الركعات التي يقوم بها الامام للناس فی رمضان، کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح مافی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

(۵) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے۔

باب ما جاء فی الوتر (ص ۱۳۵ ج ۱)

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ (ص ۱۳۵ ج ۱)

باب فضل من قام رمضان (ص ۲۶۹ ج ۱)



باب كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه (۱۷۵۰۳)  
 پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ کان یصلیٰ احدی عشرۃ رکعۃً کانت تلک صلوٰۃ  
 تعنی باللیل فیسجد السجدة من ذلک قدر ما یقرأ احد کمر خمسین آیتہ - یہ الفاظ  
 کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں۔ نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے  
 نہ کہ عدد رکعات تراویح۔

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام باللیل تہجد کو بھی کہا جاتا ہے  
 پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کر دی کہ تہجد ہی مراد ہے۔  
 تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں بلکہ بیان فضل مقصود ہے۔  
 چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل  
 دلیل ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کما مر

⑥ قال الحافظ رحمه الله تعالى تحت الحديث المذكور وظهري ان الحكمة في  
 عدم الزيادة على إحدى عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلوة الليل فرائض  
 التهجد الظهر وهي أربع والعصر وهي أربع والمغرب وهي ثلاث وتر النهل فمنا سبب  
 تكون صلوٰۃ الليل كصلوة النهل في العدد جملة وتفصيلاً واما مناسبة ثلاث عشرة  
 فبضم صلوٰۃ الصبح لكونها فهداية الى ما بعد ها (فتح الباری ص ۳۱ ج ۲)  
 حکمت مذکورہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ  
 میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے۔

تہجد و تراویح میں فرق :

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد و تراویح ایک ہی چیز ہے اسکا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے۔

- ① تہجد میں تداوی جائز نہیں اور تراویح میں تداوی ہوتی ہے۔
- ② تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معین نہیں افضل و زنت بعد النوم ہے
- ③ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے۔ کصنیع  
 الامام مسلم وغیرہ۔ صحیح مسلم کے ابواب اگرچہ خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں فرمائے  
 مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ  
 ہی کا فعل ہے۔ نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین



میں سے ہیں۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی اسکے بعد وحی الہی نے اسکی فرضیت منسوخ کر دی اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمایا کی حکمت خشیت فرضیت بیان فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے متغایر ہے کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرمادیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَلَيَّ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا — يٰۤاَيُّهَا الْمَرْقُلُ قُلْ اَلَيْسَ الْاَقْلِيلُ نَصْفًا وَاَنْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا وَاُزِدْ عَلَيْهِ وَاَرْتُلْ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سنت لکھ قیامہ (نسائی ص ۳ ج ۱) یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے اس میں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بصورتہ تقابل ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَیْكُمْ وَسُنَّتَ لَكُمْ قِيَامَهُ، حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے۔ معہذا صورت تقابل سے ثابت ہوا کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶) حدیث میں تراویح کا نام ”قیام رمضان“ مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے۔ کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدھا في الجماعة فان كان له تہجد یوتر بعدھا (مقنع ص ۱۸۴)

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کیساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اس میں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد افراد پڑھتے تھے

(۱۰) تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ یعنی مع الوتر زیادہ سے

زیادہ تیرہ اور کم از کم سات، اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ انکا کوئی معین عدد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔



## اہل حدیث حضرات کی شہادات :

- (۱) قال شیخ الاسلام العلامة ابن تیمیة ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد ولا ینقص منه فقد اخطأ (فتاویٰ ابن تیمیة ص ۲۶۳)
- (۲) قال العلامة السبکی اعلو انہ لم ینقل کما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی تلك اللیالی هل هو عشرون اداقل (شرح المنہاج)
- (۳) قال العلامة جلال الدین السیوطی ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذلك من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ (المصابیح ص ۷۷)
- (۴) قال العلامة الشوکانی والحاصل الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشاہیہا هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوة فی جماعة وفردی فقصر الصلوة المسماة بالتزادیم علی عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم ترد بہ سنة (نیل الاوطار ص ۲۶ ج ۱)
- (۵) مولوی وحید الزماں صاحب فرماتے ہیں ، ولا یتعین لصلوة لیلای رمضان یعنی التزادیم عدد معین (نزل الابرار ص ۱۲ ج ۱)
- (۶) ابوالخیر میر نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں وبالجملة عددے معین در مرفوع نیامدہ۔

(العرف الجادی ص ۸۷)

- (۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں ، ان صلوة التزادیم سنة باصلها لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیلای ثم ترکھا شفقة علی الامة ان لا تجب علی العامة او یجبوھا واجبة ولم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة لکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلمان عددها کثیر (الانتقاد الرجیع ص ۷)

## دوسری حدیث کا جواب :

اس حدیث سے اسلئے استدلال صحیح نہیں کہ اسمیں دو راوی ضعیف ہیں۔

- (۱) محمد بن حمید الرازی - ضعفه الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی التقریب۔
- (۲) عیسیٰ بن جاریہ - حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں فن جرح و تعدیل کے مسلم امام یحییٰ بن معین سے اسکی تضعیف اور منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن عدی اور ساجی عقیلی نے بھی اسے ضعیف میں شمار کیا ہے ، امام نسائی



نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابو داؤد نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری سخاوی سے نقل فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث وصف فی الرجل یتحقق بہ الترتیب لحدیثہ (ابکار المثنیٰ ص ۱۹۱)

- اتنے ائمہ نے عیسیٰ بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے۔ اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابو زرہ نے ”لا بأس“ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجہ ذیل جرح راجح ہے۔
- ① اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔
  - ② جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلم امام ہیں۔
  - ③ جرح بہت شدید ہے۔ چنانچہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہل حدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

لہذا یہ روایت قابل قبول نہیں بالخصوص جبکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ متفرد ہے۔ قال الامام الطبرانی لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

### تیسری حکایت کا جواب :

اس حدیث کی سند بھی بعینہ وہی ہے جو دوسری حدیث کی ہے۔ اسلئے یہ بھی قابل قبول نہیں۔  
چوتھی حدیث کے جوابات :

- ① یہ روایت مضطرب المتن ہے۔ اختلف فیہ علی محمد بن یوسف فروی عنہ مالک فی الموطا و یحیی القطان عند ابن ابی شیبہ و عبد العزیز بن محمد عند سعید ابن منصور لکن احدى عشرة رکعة و رواه محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمد ابن اسحق عن محمد بن یوسف فقال ثلاث عشرة و رواه عبد الرزاق من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدى و عشرین قالہ الحافظ فی الفتح ص ۲۱۹ ج ۲ (اعلاء السنن ص ۷۳ ج ۷)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں۔ ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔ پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں۔ تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام مالک : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ



لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحیی القطان : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبد العزیز بن محمد : ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی الحدیث احدى وعشرين وهو

الصحيح ولا اعلم احدا قال فيه احدى عشرة الا مالكا (الحی ان قال) الا غلب عندی

ان قوله احدى عشرة وهم كذا فی التعليق لحسن نقله عن الزرقانی فی شرح الموطأ ص ۴۵

قلت لم يهمل فيه مالک لم تابعة اثنين له في ذلك عن محمد بن يوسف بل الوهم

عندی فيه من محمد بن يوسف فانه قال مرة احدى وعشرين ومرة احدى عشرة

وتارة ثلاث عشرة والجمع بينها بالحمل على اختلاف الاحوال ونحوه كما قال

الحافظ وغيره بعيد مستغنى عنه فان المخرج واحد فكيف يصح حمله على اختلاف

الاحوال والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا

يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين

ركعة كما ذكرناه في المتن اخرج البيهقي وسند صحيح وعزاه الحافظ في الفتح الى

مالک ايضا (اعلاء السنن ص ۴۸ ج ۷)

سائب بن يزيد کے دو شاگرد ہیں محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ محمد بن یوسف کا شدید

اختلاط اوپر بیان ہوا کہ ان کے پانچوں شاگرد ان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں حافظ ابن عبد البر

نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی

وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبریٰ ص ۴۹۶ ج ۲ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل

کیا ہے اور یہی روایت بیہقی نے معرفة السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن

خصیفہ ذکر کی ہے۔ غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں

کی طرح اختلاف نہیں۔ پہلی سند کی امام نووی، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔

(ارشاد الساری، تحفة الاخيار ص ۱۹، تحفة الاحوزی ص ۲ ج ۲)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح موطا میں صحیح



قرار دیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۷۷ ج ۲)

کسی متعسف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابو عبد اللہ ابن فنجویہ دینوری ہیں جنکی عدالت معلوم نہیں۔ اولاً اتنے جلیل القدر ائمہ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے۔ ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لئے اسپر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اسکی شہرت تعدیل کے لئے کافی ہے، قال ابن الصلاح فی المقدمة عدالة الراوی تارة تثبت بتنصيص العدلین علی عدالة و تارة تثبت بالاستقاضة فمن اشتهرت عدالة بين اهل النقل او نحوهم من اهل العلم وشاع الشناء علیه بالثقة والامانة استغنى فيه بذلك عن بيينة شاهدة بعلة تنصيصاً هذا هو الصحيح فی مذهب الشافعی وعلیه الاعتماد فی فن اصول الفقه (مقدمہ ص ۷۷)

وقال المحافظ ابو عمرو ابن عبد البر کل حامل علم معروف العناية به فهو عدل محمول فی امره ابدأ علی العدالة حتی یتبین جرحه (حوالہ بالا) ابو عبد اللہ ابن فنجویہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور اہل فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے ۱۴۷ھ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۲ ج ۳) اور ابن اثیر جزری فرماتے ہیں عرف بها ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوی الدینوری المحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الاودی الموصلی والی بکر بن مالک القطعی وغیرہا روی عنه ابو اسحق الثعلبی فاکثر فی تفسیره ویدکر کثیراً فیقول اخبرنا الفنجوی۔ علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قویۃ الاسناد روایات ہم آگے ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا اسی لئے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں (موطا ص ۴۰، فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۴)



(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ومن بعدہم سے بھی اس قسم کی روایت یا اس پر عمل منقول ہوتا مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولاً حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو اس لئے یہ حکم دیا۔ بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطائی ایک اور روایت کی وضاحت :

موطائی میں ایک اور روایت ہے عن الاعرج قال ما أدركت الناس الا وهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القاري يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات فاذا قام بها فلي ثنتي عشرة ركعة رأى الناس انه قد خفف (موطأ مالك) اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرأت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے۔ مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں۔ لما جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

### بیس تراویح کا ثبوت

(۱) قالت عائشة رضي الله تعالى عنها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان مالا يجتهد في غيره (رواه مسلم)

(۲) وعنها رضي الله تعالى عنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد منزرة واحين ليلة وايقظ اهله اخرجه البخاري (فتح الباري ج ۲ ص ۲۳۲)

(۳) روى البيهقي في شعب الایمان عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرفوعاً كان اذا دخل شهر رمضان شد منزرة ثم لم يأت فراشه حتى ينسلخ واسناده حسن۔

(۴) وعنها رضي الله تعالى عنها قالت كان اذا دخل رمضان تغیر لونه وکثرت صلاته وابتهل في الداء واشفق لونه کذا فی العزیزی ج ۳ ص ۱۲۷۔ احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گزار دیتے تھے بہت بعید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طویل قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور آخری حدیث میں ”طالت صلاته“ کی بجائے ”کثرت صلاته“ کا



لفظ اس پر بین دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔ ثواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان مالا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلمان عدداً کثیراً (الانتقاد الرجیع ص ۶) مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی اگرچہ بیس کی تعیین نہیں، اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر اخرجة ابن ابی شیبہ فی مصنفہ والبیہقی فی معجمہ والطبرانی فی الکبیر لہ والبیہقی فی سننہ (التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۶) صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کنا بوجہ ذیل صحیح نہیں۔

(۱) مختلف محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ قال ابن عدی لہ احادیث صالحة وهو خیر من ابراہیم بن ابی حنیفہ وقال یزید بن ہارون وکان علی کتابتہ ایام کان قاضیاً ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضائہ منہ (تھذیب ج ۱ ص ۱۴۵) اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان، ابراہیم بن ابی حنیہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ ابراہیم بن ابی حنیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔ نقل عثمان الدارمی عن یحییٰ بن معین انہ قال شیخہ ثقہ کبیر کذا فی اللسان (ج ۱ ص ۵۳) جب ابراہیم بن ابی حنیہ ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریق اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔ یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے اس لئے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں۔ نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت خارجیین کے زیادہ باخبر تھے اس لئے کہ یزید ان کے محکمہ میں محرر تھے۔

(۲) ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں۔

(۱) خود ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے اور مثال میں بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب غسل ثلاثاً من دلوغ الکلب اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲)

(۲) وفيہ ایضاً والحاصل ان غیر المرفوع او المرفوع المرجوح فی الثبوت عن مرفوع آخر



قد يقدم على عديله اذا اقترنت بقرائته تفيد انه صحيح عنه عليه الصلوة والسلام مستمر عليه (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۵)

(۳) حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے۔ مگر اس سے قول صحابی موافق ہو جائے تو بالاتفاق حجت ہے اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ و قول الترمذی العمل علیہ عند اهل العلم یقتضی قوۃ اصلہ وان ضعف خصوص هذا الطريق (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۸)

(۴) روی اسد بن عمرو بن ابی یوسف قال سألت ابا حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ عن الترویج وما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال الترویج سنة مؤكدة ولو يتخرصه عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقاء نفسه ولو يكن فيه مبتدعاً ولو يأمر به الا عن اصله لدايه و عهد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی مراقی الفلاح نقلاً عن الاختیار (ص ۲۳۹) غرضیکہ حدیث نمبر ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی پہلی چار روایتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم ساری اُمت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجت بینہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو اُمت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں (اخبار الہدیت ۱۹ اپریل ۱۳۹۷ء) اور آٹھ رکعت والی حدیث اسکے خلاف نہیں۔ اسلئے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں۔ علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے۔ (فتح الباری ص ۱۱) یعنی ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعة اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعة ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفَتین رواہ البخاری (فتح الباری ص ۱۱) وقد مر تفصیله،

(۶) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ) اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا وہ حکماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپ کی طرف سے مامور بہ قرار پائیگا پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔



## بين ركعات اجماع صحابة رضي الله عنهم

- ① عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة والوتر رواه البيهقي في المعرفة وصححه السبكي في شرح المنهاج (التعليق الحسن ص ٢٥٢ ج ٢)
- ② وفي لفظه من طريق اخر قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة وقال كانوا يقرؤون بالمئين وكانوا يتوكلون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه من شدة القيام صححه النووي في الخلاصة وابن العراقي في شرح التقريب والسيوطي في المصابيح (حواله بالا)
- ③ عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه امر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة رواه ابو بكر ابن ابى شيبة في مصنفه واسناده مرسل قوي (اثر السنن ص ٥٥ ج ٢)
- ④ عن عبد العزيز بن رفيع قال كان ابى بن كعب رضي الله تعالى عنه يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة يوتر بثلاث اخرج ابو بكر ابن ابى شيبة في مصنفه واسناده مرسل قوي (حواله بالا)
- ⑤ عن ابى الحسن ان علي بن ابى طالب رضي الله تعالى عنه امر رجلاً يصلي بالناس خمس ترويعات عشرين ركعة رواه البيهقي في سننه وضعفه (كنز العمال ص ٢٨٢ ج ٢)
- ⑥ اخرج البيهقي رواية ابى عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله تعالى عنه وسجى مفصلاً عن قريب انشاء الله تعالى
- ⑦ عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علي رضي الله تعالى عنه انه كان يؤمهم في رمضان بعشرين ركعة والوتر بثلاث وفي ذلك قوة (بيهقي ص ٢٩٦ ج ٢)
- ⑧ عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة رواه مالك واسناده قوي مرسل (بيهقي ص ٢٩٦ ج ٢)
- ⑨ عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثاً وعشرين ركعة بالوتر (ابو بكر ابن ابى شيبة واسناده حسن)



(١٠) عن أبي الخضيب قال كان يؤمننا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويجات عشرين ركعة (ربيهقي ص ٢٩٦ واسناده حسن)

(١١) عن نافع بن عمر قال كان ابن أبي مليكة يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة (ابن أبي شيبة واسناده حسن)

(١٢) عن سعيد بن عبيد ان علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويجات ويوتر بثلاث (ابن أبي شيبة واسناده حسن)

(١٣) قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث (قيام الليل ص ٩)

(١٤) قال الاعمش كان (عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه) يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث (حواله بالا)

(١٥) سيأتي عن المغني رواية صالح مولى التوأمة

(١٦) قال الحافظ ابن قدامة في المغني والمختار عند أبي عبد الله رحمه الله فيها عشرين ركعة وبهذا قال الثوري وابو حنيفة والشافعي وقال مالك ستة وثلاثون وزعم ابن الأثير القدير وتعلق بفعل اهل المدينة فان صالح مولى التوأمة قال ادركت الناس يقومون باحدى واربعين ركعة يوترون منها بخمس ولنا ان عمر رضي الله تعالى عنه لما جمع الناس على أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه كان يصلي بهم عشرين ركعة رواه ابوداؤد ورواه السائب بن يزيد وروى عنه من طرق وروى مالك عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن علي رضي الله تعالى عنه انه امر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالاجماع واما ما رواه صالح فان صالحا ضعيف ثم لا ندري من الناس الذين اخبر عنهم فلعله قد ادرك جماعة من الناس يفعلون ذلك وليس ذلك بحجة ثم لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكان ما فعله عمر واجمع عليه الصحابة رضي الله تعالى عنهم في عصره اولى بالاتباع قال بعض اهل العلم انما فعل هذا اهل المدينة لانهم ارادوا مساواة اهل مكة فان اهل مكة يطوفون



سبعاً بین کل ترویجین فجعل اهل المدينة مکان کل سبع اربع رکعات وما کان علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ واحق ان یتبع (المغنی ۸ ج ۱)

(۱۷) قال ابن حجر المکی الشافعی اجتمعت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی ان التراويح

عشرون رکعة (مراقبة)

(۱۸) التراويح سنة مؤكدة عشرون رکعة برمضان والاصل فی مسنونيتها الاجماع

(نیل المارب فی الفقه الحنبلی)

(۱۹) قال العلامة القسطلانی فی شرح الصحیح للبخاری وقد عدا واما وقع فی زمان عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالاجماع -

(۲۰) روی محمد بن نصر من طریق داود بن قیس قال ادركت الناس فی اماراة ابی

ابن عثمان وعمر بن عبد العزيز بالمدينة يقومون بست وثلاثين ويوترون بثلاث -

(فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۴)

(۲۱) عن الزعفرانی عن الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت الناس يقومون بالمدينة بتسع

وثلاثين وبمكة بثلاث وعشرين (حوالہ بالا)

قال لشیح یرد علی هؤلاء احداث البدعة فی الدین فان قیام رمضان بستة وثلاثين لم یثبت

عن احد من الخلفاء ولم یروذک فی اثر من الصحابة ثم اجاب قال واللہ اعلم لعلمهم لم یروا التحدید

فیہ وظنوا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راغب الناس وحثهم علی قیام رمضان من

غیر تحدید فیہ ولا تعین رکعات واختیار الخلفاء عشرين رکعة کان لدخوله تحت

هذا الترغیب العام لا لمعنی فی عشرين حتی یکره زیادة علیها فاختر والحكمة قاستة

وثلاثين بناء علی زعمهم ان فی الامر سعة واما نحن فلا نجیز زیادة علی العشرين رکعة

فی الجماعة العامة ونجیز فی غیر الجماعة لان الجماعة من الشعائر فلا تشرع الا ما ورد به النص

او المواظبة من الصحابة ولم یرد النص ولا مواظبة الصحابة بازید من عشرين رکعة فی رمضان

واما قولهم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حث علی قیام رمضان من غیر تحدید فالجواب عنه

انه صلی اللہ علیہ وسلم حث علیہ بالاطلاق ونحن نقول به ولم یحث علیہ بالجماعة لا الی

حد فلا یجوز قیامه بالجماعة الا بالقدر الذی ورد فیہ الجماعة واللہ اعلم (حاشیة علار السنن ص ۲۹)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس سے کم نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم کا



اجماع ہے۔ منحنی، قسطلانی، مرقاة اور نیل المآرب کی خط کشیدہ عبارات میں اس کی بالکل تصریح ہے۔  
میں سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابو الحسنار کی روایت ضعیف ہے اس قدر کثرت  
روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں معہذا تئیم فائدہ اور مزید تائید کی  
غرض سے قدرے توضیح کی جاتی ہے۔

### حجۃ المرسل :

حجۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد  
رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اگرچہ قول انکار ہے مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے۔ ابو داؤد اور ابن جریر  
نے امام شافعی سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے امام  
شافعی نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اجماع نقل کر کے اسے ساقط کرنے کی بہت  
کوشش کی ہے مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کر سکے ہیں (مقدمة فتح الملہم ص ۷۷)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند یا مرسل سے ہوتی ہو تو یہ  
مرسل امام شافعی کے ہاں بھی مقبول ہے۔ قال المحافظ وقال الشافعی یقبل اذا اعتضد بحجۃ  
من وجہ آخر یباین الطريق الاولیٰ مسنداً کان او مرسلًا (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۷) بلکہ شیخ الاسلام  
ذکر یا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائیگا (حاشیہ شرح نخبہ)  
علاوہ ازیں زید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام  
شافعی کے ہاں بھی بلاشبہ حجت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، قال الشافعی اصح الكتب  
بعد کتاب اللہ موطا الامام مالک واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رأى  
مالك ومن وافقه واما على رأى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل  
السند به من طرق اخرى وقد صنف فى زمان مالك موطات كثيرة فى تخريج احاديثه  
ووصل منقطعه مثل كتاب ابن ابى ذئب وابن عيينة والثوري ومعه حجة الله البالغة (ص ۱۶)

### ابو الحسنار کی روایت :

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

① تقریب التہذیب میں ابو الحسنار کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو الحسنار سے ان کے دو شاگرد ابو سعد اور عمرو بن قیس روایت



کرتے ہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں وہ مجہول الذات نہیں۔ لہذا ابوالحسنار مجہول نہیں بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور عند الجمور بشرط مؤید مقبول ہے۔ یہاں اسکا مؤید عبدالرحمن سلمیٰ اور شعیب بن شکر کی روایت موجود ہے جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے وقد مر نصہ هذا الحدیث وان كان ضعيفا لكن جبر بتعدد طرقه (ابکار الممنون ص ۱۸) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے ولو سلم ان کلھا ضعیفۃ فہی مجموعہا تبلغ درجۃ الحسن (ابکار الممنون ص ۱۸)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوالحسنار کا لقار ثابت نہیں لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ابوالحسنار دو ہیں ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں یہ حکم بن عتبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے استاد ہیں (تہذیب التہذیب) دوسرے ابوالحسنار جو حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابوسعید بقال و عمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

## بیس رکعات پر خلفاء راشدین کی مواظبت

صاحب ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کیساتھ شامل ہو کر پڑھنا ثابت نہیں۔ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ لفظ خلفاء راشدین تغلیباً اطلاق کیا گیا ہے۔ مقصود خلفاء ثلاثہ ہیں (فتح القدیر ص ۱۷ ج ۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے اس لئے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں :

- ① عملاً کمواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الجماعۃ والسنن الرواتبہ وغیرھا۔
- ② مواظبت تشریعیاً۔ یعنی کسی فعل پر ہمیشہ برا نیگہ کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا مثلاً اذان اقامت کی سنیت پر اجماع ہے۔ حالانکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر



مواظبت نہیں فرمائی بلکہ کبھی بھی اذان یا اقامت خود نہیں کہی (الا ان یكون نادرا) غرضیکہ اذان اقامت کی سنیت صرف مواظبت تشرعی یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے۔ اب بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشرعی ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے۔

① امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزمًا فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کیساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے (المغنی لابن قدامة)

② قال الشوكاني واختلفوا في ان الافضل صلاة في بيته منفردا ام في جماعة في المسجد فقال الشافعي وجمهور اصحابه وابو حنيفة واحمد وبعض المالكية وغيرهم رحمهم الله تعالى الافضل صلاة في جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنہم واستمر امر المسلمین علیہ (لانہ من الشعائر الظاہرة) (نیل الاوطار ص ۲۹۵ ج ۲)

③ قد اخرج البيهقي في سننه عن ابي عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله تعالى عنه قال ودعا القراء في رمضان فامر منهم رجلا ان يصلي بالناس عشرين ركعة قال وكان علي رضي الله تعالى عنه يوترهم وروى ذلك بوجه آخر عن علي انتهى كذا في التعليق المحسن قال النيموي فيه حماد بن شعيب وهو ضعيف (ص ۵۶ ج ۲) ثم نقل اقوال مضعفيه عن الميزان قلت وفي اللسان وقال ابن عدي يكتب حديثه مع ضعفه واخرج له مع هذا الحاكم في مستدرکه ۵ (ص ۳۲۸ ج ۲) فلا ترحسن مع كونه مرويا من وجه آخر ايضا وفيه تصريح بامر علي رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة و اشعار بقيامه معهم (انہ كان يوترهم فافهم) (اعلاء السنن ج ۴ ص ۵۰)

مدونہ میں روایت ہے عن یحییٰ بن سعید انہ سئل عن صلوة الامیر خلف القاری قال ما بلغنا ان عمرو عثمان رضي الله تعالى عنهما كانا يتقومان في رمضان مع الناس في المسجد (مدونہ ص ۱۹۲) اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز نہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں بصورت اقتدار نماز نہ پڑھنے کی نفی ہے۔ ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں جس سے روایت ساکت ہے علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ۳۵ کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح



پڑھتے تھے۔ اور حضرت علی، جابر، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

## قول ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں۔ کیونکہ آٹھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۰۷)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایت و درایت ہر طرح سے باطل ہے۔ روایت اسلئے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایت اس لئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا۔ حالانکہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظبت سے سنیت ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں :

(۱) قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی البناۃ شرح الہدایۃ، سیرۃ العمرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا شک فی ان فعلہا ثوابہ وفی ترکہا عقاب لاننا امرنا بالاعتداء بہما لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اقتدوا باللذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مأثوراً بہ یکون واجباً وتارک الواجب یشحق العقاب والعتاب (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۱۵ ج ۱)

(۲) وقال کمال الدین بن الہمام فی تحریر الاصول قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرضہ ما قطع بلزومہ وواجب ما ظن، وسنۃ الطریقۃ الدینیۃ منہ علیہ الصلوۃ والسلام والخلفاء الراشدین وبعضہم (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحر العلوم فی شرح التحریر ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین عندہ صلی اللہ علیہ وسلم بان باشرۃ اولایان استمر النامۃ علیہا بذنہ او باذن الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم (حوالہ بالا)

(۴) وفی التبیین شرح الحسامی، وفی عرف الشریع یراد بہا طریقۃ الدین اما للرسول صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی یقال سنۃ الرسول او سنۃ الخلفاء الراشدین (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۱)



ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدين المہدیین عضو علیہا بالنواجذ قال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیحہ (ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

علیکم کاللفظ وضعا لزوم پردال ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سنتہ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سنتہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں کیونکہ مندوب لازم نہیں ہوتا۔ پھر عضو علیہا بالنواجذ بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سنتہ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی۔ کیونکہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے لما روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا سألتہ ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضها اقویٰ من بعض ولکل نور فمن اخذ شیء مما ہم علیہ من اختلافہم فهو عندی علی ہدی رواہ زرین (مشکوٰۃ ص ۲۷۳) اسی لئے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتہ الخلفاء اور خصوصاً سنتہ اشیخین کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت موجب سنیت ہے۔ صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتدار و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

## بیس رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ غیر ہم کا اجماع

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

① مخنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے۔

② المسنون عند ابی حنیفۃ والشافعی واحمد عشرین رکعة وحکی عن مالک ان

التراویح ست وثلاثون رکعة (رحمة الامة ص ۲۳)

③ واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس فی رمضان

فاختار مالک فی احد قولیه وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین رکعة

سوی الوتر و ذکر ابن قاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاث



(القولہ) و ذکر ابن القاسم عن مالک انه الامر القدير، (بداية المجتهد ص ۲۲۰ ج ۱)

(۴) وقد قالت المالكية انها كانت ثلاثا وعشرين ثم جعلت تسعا وثلاثين (قسطا في)

(۵) قال الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف اهل العلم في قيام رمضان فرأى

بعضهم ان يصلي احدى واربعين ركعة مع الترو وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا

عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي صلى الله

عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي و

هكذا ادركت ببليدنا بمكة يصلون عشرين ركعة وقال احمد روى في هذا الوان لم ينص فيه

بشيء وقال سفيان بن عيينة واربعة ركعة على ما روى عن ابى بن كعب (ترمذی ص ۱۱۰ ج ۱)

غرضیکہ بیس رکعات کی سنیت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے

کم تراویح نہیں۔ لہذا انکے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے والاعۃ اذا اختلفوا في مسألة

في اى عصر كان على اقوال كان اجماعا منهم على ان ما عداها باطل ولا يجوز لمن بعدهم احدا

قول آخر (نور الانوار ص ۲۲۳)

### اجماع کی تعریف :

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے۔ ونصہ واصحہ عندنا ان اجماع كل عصر

من اهل العدالة والاجتهاد حجة ولا عبرة لقلة العلماء وكثرهم ولا بالشبهة على ذلك حتى

يموتوا ولا لمخالفة اهل الهواء فيما نسبوا به الى الهواء ولا لمخالفة من لا رأى له في الباب

الا فيما يستغنى عن الرأى ثم الاجماع على مراتب فالاقوى اجماع الصحابة رضي الله تعالى

عنهم نعتا لانه لا خلاف فيه فيهم اهل المدينة وعرة الرسول عليه السلام ثم الذي ثبت

بعض بعضهم وسكوت الباقيين لان السكوت في الدلالة على التقرير دون البعض ثم اجماع من

بعد الصحابة على حكم لم يظهر فيه قول من سبقهم مخالفا ثم اجماعهم على قول سبقهم فيه مخالفا

فقد اختلف العلماء في هذا الفصل فقال بعضهم هذا لا يكون اجماعا لان موت المخالف

لا يبطل قوله وعندنا ان اجماع علماء كل عصر حجة فيما سبق فيه الخلاف وفيما لم يسبق لكنه

فيما لم يسبق فيه الخلاف بمنزلة المشهور من الحديث وفيما سبق فيه الخلاف بمنزلة الصحيح

من الاحاد واذا انتقل اليها اجماع السلف باجماع كل عصر على نقله كان في معنى نقل



الحديث المتواتر وإذا انتقل اليها بالافراد كان كمنقل السنت بالأعداد وهو يقين باصله  
ولكن لما انتقل اليها بالأحاد اوجب النقل دون العام وكان مقدماً على القياس (حسامي)  
منكر اجماع كافر ہے یا نہیں ؟

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے۔ ثم نقل في نور العين عن رسالة الفاضل  
الشهيد حسام چلیپی من عظماء علماء السلطان سليم بن بايزيد خان ما نصه اذا لم تكن  
الاية والخبر المتواتر قطعي الدلالة ولم يكن الخبر متواتراً او كان قطعياً لكن فيه شبهة  
او لم يكن اجماعاً لجميع او كان ولم يكن اجماعاً للصحابه رضى الله تعالى عنهم او كان  
ولم يكن اجماعاً لجميع الصحابة او كان اجماعاً لجميع الصحابة ولم يكن قطعياً بان لم  
يثبت بطريق التواتر او كان قطعياً لكن كان اجماعاً سكوتياً ففى كل من هذه الصور لا  
يكون الجحود كفراً يظهر ذلك لمن نظر في كتب الاصول فاحفظ هذا الاصل فانه ينفعك  
في استخراج فروع حتى تعرف منه ما قيل انه يلزم الكفر في موضع كذا ولا يلزم في موضع اخر اهـ  
(رد المحتار ص ۲۹۳ ج ۳ کتاب المرتد)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقد اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں، البتہ  
تفصیل کی جائے گی۔ یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالتِ بیئہ میں ہے۔ فقیم روضتہ  
بعشرین رکعة والوتر هو السنة المؤكدة بفضل تاركها ويلام من نقص عنها (اعلاء السنن ص ۴ ج ۷)  
نقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و حکم

رشید احمد

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ ہجری

تتمہ :

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

① پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ  
تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا۔ جمہور مسلمان جو بیس تراویح  
پڑھتے ہیں یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر  
چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ  
عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین



علماءِ راستخیز کا عمل بیس یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پورے بارہ سو سال تک تمام مساجد شرق و غرب اور جنوب و شمال میں بیس یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں۔ کیا اہل حدیث کے سوائے جمہور اُمت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے ہی بیس یا بیس سے زائد پڑھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا، مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

## ② اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (العرف الجہادی ص ۸۴) پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ پس آتی زیادت عامل بسنت ہم باشد الخ (ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اما آنکہ جمع از اہل علم اس نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرار معین راستخن داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجملہ چیزے ست کہ بر آن اس معنی صادق ست کہ ان صلواتہ ان جماعۃ وانہ فی رمضان پس حکم بتدیرع ان چیز معنی (بدولالہ) لیکن جو اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرأت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے۔ پس اسکے بدعت ہونیکا حکم لگانے کے کیا معنی؟ نیز فرماتے ہیں۔

ان صلواتہ التراويح سنة باصلها لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیالی ثمر



ترکہ شفقة علی الامة ان تجب علی العامة او یحسبوا واجبة ولم یأت تعین العدد فی الروایة بصحیحة المرفوعة ولكن یعلم من حدیث كان رسول الله صلى الله علیه وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیره رواه مسلم ان عددها كان کثیرا (الانتقاد الرجیح ص ۶)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں۔ پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں یا عوام انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرمادیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتیٰ) عدد کا تعین نہیں آیا لیکن اس حدیث سے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیره رواه مسلم معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳) اہل حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں۔ کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابو الحسن صاحب مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی۔ اسلئے آجکل کے اہل حدیث اصح الکتاب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں گو دلائل فی غیرہ کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو۔ بہر حال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کہ۔

(۴) عہد فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں یا کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷) سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح یا جماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

نتی (الحاق من خیل المصنم بقلم محب المؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة) العبد رشید احمد رزقہ اللہ تعالیٰ حبہ وحب اولیائہ۔ والحمد للہ اولا و آخر و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ کما یحبہ ویرضی بعدد ما یحبہ ویرضی۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ ہجری



## ارشاد القاری المصیح البخاری

تألیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی  
 یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف  
 موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا،  
 زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی  
 حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے  
 اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک  
 منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر  
 مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا  
 جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار  
 کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک  
 دکھائی جاسکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور  
 بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروع و امانی میں  
 نہیں ملتے۔ (اقتباس از مامناہ البلاغ ذی الحجہ سولہ ماہ صفحہ ۷۱) قیمت

سید کینی ادب منزل کراچی  
 پاکستان چوک، کراچی